احسان و تصوّف

خواجہ شمس الدین عظیمیؒ



www.ksars.org

Khwaja Shamsuddin Azeemi Research Society

احسان وتصوّف

خواجہ شمس الدین عظیمیؔ

انتساب

کائنات میں پہلے

صوفی

حضرت آدم علیہ السلام

کے نام

خلاصہ

ہر شخص کی زندگی روح کے تابع ہے
اور روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے
جو بندہ اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے
وہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھ لیتا ہے

تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف کی حقیقت، صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کی سوانح، ان کی تعلیمات اور معاشرتی کردار کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا اور ناقدین کے گروہ نے تصوف کو بزعم خود ایک الجھا ہوا معاملہ ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود تصوف کے مثبت اثرات ہر جگہ محسوس کئے گئے۔ آج مسلم امہ کی حالت پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہماری عمومی صورتحال زبوں حالی کا شکار ہے۔ گذشتہ صدی میں اقوامِ مغرب نے جس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی میں اوجِ کمال حاصل کیا سب کو معلوم ہے اب چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان ممالک بھی روشن خیالی اور جدت کی راہ اپنا کر اپنے لئے مقام پیدا کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی روشنی میں اپنی مادی ترقی کو اخلاقی قوانین کا پابند بنا کر ساری دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کرتے ایک ایسا نمونہ جس میں فرد کو نہ صرف معاشی آسودگی حاصل ہو بلکہ وہ سکون کی دولت سے بھی بہرہ ور ہو مگر افسوس ایسا نہیں ہو سکا۔ انتشار و تفریق کے باعث مسلمانوں نے خود ہی تحقیق و تدبر کے دروازے اپنے اوپر بند کر لئے اور محض فقہ و حدیث کی مروجہ تعلیم اور چند ایک مسئلے مسائل کی سمجھ بوجھ کو کافی سمجھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اکیسویں صدی کے مسلم معاشروں میں بے سکونی اور بے چینی کے اثرات واضح طور پر محسوس کئے جاتے ہیں حالانکہ قرآن و سنت اور شریعت و طریقت کے سرمدی اصولوں نے مسلمانوں کو جس طرزِ فکر اور معاشرت کا علمبردار بنایا ہے، اس میں بے چینی، ٹینشن اور ڈپریشن نام کی کوئی گنجائش نہیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی تصنیف 'احسان و تصوف' کا مسودہ مجھے کنور ایم طارق، انچارج مراقبہ ہال ملتان نے مطالعہ کے لئے دیا اور میں نے اسے تاریخ کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے پڑھا۔ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا نام موضوع کے حوالہ سے باعث احترام ہے۔ نوع انسانی کے اندر بے چینی اور بے سکونی ختم کرنے، انہیں سکون اور تحمل کی دولت سے بہرور کرنے اور روحانی قدروں کے فروغ اور ترویج کیلئے ان کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں۔ ایک دنیا ہے جسے آپ نے راہِ خدا کا مسافر بنا دیا۔ وہ سکون کی دولت گھر گھر بانٹنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ زیر نظر کتاب تصوف پر لکھی گئی کتابوں میں ایک منفرد مستند کتاب ہے۔ جس خوبصورت اور عام فہم انداز میں تصوف کی تعریف کی گئی ہے اور عالمین اور زمان و مکان کے سربستہ رازوں سے پردہ ہٹایا گیا ہے۔ یہ صرف عظیمی صاحب ہی کا منفرد انداز اور جداگانہ اسلوب بیاں ہے۔ عظیمی صاحب نے موجودہ دور کے شعوری ارتقاء کو سامنے رکھتے

تصوف کو جدید سائنٹیفک انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ عبادات مثلاً نماز، روزہ اور حج کا تصوف سے تعلق، ظاہری اور باطنی علوم میں فرق، ذکر و فکر کی اہمیت، انسانی دماغ کی وسعت اور عالم اعراف کا ادراک جیسے ہمہ گیر اور پر اسرار موضوعات کو سادہ اسلوب میں اور بڑے دلنشیں پیرائے میں بیان کیا جائے تاکہ قاری کے ذہن پر بار نہ ہو اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہے۔

میرے لئے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ یہ کتاب بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ علوم اسلامیہ کے توسط سے شائع ہو رہی ہے۔ میں عظیمی صاحب کی اس کاوش کو سراہتا ہوں کہ انہوں نے طلباء کی ہدایت اور راہنمائی اور علمی تشنگی کو بجھانے کیلئے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ میں عظیمی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا کرے یہ کتاب عامتہ المسلمین اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے خواہشمند افراد سب کیلئے یکساں مفید ثابت ہو، معاشرہ میں تصوف کا صحیح عکس اجاگر ہو اور الٰہی تعلیمات کو اپنا کر ہم سب دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔(آمین)

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ چودھری

وائس چانسلر

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

فہرست

قطرۂ بارش

روحانیت اور تصوف کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اکثر صوفیاء چونکہ اون کا لباس پہنتے تھے اس لئے لوگ انہیں صوفی کہتے تھے۔ اون کو عربی میں صوف کہتے ہیں۔ وہ لوگ یہ لباس اس لئے پہنتے تھے کہ صوف کا لباس پہننا اکثر نبیوں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا معمول رہا ہے۔ بعض حضرات کے خیال میں اصحاب صفہ کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں جبکہ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ صوفی صفاء سے مشتق ہے لیکن ان ساری تشریحات سے دل مطمئن نہیں ہوتا۔

تصوف کے اصطلاحی معانی دراصل ''نفس کا تزکیہ'' ہے۔ تصوف اس جذبہ اخلاص کا نام ہے جو ضمیر سے متعلق ہے اور ضمیر نور باطن ہے۔ صوفی اللہ کی معرفت سوچتا ہے۔ اس کی گفتگو کا محور اللہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ جیتا ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ مرتا ہے، اسی کا کلمہ پڑھتا ہے، اسی کے گن گاتا ہے اور اسی کے عشق میں ڈوبا رہتا ہے۔ اللہ کو دیکھنے اور اللہ سے ملاقات کے شوق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

مظاہر فطرت، سمندر کی طغیانی اور سکون میں، اپنے آگے پیچھے اوپر نیچے۔۔۔ صوفی کو ہر طرف اللہ نظر آتا ہے۔

ہر دور میں فلسفی موشگافیاں کرتے رہے، جو فلسفی اللہ کی ہستی کے قائل ہیں، وہ اللہ کو صرف کائنات کا صنعتکار قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مخلوق کا اللہ سے رابطہ قائم نہیں ہوتا۔ اللہ کسی انسان سے ہم کلام نہیں ہوتا۔

تفکر کیا جائے تو سائنسداں اور فلاسفہ کے بیان میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ سائنس دان کہتا ہے کہ اللہ اس لئے نظر نہیں آتا کہ اس کی موجودگی دلیل کی محتاج ہے اور انسان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے اللہ کو دیکھنا تسلیم کر لیا جائے۔

سائنس کا عقیدہ ہے کہ کائنات حادثاتی مظاہرہ ہے۔ حالانکہ سائنس دان الیکٹرون کو تخلیق کی اکائی مانتا ہے۔ جو نظر نہیں آتی اور کبھی نظر نہیں آئی۔ سائنس اور فلسفہ کی بنیاد عقل پر ہے جبکہ لاکھوں سال میں عقل کی کوئی حتمی تعریف نہیں ہو سکی۔ سائنس اور فلسفہ کے برعکس مذہب کہتا ہے کہ صحیح عقیدہ کی بنیاد وحی اور الہام ہے اور عقل کا وحی اور الہام میں کوئی دخل نہیں ہے۔

تصوف کے معنی ہیں صوفی ہونا اور صوفی کا مطلب ہے: ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والا۔ صوفی وہ ہے جو خود کو تنہا کر کے اللہ سے متعلق رہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کا خلوص اور حقائق کے ادراک کی استعداد ہو۔ صوفی کا یقین ہے کہ اللہ خود اپنا کلام کسی بندے پر نازل کرتا ہے اور انسان اس سے رابطہ میں ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱)کسی بشر کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ سے ہمکلام ہو۔ مگر وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے۔ یا کسی قاصد کے ذریعہ۔ یا اللہ جس طرح چاہے۔(سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۵۱)

۲)اگر تم پکاروگے تو میں جواب دوں گا۔

۳)تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

۴)میں تمہاری رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں۔

۵)میں تمہارے اندر ہوں، تم دیکھتے کیوں نہیں؟

۶)اگر تم میری اطاعت کروگے تو میں اس کی جزا دوں گا اور اگر میری نافرمانی کروگے تو سزا کے مستحق ہوگے۔

۷)اگر تم مجھ سے محبت کروگے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت سے تمہاری شخصیت میں میری صفات کا عکس نمایاں ہو جائے گا۔اور میرے قرب سے تم میرا دیدار کر سکوگے۔

جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کو کافی سمجھا اور جنت کو اپنا مقصد بنالیا۔ لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ اللہ کے ساتھ تعلق اور محبت کو ضروری سمجھا اور اللہ کے دیدار کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔

روحانیت یا ''تصوف'' روح انسانی سے واصل ہونے کا جذبہ ہے۔ تصوف اپنی انا کا کھوج لگانے کا علم ہے۔

.تصوف من کی دنیا میں ڈوب کر سراغ زندگی پا جانے کا نام ہے۔ علم روحانیت یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ ازل میں روح اللہ کو دیکھ چکی ہے، روحیں اللہ کی آواز سننے کے بعد ''قالو بلیٰ'' کہہ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کر چکی ہیں۔ صوفی کہتا ہے اگر میری روح اللہ کو نہ جان سکتی تو اللہ مجھے اپنی ذات سے محبت کا حکم نہ دیتا۔ صوفی پر اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا ہے۔ صوفی کے اوپر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ روح ایک ایسی ہستی سے محبت کرنا چاہتی ہے جو اس کا خالق ہے اور وہ کائنات میں حسین ترین ہستی ہے۔ صوفی کے یقین میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میری روح بھی اس سے محبت کرتی ہے۔

روحانی بندہ اللہ کی تلاش میں ارتکاز توجہ (Concentration) سے استغراق حاصل کر کے حقیقت الحقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔

دانشور پوچھتے ہیں کہ غیر صوفی کو وہ مشاہدات کیوں نہیں ہوتے جن کا صوفی اعلان کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان روح سے واصل نہیں ہونا چاہتا۔ اور جب اپنی انا یعنی روح سے واقف نہیں ہونا چاہتا تو روح کی حقیقت اس کے لئے پردہ بن جاتی ہے۔

انسان مادی اور دنیاوی علوم کے لئے اپنی ساری توانائی اور مال و دولت خرچ کرتا ہے۔ آدمی میٹرک پاس ہونے کے لئے 35600 گھنٹے اور کثیر سرمایہ خرچ کرتا ہے لیکن روح کا عرفان حاصل کرنے کے لئے دن، رات میں 20 منٹ بھی یکسو نہیں ہوتا۔ اللہ کے پاس جانے کے خیال سے ہی دنیادار کے اوپر مردنی چھاجاتی ہے جبکہ اللہ کی ہر نعمت اسے اچھی لگتی ہے۔

ہر فرد بشر جانتا ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ عام لوگوں کے برعکس اللہ کے دیدار کے لئے صوفی اس وقت کا شوق سے انتظار کرتا ہے۔

احسان و تصوف کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ بالخصوص امت مسلمہ اور بالعموم نوع انسانی، اپنی پیدائش، حیات و ممات اور منصبِ خلافت فی الارض کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور یہ بات اس کے علم میں آجائے کہ کائنات میں ہر مخلوق باشعور ہے لیکن انسان واحد باشعور مخلوق ہے جو یہ جان لیتی ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے، کیوں پیدا ہوا، مرنے کے بعد کس دنیا میں چلا جاتا ہے اور اس دنیا کے شب و روز کیا ہیں؟

تصوف پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب تصویر کا ایک نیا رخ پیش کرتی ہے۔ لوگوں نے تصوف کے اوپر بے پناہ اعتراضات کئے ہیں اور تصوف کی فضیلت میں قصیدہ خوانی بھی کی گئی ہے۔ تنقید و تعریف کے انبار میں تصوف کو ایک الجھا ہوا مسئلہ سمجھا جانے لگا۔ کوئی کہتا ہے کہ تصوف دنیا بیزار اور کاہل الوجود لوگوں کا مسلک ہے۔ کسی نے کہا۔ گدی نشین حضرات کا محبوب مشغلہ ہے اور مریدین سے خدمت لینے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کسی نے بتایا کہ یہ مسمریزم، ہپناٹزم اور عامل معمول کا کھیل ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ''نظریہ تصوف'' گانے بجانے اور دھمال ڈالنے کا اچھا طریقہ ہے۔

صاحب قلب و نظر افراد نے پر وقار، پر اعتماد اور سچائی کی عظمت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قلبی مشاہدات اور روحانی کیفیات کا نام تصوف ہے۔ صوفی کے دل کی ہر دھڑکن اللہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کہتے ہیں کہ:

''یار دم بدم و بار بار می آید''

اہل عقل و دانش نے فلسفیانہ استدلال، منطق اور عقلی توجیہات سے تصوف کو اس قدر الجھا دیا ہے کہ تصوف ایک علم چیستان بن گیا ہے۔

انہوں نے اس علم کو یہودی، عیسائی، ویدانت اور بدھ ازم کا لباس پہنا دیا ہے۔

قوم کے ہمدرد اور مخلص حضرات و خواتین نے تصوف کے اعلیٰ ذوق کو اختیار کر کے توکل، قناعت اور استغناء کی روشن مثالیں قائم کی ہیں۔ انہوں نے عملاً اس بات کا مظاہرہ کیا کہ تصوف ایک ایسا راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیا اور دین کی بھلائی حاصل کر لیتا ہے۔

تصوف کے پیروکار راہب نہیں ہوتے، وہ محنت مزدوری کر کے، حقوق العباد پورے کرتے ہیں اور شب بیدار ہو کر اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔

میری دانست میں تصوف کی تعریف یہ ہے کہ:

تصوف ایک ایسا School of Thought ہے جس میں انسان کو انبیاء علیہم السلام کی طرز فکر کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔۔۔انسان تعلیم مکمل کر کے جب اس اسکول سے نکلتا ہے تو وہ آدم سے ممتاز ہو کر انسان بن جاتا ہے۔اور اس کے اندر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرز فکر نظر آتی ہے۔وہ زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ کو دیکھنے اور اس سے قریب تر ہونے کی آرزو کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد خود کو پہچان کر اللہ کا عرفان حاصل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصل یعنی روح سے واقف ہونے کی توفیق دے۔(آمین)

آیئے!

جدوجہد کریں کہ ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے اور ہم سب اس طرح اللہ سے قریب ہو جائیں جس طرح اللہ چاہتا ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ

۱۲ربیع الاول ۱۴۲۴

مرکزی مراقبہ ہال - سرجانی ٹاؤن، کراچی

تصوف کی تعریف

باطنی مشاہدات:

صوفی ریاضت و مجاہدہ کے بعد محبوب کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔ دھیان اور مراقبوں کے ذریعہ اس کے اندر یہ یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ زندگی کا مقصد صرف اور صرف اللہ کا عرفان ہے۔

تصوف ایک ایسا علم ہے جو روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے اور مخلوق کو خالق کائنات سے قریب کرتا ہے۔ روحانیت یا تصوف کے راستے کا مسافر باطنی کیفیات اور مشاہدات سے اللہ کو دیکھ لیتا ہے اور اسے اللہ سے ہمکلامی کا شرف نصیب ہو جاتا ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے جسمانی وظائف کے ساتھ روح کے عرفان کے اعمال واشغال کو تصوف کہا ہے۔ اسلام میں شریعت اور طریقت کا تصور بھی یہی ہے کہ انسان عبادت میں جسمانی پاکیزگی اور اعمال کے ساتھ ذہنی تفکر کے ذریعے اپنی ذات سے واقفیت حاصل کرے تاکہ اس کے مشاہدے میں یہ بات آجائے کہ انسانی ذات (روح) دراصل کسی انسان کے اندر ماورائی دنیاؤں میں داخل ہونے کا نام ہے، چونکہ روح اللہ کا ایک حصہ ہے۔ یعنی کل کا جز ہے۔ جب جز کا مشاہدہ ہوتا ہے تو (حقیقت مطلقہ) سامنے آجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو، اسے لازم ہے کہ اعمال صالحہ کرے اور اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری میں کسی کو شریک نہ کرے۔“

(سورۂ کہف۔ آیت نمبر ۱۱۰)

محبت (اللہ کی تجلی)، توحید، تقویٰ اور عرفان نفس تصوف کی بنیاد ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لا شریک ہے اور اللہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ قرآن پاک کا نزول اس وقت ہوا جب دنیا شرک، کفر اور بت پرستی کے اندھیروں میں گم ہو چکی تھی۔

انسان خود پرستی، کبر و نخوت اور زر پرستی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ فطری اقدار کے منافی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ۳۶۰ بتوں کو معبود بنالیا گیا تھا۔

اس پُر آشوب۔۔۔بے یقین۔۔۔فساد سے بھرپور اور وسوسوں کے دور میں قرآن نے اعلان کیا:

''بس وہی ہر شئے کا اول ہے۔ اور وہی ہر شئے کا آخر ہے۔ اور وہی ہر شئے کا ظاہر ہے۔ اور وہی ہر شئے کی کنہ کو جاننے والا ہے۔''

تصوف، تقویٰ پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ کتاب متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

''بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن ہیں''۔

(سورۂ نحل۔ آیت نمبر ۱۲۸)

تصوف، عشق و محبت کا سمندر ہے اور محبت حصولِ مقصود کا ذریعہ ہے۔ مومن کو ایقان حاصل ہوتا ہے۔ یقین مشاہدہ سے مشروط ہے۔ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے ان لوگوں کو جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں ان کے یقین میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔''

(سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر ۵،۴)

روحانی تشریح:

اس کتاب میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں۔ اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے۔ متقی لوگوں کو۔ اور متقی لوگ وہ خواتین و حضرات ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان، یقین سے مشروط ہے۔ یقین کا مطلب ہے کسی چیز کو اس طرح دیکھ لیا جائے کہ اس میں ابہام باقی نہ رہے۔ اور قائم کرتے ہیں صلوٰۃ یعنی متقی لوگوں کا اللہ کے ساتھ رابطہ رہتا ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق مومن دیکھتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا وہ دیکھتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ مومن یقینی طور پر اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ بندہ جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ پیدا کرتا ہے تو وہ اس دنیا میں آتا ہے۔ اللہ وسائل فراہم کرتا ہے تو وہ وسائل استعمال کرتا ہے۔ مومن اپنی مرضی سے نہ جیتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے۔

مشاہدہ کرنے والے لوگ ہی اللہ سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔

"اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔"

(سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر ۱۶۵)

'(اے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو تم بہت عزیز رکھتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری یا زیادہ محبوب ہے تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

(سورۂ توبہ۔ آیت نمبر ۲۴)

صوفی قربِ الٰہی کا شیدائی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ روحانی آدمی اللہ کی طرف راغب رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے رسول! سجدہ کرتے رہو اور قُربِ حق حاصل کرتے رہو۔"

علم شریعت:

شریعت ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کی ہر تخلیق اللہ کے حکم سے وجود میں آئی ہے۔ اللہ قادر مطلق ہے اللہ جو چاہے جب چاہے جس طرح چاہے اس کے اَمر سے ہو جاتا ہے۔ شریعت پر عمل کرنے سے انسان کے شعور میں غیب کو سمجھنے کی صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔ اس کے دماغ میں غیب بینی کے خلیئے (CELLS) چارج ہو جاتے ہیں۔ صاحب شریعت بندے میں اللہ کی نشانیوں پر تفکر کرنے اور تزکیۂ نفس کا رجحان بڑھ جاتا ہے

تصوف یا روحانی علوم سیکھنے کے بعد انسانی شعور غیب کی دنیا کو دیکھ لیتا ہے۔ انسان کو ایمان یعنی یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کی ابتداء انتہا، اول و آخر، ظاہر و باطن سب اللہ کے احاطے میں ہے۔ شریعت پر کاربند بندہ نماز پڑھتا ہے اور صاحب شریعت صوفی نماز میں اللہ کا دیدار کرتا ہے۔ ایک آدمی بادشاہ کے احکامات پر اور اس کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتا ہے دوسرا آدمی بھی اچھا شہری ہے قوانین کا احترام کرتا ہے لیکن اسے بادشاہ کی قربت بھی حاصل ہے۔ دونوں اچھے شہری ہیں۔ لیکن جسے قربت حاصل ہے، اس کا درجہ بڑا ہے۔

صاحب شریعت بندہ اللہ کی بادشاہی میں اللہ کے فرمانبردار بندے کی طرح احکامات کی تعمیل کرتا ہے برائیوں سے بچتا ہے، غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا ہے۔ نیک عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی سب کام صوفی بھی کرتا ہے لیکن وہ اللہ کے قرب کا

متمنی ہوتا ہے۔اللہ کو جانتا ہے۔اللہ کو دیکھتا ہے۔ہر شئے پر اللہ کے محیط ہونے کا مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ رگِ جان سے زیادہ قریب ہے اس آیت کے مصداق خود کو اللہ سے قریب محسوس کرتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ا سے ۴ تک میں تقربِ الی اللہ اور حق الیقین کا پورا نصاب بیان ہوا ہے۔شریعت مطہرہ ہمیں رہنمائی عطا کرتی ہے کہ ایمان بالغیب (حق الیقین) حاصل کرنے کے لئے اس طرح عمل کیا جائے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہمارا ذہن کامل یکسوئی کے ساتھ اللہ سے وابستہ ہو جائے۔علم شریعت اور علم حضوری سیکھنے کے بعد انسان کے شعور میں غیب پر یقین کرنے اور غیب کی دنیا کے مکینوں کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نفس کا عرفان:

تصوف کے علوم یا علم حضوری حاصل ہونے کے بعد انسان عالم دنیا سے نکل کر عالم ارواح میں عالم ملکوت و جبروت میں پہنچ جاتا ہے۔

صدقِ مقال، اکلِ حلال کمانے والا بندہ اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والا امتی اپنے نفس اور اپنی روح سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور ارشادات پر دل و جاں سے عمل کر کے اللہ کو پہچان لیتا ہے۔

"پس اے رسول جب آپ فرائض منصبی سے فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کریں اور اپنے رب کی طرف راغب رہیں۔"

(سورۂ الم نشرح۔آیت نمبر ۷۔۸)

"اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو"۔

(سورۂ الحدید آیت نمبر ۴)

"بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو متقی ہیں اور محسن بھی ہیں"۔

(سورۂ نحل۔آیت نمبر ۱۲۸)

تزکیہ نفس:

روحانیت یا تصوف کے دستور العمل "تزکیۂ نفس" کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اللہ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے اُمیوں میں ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا، جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کے نفوس کا تزکیۂ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔"

(سورۂ جمعہ۔آیت نمبر ۲)

سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات ''تزکیۂ نفس'' کے رہنما اصول بتاتی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر پسندیدہ عمل کی اطباع کرتے ہیں اور تمام غیر پسندیدہ اعمال سے اجتناب کرتے ہیں۔

اہل اللہ خواتین وحضرات نے تصوف یا روحانیت کے اصول انہی آیات کی روشنی میں مرتب کئے ہیں۔

''اے کپڑوں میں لپٹنے والے، رات کو کھڑے رہا کرو۔ مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا نصف سے کسی قدر کم کردو۔ یا نصف سے کچھ بڑھادو۔ اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔ بے شک رات کو اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے۔ اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو۔ اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں۔ تو اپنے سارے کام اس ہی کے سپرد کردو۔

اور یہ لوگ جو باتیں کہتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ اور ان جھٹلانے والوں ناز و نعمت میں رہنے والوں کو چھوڑدو۔ اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں کی اور مہلت دے دو۔

(سورۂ مزمل۔آیت ۱تا۱۱)

تصوف میں جتنے اعمال واشغال، سالک کو تلقین کئے جاتے ہیں وہ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے مطابق ہوتے ہیں۔

اعمال واشغال:

۱) ذکر اذکار حمد و تسبیح کرنا۔

۲) Concentration، تلاش، جدوجہد، تفکر

۳) صلوٰۃ میں اللہ سے تعلق قائم کرنا۔

۴) اللہ سے قریب ہونے کے لئے روزے رکھنا۔

۵) تزکیۂ نفس کے بعد تقویٰ اختیار کرنا۔

۶) مسلمان ہونے کے بعد۔ غیب کی دنیا کا مشاہدہ کرنا۔

۷) ہر طرف سے ذہن ہٹا کر یکسوئی کے ساتھ اپنے اندر کا کھوج لگانا یعنی مراقبہ کرنا۔

۸) غصہ پر کنٹرول حاصل کر کے اپنے اندر عفو ودر گزر کی صفات پیدا کرنا۔

۹) اللہ تعالیٰ بغیر غرض کے اپنی مخلوق کی خدمت کرتے ہیں، صوفی بھی اس صفت کے حصول کے لئے خالصتاً اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔

۱۰) صوفی سمٰوات پر بروج کی زینت کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔

۱۱) صوفی کے اندر خوف اور غم نہیں ہوتا۔ جو اللہ کے دوستوں کی پہچان ہے۔

۱۲) صوفی نفس کی ظلمت کو دور کر کے اپنے رب کو پہچانتا ہے۔

۱۳) صوفی آسمانوں، زمین اور تسخیر کائنات کے فارمولوں سے واقف ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے ناسوتی دنیا میں ہی جنت دکھا دیتے ہیں اور دوزخ کے عذاب سے وہ خود کو بچانے کی ہر لمحہ کوشش کرتا ہے۔

۱۴) صوفی اللہ کی ہر نعمت پر شکر ادا کرتا ہے اور جو حاصل نہیں اس کا شکوہ نہیں کرتا۔

۱۵) صوفی معاملہ فہم ہوتا ہے۔ وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔

۱۶) صوفی بلا خوف مذہب و ملت، ہر شخص کا احترام کرتا ہے اور ان کے کام آنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

۱۷) صوفی جھوٹ کو پسند نہیں کرتا اور خود جھوٹ نہیں بولتا۔

۱۸) صوفی سلام میں پہل کرتا ہے۔

۱۹) صوفی سخی ہوتا ہے۔ مہمان نوازی صوفیاء کی روایت ہے۔

۲۰) صفی کو علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔

۲۱) مرشد کے فیض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور اللہ کے فضل و کرم سے صوفی راسخون فی العلم کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

تصوف کی تاریخ

آدم وحوا جب زمین پر آئے تو ان میں شعور بہت کم تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ قانون قدرت کے تحت آدم کی نسل دو سے چار، چار سے آٹھ اور اسی طرح جب ہزاروں سے تجاوز کر گئی تو شعور بھی لاکھوں گنا ہو گیا۔ آدم وحوا کے بچوں نے جڑیں، ناپختہ پھل اور کچا گوشت کھانے میں کراہیت محسوس کی ان کے شعور نے رہنمائی کی کہ کچا گوشت نہ کھایا جائے۔ گیہوں کے دانے چبانے کے بجائے گندم پیس کر آٹے کی روٹی پکانی چاہئے۔ (تاریخ تصوف)

زمین پر انسان کا پہلا دن:

قانون یہ ہے کہ شعور ایک ہو یا ہزار ہوں جب کسی نقطے پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو اس کا مظاہرہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں آدمیوں میں سے کسی ایک آدمی نے غیر اختیاری طور پر دو پتھر اٹھائے ان کو آپس میں ٹکرایا، ٹکرانے سے حرارت پیدا ہوئی تو پتھروں میں سے چنگاری نکلی۔

چنگاری کی چمک نے ابن آدم کو اس طرف متوجہ کیا کہ چنگاری سوکھی گھاس کو جلا ڈالے گی اور دیکھتے دیکھتے آگ بھڑک اٹھی۔

زمین پر انسان کا یہ پہلا دن تھا جب انسان حیوانات سے ممتاز ہوا اور اس نے اس ایجاد سے اپنے لئے کھانا پکانا شروع کر دیا۔ حیوانات سے ممتاز ہونے کے بعد انسان کے ذہن میں نئے نئے خیالات آتے رہے اور پھر ایجاد کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

آدم اور حوا کے آنے سے پہلے زمین موجود تھی اور زمین پر جنات آباد تھے۔ زمین کے وارث جنات اور آدم ہیں۔

جنات نے جب زمین پر خون خرابہ کیا اور زمین کی کوکھ اجاڑنے کی ہر تدبیر پر عمل کیا تو قدرت نے زمین کو فساد زدہ قرار دے دیا اور جنات سے زمین کی سرداری چھین کر آدم کو دے دی۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی کہ ابن آدم نے بھی وہی کیا جو جنات کرتے چلے آرہے تھے۔ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

معاشرتی قوانین:

حضرت آدم علیہ السلام نے انسانی معاشرہ کے لئے جو قوانین وضع کئے ان کی اولاد نے ان پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ طویل عرصے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام ۹۵۰ برس تک توحید کی تبلیغ کرتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پانی کے ہر گھونٹ اور ہر لقمے پر الحمد اللہ کہتے تھے۔ نو سو پچاس برسوں تک تبلیغ کرنے پر اسّی (۸۰) مرد اور عورتیں ایمان لائے باقی قوم نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اس پاداش میں قوم پر عذاب نازل ہوا۔ زمین کو فساد سے پاک کرنے کے لئے آسمان سے اتنا پانی برسا کہ زمین سمندر بن گئی۔ گاؤں، گوٹھ، قصبے، شہر ڈوب گئے۔ پوری قوم غرقِ آب ہوگئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ہلاک ہوگیا۔ اسّی (۸۰) مرد اور عورتیں جو ایمان لائے تھے عذاب الٰہی سے بچ گئے۔ زمین چھ مہینے تک پانی میں ڈوبی رہی طوفان ختم ہونے پر کشتی "جودی" پہاڑی پر ٹھہری۔ (محمد رسول اللہ ﷺ۔ جلد سوم)

ایمان لانے والے سلامتی کے ساتھ کشتی سے اترے لیکن ان کی نسل نہ چل سکی۔ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے "حام، سام، یافث" جو کشتی میں سوار تھے ان سے آدم کی نسل کا دوبارہ آغاز ہوا۔ حام چھوٹے بیٹے تھے، سام منجھلے اور یافث بڑے بیٹے تھے۔ آج کی دنیا میں جہاں بھی جس رنگ کی بھی نسل آباد ہے وہ ان ہی تین بھائیوں کی اولاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے زمین کے چپے چپے پر ہادی اور پیغمبر بھیجے جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی حیات طیبہ پر غور کیا جائے تو تمام پیغمبروں نے آدم زاد کو اپنی روح سے واقف ہونے کی ہدایت دی ہے۔ یعنی مادی وجود کو سہارا دینے اور مادی وجود کو قائم رکھنے والی روح کو پہچانو۔ پیغمبروں نے بتایا ہے کہ روح اللہ کا امر ہے۔ انسان کو اللہ کے امر کا علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تھوڑا علم لامحدود علم کا قلیل علم ہے۔

سمندر کے پانی کا ایک قطرہ یعنی سمندر کے قلیل کا تجزیہ کیا جائے تو اس قطرہ میں پورے سمندر کی صفات نظر آتی ہیں۔ پیپل کے درخت کا بیج خشخاش کے دانے سے چھوٹا ہے۔ اگر پیپل کے اتنے چھوٹے بیج کو مائیکروسکوپ فلم میں دیکھا جائے تو اس ننھے سے بیج میں پیپل کا پورا درخت نظر آتا ہے۔

جسمانی رُخ۔۔۔روحانی رُخ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات ہمیں اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ ہر انسان دو رخوں سے مرکب ہے۔

انسان کا ایک رخ جسمانی رخ ہے اور دوسرا رخ روحانی جسم ہے۔ مادی جسم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر لمحہ ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے۔ مٹی کا جسم فنا ہو کر مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ روحانی جسم اللہ کا امر ہے۔ ہر مادی وجود کی حرکت روحانی وجود کے تابع

ہے۔مادی وجود روحانی وجود کے تابع ہو کر حرکت کرتا ہے۔روح اگر جسمانی وجود سے رشتہ منقطع کر لے تو مادی وجود میں کسی بھی طرح کی حرکت نہیں ہوتی۔کھانا پینا، چلنا پھرنا، غم اور خوشی سے متاثر ہونا، شادی بیاہ اس ہی وقت ممکن ہے جب روح جسم کو سہارا دے۔دنیا ہزاروں سال سے موجود ہے۔ہزاروں سال کی تاریخ میں ایک بھی مثال نہیں ہے کہ کسی مردہ جسم نے کوئی ایجاد کی ہو۔یا مردہ اجسام سے کوئی اور انسانی عمل سرزد ہوا ہو۔

ایک اور دنیا:

آسمانی کتابوں اور قرآن حکیم میں اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ دنیا عارضی دنیا ہے۔اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جس میں جا کر ہمیں اپنے اعمال کی سزا یا جزا کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔جس طرح اس دنیا کے بعد دوسری دنیا عالم آخرت ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی ایک دنیا ہے۔ جہاں سے ہم آئے ہیں۔ اس دنیا کا نام عالم ارواح ہے۔ اللہ کے فرستادہ ہر نبی مکرم علیہ السلام نے اس امر کی تبلیغ کی ہے کہ انسان کا صحیح ورثہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو خود پڑھایا اور سکھایا ہے۔

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب بھی یہی علم ہے۔جو جنات کو اور فرشتوں کو عطا نہیں کیا گیا۔

نوعِ انسانی کا پہلا صوفی:

ایک علم ظاہری ہے۔دوسرا علم باطنی علم ہے۔ظاہری علم معیشت و معاشرت کا علم ہے اور باطنی علم تصوف ہے۔تصوف کا آغاز اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا ’’میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔‘‘ آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھانا۔

باطنی علوم کے زمرہ میں آتا ہے۔ باطنی اور آسمانی علوم بنی نوع آدم کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ تصوف کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس طرح نوع انسانی میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں۔

پیغمبروں کی تعلیمات رہنمائی کرتی ہیں کہ ہر پیغمبر نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصور سے آگاہ کیا ہے اور خود اس پر عمل کر کے بامقصد زندگی گزارنے کا درس دیا ہے۔

پیغمبروں کی تعلیمات کے مطابق واحد ذات اللہ کی پرستش نہ ہو تو وہ ہرگز تصوف نہیں ہے۔

’’انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں کہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں بھائی چارہ چاہتے ہیں۔اپنی مخلوق کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔مخلوق کا بے سکون رہنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔

اللہ مخلوق کو خوش دیکھنے کے لئے مخلوق کی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے راستے پر چلنے کو اپنا راستہ قرار دیتے ہیں۔پیغمبروں کی زندگی پر تفکر کیا جائے تو ان میں صراط مستقیم پر قائم رہنے اور صراط مستقیم پر دعوت دینے کا بھرپور عزم ہوتا ہے۔پیغمبر عفوودرگذر سے کام لیتے ہیں، حق تلفی نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ہر پیغمبر کی تعلیمات کا مقصد توحید پرستی ہے۔یہی سب باتیں پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والا صوفی بتاتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

"اور ہم نے آسمان کو بروج سے زینت بخشی دیکھنے والوں کے لئے اور چھپا لیا ہم نے اس خوبصورت آرائش اور زینت کو شیطان مردود سے"۔

(سورۃ الحجر:۱۶۔۱۷)

تصوف کا شیدائی صوفی اس کی تفسیر اس طرح بیان کرتا ہے جو لوگ آسمان پر بروج کی زینت کو نہیں دیکھتے یا دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو روحانی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا ہے۔ہر انسان اس صلاحیت کو بیدار کرکے آسمان پر بروج کو دیکھ سکتا ہے۔

نماز میں حضوری:

قرآن پاک میں ہے:

"پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں۔" (سورۂ ماعون۔آیت نمبر۶)

یعنی نماز تو وہ پڑھتے ہیں لیکن انہیں نماز میں مرتبۂ احسان حاصل نہیں ہوتا۔صوفی کہتا ہے جس کو نماز میں مرتبۂ احسان یعنی حضورِ قلب نہ ہو اس کی نماز، نماز نہیں ہے بلکہ اس کے لئے خرابی ہے۔صوفی کا عقیدہ ہے کہ اگر انسان خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کو صدقِ دل کے ساتھ حاضر و ناظر جان کر صلوٰۃ قائم کرے تو اسے حضوریٔ قلب نصیب ہو جاتی ہے۔

دعوتِ حق:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کے نظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔(آنکھیں کھول کر دیکھنے سے مراد باطنی نظر سے دیکھنا ہے جو روح کی آنکھ ہے)اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید زندہ رہنے کی جو مہلت دی گئی ہے اس کے پورے ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

ہمیں ہدایت دیتا ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے وہ جسے چاہے عزت اور شرف سے نواز دے اور جسے چاہے ذلیل وخوار کر دے۔ اللہ عجز و انکساری کو پسند فرماتا ہے۔

تکبر اور غرور اللہ کے لئے ناپسندیدہ اعمال ہیں۔ ناپسندیدہ اعمال جب حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو قدرت نافرمانوں کو نیست ونابود کر دیتی ہے۔ ہر انسان اپنے عمل کا خود جوابدہ ہے اس لئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا نہیں بن سکتی اور نہ بیٹے کی سعادت باپ کی سرکشی کا بدل ہو سکتی ہے۔

حضرت عاد علیہ السلام کے قصے میں بیان ہوا ہے:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اونچی عمارتوں والے عادِ ارم سے کیا سلوک کیا؟''

(سورۂ حجر: آیت ٦۔٧)

اور عاد علیہ السلام کی طرف بھیجا ان کا بھائی ہود علیہ السلام بولا:

''اے قوم بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا سہارا اس کے سوا، کیا تم کو ڈر نہیں؟''

(سورۂ اعراف: آیت نمبر ٦٥)

گمراہ قوم نے تعجب سے پوچھا تم ہمارے پاس صرف اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی اللہ کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا! کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے ناموں پر رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند۔ قوم ہودؑ نے عادؑ کی تعلیمات سے بیزاری کا اظہار کیا، بولے:

''ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ کرے۔'' (سورۃ الشعراء: آیت نمبر ١٣٦)

حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے کہا:

''یاد کرو اس ذات کو جس نے تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو تم چاہتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے، اولادیں دیں، باغ و شجر دیئے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم اللہ کے ساتھ انہیں شریک کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ عظمت و خوشحالی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تم نے کئی کئی منزلہ عالیشان عمارتیں بنائی ہیں، دولت اور ثروت ہونے کے باوجود تمہیں اطمینانِ قلب نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم نے مادی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے''۔

(سورۃ الشعراء: آیت نمبر ١٣٢۔١٣٥)

یوم ازل کا وعدہ:

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تم لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے ہو (جو وعدہ تمہاری روحوں نے یومِ ازل میں اللہ سے کیا تھا اور تم نے قالوبلیٰ کہہ کر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا) غصہ اور انتقام کے جذبے نے تمہیں اندھا کر دیا ہے تم لوگوں نے اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی ہے''۔ (سورۃ اعراف: آیت نمبر ۷۶۔۷۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے باپ بت تراش اور بت پرست قوم سے بیزار ہوئے انہیں خدا کو جاننے پہچاننے اور عرفان حاصل کرنے کی آرزو ہوئی۔ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اماں سے پوچھا"اے ماں! تیرا خدا کون ہے؟ بیٹا میرا خدا تیرا باپ ہے جو میری ضروریات کا کفیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا۔ ''اماں جی! میرے باپ کا خدا کون ہے؟'' ماں نے بتایا کہ آسمان پر چمکنے والے ستارے تیرے باپ کے خدا ہیں''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے۔ان کے اندر کے نور نے خدا کی تلاش کے لئے انہیں بیقرار کر دیا۔

رات اندھیری ہو گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا اور کہا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے کہا میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا! یہ میرا رب ہے۔تو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا! اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاتا اور پھر آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے! یہ سب سے بڑا ہے تو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔اے قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا-اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے مظاہر فطرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پھر ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں عجائبات دکھائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔''

(سورۃ انعام: آیت نمبر ۷۵)

قرآن پاک میں مذکور ہے:

"اور یاد کرو کتاب میں اسماعیل کا ذکر تھا۔ وہ وعدہ کا سچا، اور تھا رسول اور نبی اور حکم کرتا تھا اپنے اہل کو صلوٰۃ کا اور تھا وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ"۔ (سورۂ مریم: آیت نمبر ۸۴۔۸۵)

اللہ کے نمائندے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جو ان کے اور ایک صاحب باطن مرد خدا (صوفی) کے درمیان ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! پروردگار اس بندے تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جس مقام پر مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وہ شخص تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا اور بتایا کہ میرا نام موسیٰ ہے۔ اس شخص نے پوچھا موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ میں آپ سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ اس شخص نے کہا۔ اے موسیٰ! تم میرے ساتھ رہ کر ان معاملات میں صبر نہیں کر سکو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا! انشاءاللہ مجھ کو آپ صابر پائیں گے۔ اس شخص نے کہا تو پھر شرط ہے کہ جب تک آپ میرے ساتھ رہیں کسی معاملے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔

دونوں کشتی میں بیٹھ گئے۔

اس شخص نے (جسے اہل باطن صوفیاء خضر علیہ السلام کہتے ہیں) کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

یہ آپ نے کیسی عجیب بات کی ہے کہ کشتی والوں نے ہم سے کرایہ بھی نہیں لیا اور آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔

کشتی کنارے لگی تو دونوں اتر کر ایک میدان میں پہنچے۔ میدان میں بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ تو بہت برا ہوا کہ آپ نے ناحق ایک معصوم کو قتل کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں نے آپ سے شروع میں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر وضبط سے کام نہیں لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس مرتبہ اور نظرانداز کر دیجئے اس کے بعد کوئی عذر نہیں رہے گا۔ اور آپ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔

چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچ گئے۔ ایک مکان کی دیوار گرنے لگی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے درست کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ بستی والوں نے نہ ہماری مہمان داری کی نہ ہمیں ٹھہرنے کی جگہ دی۔ آپ نے بغیر اجرت کے دیوار بنادی۔(فصوص الحکم)

سورۂ کہف میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

''پس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آگیا ہے ہاں جن باتوں میں تم سے صبر نہ ہو سکا۔ ان کی حقیقت تم کو بتلادوں۔''

(سورۂ کہف: آیت نمبر ۷۸)

اللہ کی بادشاہی کارکن:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں یہ انکشاف ہے کہ اللہ کے نظام میں ایسے لوگ بھی کام کرتے ہیں جو نبی نہیں ہیں لیکن یہ سب لوگ توحید پرست ہوتے ہیں۔ اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی روحوں کو اللہ کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ یہی صاحب عرفان لوگ اللہ کی بادشاہی میں اللہ کے نمائندے یا خلیفہ ہوتے ہیں۔

حضرت مریم علیہ السلام انہی جلیل القدر بندوں میں سے ہیں۔ جب فرشتوں نے کہا ''اے مریم علیہ السلام! بلاشبہ اللہ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برگزیدہ کیا۔ اے مریم علیہ السلام اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا اور نماز قائم کرنے والوں کے ساتھ نماز ادا کر۔''

بشارت:

قرآن حکیم میں ہے جب فرشتوں نے مریم علیہ السلام سے کہا:

''اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے حکم کی بشارت دیتا ہے اور اس کا نام مسیح ابن مریم علیہ السلام ہو گا۔ وہ دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت اور ہمارے مقربین میں ہو گا۔''

(سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۴۵)

''وہ ماں کی گود میں لوگوں سے کلام کرے گا اور وہ نیکو کاروں میں سے ہو گا''۔

(سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۴۶)

مریم علیہ السلام نے کہا کہ:

''میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔''

فرشتے نے کہا:

"اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ کسی شئے کے لئے حکم کرتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے"۔

(سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۴۷)

حضرت مریم علیہ السلام بچے کو گود میں لے کر جب شہر میں پہنچیں تو لوگوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے:

"مریم علیہ السلام یہ تو نے کیسی تہمت کا کام کر لیا ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بد چلن تھی پھر یہ کیا کر بیٹھی ہے؟"

(سورۂ مریم: آیت نمبر ۲۷۔۲۸)

مریم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کیا جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو میں تو آج روزے سے ہوں۔

حضرت مریم علیہ السلام کے اس واقعے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح روحانی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔

قرآن اور تصوف:

سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے!

"اے گروہ جنات اور گروہ انسان! تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے"۔

(سورۂ رحمٰن: آیت نمبر ۳۳)

تصوف میں سلطان کا مطلب چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ کوئی انسان زمینی شعور میں رہتے ہوئے چھ شعوروں پر غلبہ حاصل کر لے تو وہ زمینی شعور سے باہر نکل سکتا ہے۔

ہر آسمان ایک شعور ہے آسمانی دنیا کو پہچاننے کے لئے ان شعوروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آسمانی دنیا سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ جب انسان سات شعوروں کا ادراک حاصل کر لیتا ہے تو اس میں عرش معلیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

گھڑی کی سوئیاں:

بورڈ کے اوپر گھڑی بنی ہوئی ہے۔ گھڑی میں سوئی کے ایک ساتھ ایک سے بارہ تک ہندسے لکھے ہوئے ہیں۔ ہندسے جس جگہ لکھے ہوئے ہیں وہ اسپیس ہے اور سوئی کا گھومنا ٹائم ہے، اگر سوئی کو اتنی رفتار سے گھمایا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے 12 سے 6 کے ہندسے پر پہنچ جائے تو شعور پردے میں چلا جائے گا اور جو شعور ایک، دو، تین کے وقفوں میں سے گزر کر چھ تک پہنچتا ہے وہ حذف ہو جائے گا۔ یعنی ذہن کی رفتار اتنی تیز ہو جائے گی کہ اسپیس کے وقفے نظرانداز ہو جائیں گے اور جب سوئی کو اس طرح گھمادیا جائے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے بارہ پر پہنچ جائے تو ذہن کی رفتار اتنی زیادہ ہو جائے گی کہ ایک سے بارہ تک وقفوں کو نظر پھلانگ جائے گی۔ (روحانی ڈائجسٹ)

انسان کے اندر بیک وقت دو نظریں کام کر رہی ہیں۔ ایک نظر وقفہ وقفہ سے کام کرتی ہے اور دوسری نظر وقفوں کی نفی کر کے آگے اور بہت آگے دیکھتی ہے۔

پیدائشی شعور:

ریورس میں بارہ سے گیارہ، گیارہ سے دس اور اسی طرح گزر کر ایک پر آجائے تو اسے وہ شعور حاصل ہو جائے گا جو پیدائش کے وقت تھا۔

اگر سوئی بارہ کے ہندسے سے ریورس ہو کر بیک وقت دس پر آجائے تو انسان کو وہ شعور حاصل ہو جاتا ہے جو اسے خواب دکھاتا ہے۔ اگر سوئی بارہ سے اچھل کر نو پر آجائے تو اسے مراقبہ کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر سوئی آٹھ پر آجائے تو اسے وہ شعور حاصل ہو جاتا ہے جس کو وحی کہتے ہیں۔ اور یہ وہی وحی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھی پر وحی کی۔

اگر بارہ کے ہندسے پر قائم سوئی تیزی کے ساتھ حرکت کر کے ایک دم سات پر آجائے تو انسان کے اوپر کشف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اگر سوئی چھ پر آجائے تو انسان کے اندر وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن نے سلطان کہا ہے۔ یعنی اب انسان زمین کے کناروں سے باہر نکل سکتا ہے۔

پہلے آسمان کا شعور:

زمین کے کناروں سے باہر دیکھنے کی صلاحیت کے حامل سالک کے اندر پہلے آسمان کا شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذالقیاس اس طرح سات آسمانوں کو وہ دیکھ لیتا ہے اور سات آسمانوں میں وہ داخل بھی ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا!

''ہم نے آسمان اور زمین کو تہہ در تہہ بنایا ہے''۔

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم بھی انہی کی مانند ہے''۔

''اور تمہارے اوپر ہم نے سات راستے بنائے تخلیق کے کام سے ہم اچھی طرح واقف ہیں''۔

(سورۃالمومنون: آیت نمبر ۱۷)

تہہ در تہہ سے مراد دراصل وہ شعوری صلاحیتیں ہیں جو اللہ نے انسان کو ودیعت کی ہیں۔ سات تہوں والے آسمانوں یا زمین سے مراد یہ ہے کہ ہر تہہ ایک مکمل نظام ہے اور ہر نظام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ایسا ضابطہ حیات جس کا ایک دوسرے سے تصادم نہیں ہوتا۔ ان سب کا رشتہ خالق کائنات کے ساتھ قائم ہے۔

تمام چیزیں اور مخلوقات اس بات کا علم رکھتی ہیں کہ ہمارا خالق اللہ ہے اور اس علم پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتی ہیں اور شکر ادا کرتی ہیں۔

اربوں کھربوں سے زیادہ ان چیزوں یا مخلوقات میں سے کوئی ایک مخلوق بھی اللہ کی خالقیت سے انحراف کرے تو نظام زندگی میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اللہ کی حمد بیان کرتی ہیں یعنی اللہ کی خالقیت سے انحراف نہیں کرتیں۔

تصوف اور رہبانیت

یہ اعتراض کہ تصوف رہبانیت کی طرف آمادہ کرتا ہے اور صوفی کاہل الوجود ہوتے ہیں۔ نہایت مضحکہ خیز بات ہے۔

صوفی کے علاوہ جو لوگ کام نہیں کرتے ہڈ حرام ہوتے ہیں۔ بچوں کے حقوق پورے نہیں کرتے، بیویاں دن بھر کام کرتی ہیں، شوہر گھر میں بیٹھ کر وقت ضائع کرتے ہیں۔ کیا یہ سب بھی صوفی ہیں؟

ترکِ دنیا:

صوفی روحانی صلاحیت اور باطنی استعداد کو متحرک کرنے کے لئے جب خانقاہ میں داخل ہوتا ہے۔ چند سال تک خانقاہ کے ہاسٹل میں رہتا ہے۔ تو اسے مخالفین راہب اور تارک الدنیا کہتے ہیں۔ اور جب کوئی طالب علم دنیاوی علم حاصل کرنے کے لئے کارپینٹر کا کام سیکھنے کے لئے، ملازم حکمران کی اطاعت کیلئے، مزدور مزدوری کیلئے، اجیر فیکٹری میں کام کرنے کیلئے جب سالہا سال گھر اور وطن سے دور رہتا ہے۔ تو کوئی نہیں کہتا یہ تارک الدنیا ہے۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ راہب ہے۔

سالک خانقاہ میں رہ کر اپنی باطنی کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ اللہ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ بلا صلہ و ستائش اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے لئے خود کو اہل بناتا ہے۔ اللہ کا دوست بن کر خوف اور غم سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔ تو اسے راہب اور دنیا بیزار کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔

تصوف مذہب کی روح ہے اور اسلام کے اصولوں پر اس کی تدوین ہوئی ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ دوسرے علوم کی طرح روحانی طالب علم شب و روز محنت کرکے، وقت لگا کر یہ علم سیکھتا ہے اور جب علم کی تکمیل ہو جاتی ہے تو گوشہ نشینی یا ہوسٹل کی رہائش ترک کر دیتا ہے اور دنیا کے سارے کام پورے کرتا ہے۔ سالکین کے اوپر یہ الزام ہے کہ وہ تارک الدنیا ہوتے ہیں۔ کیا ہم لاہور میں مقیم حضرت داتا گنج بخشؒ اور ملتان میں موجود حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کو تارک الدنیا کہہ سکتے ہیں۔

داتا صاحبؒ کا مزار مرجع خلائق ہے جہاں ہزاروں انسان روزانہ کھانا کھاتے ہیں۔ کیا ہم اس دعوتِ عام کو ترکِ دنیا کا نام دے سکتے ہیں۔

مذاہب عالم اور تصوف

تصوف کی ابتداء کس طرح ہوئی اور تصوف کی شروعات کہاں سے ہوئی۔اس کے بارے میں تاریخ میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ایک معمہ ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ تصوف سب سے پہلے فارس میں نمودار ہوا۔جب زرتشتی عقائد دنیا میں پھیل گئے اور شام اور مصر سے یونان میں اور وہاں سے چین اور ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان عقائد کے ساتھ ساتھ جو روایات عوام تک پہنچیں ان کو تصوف کا نام دے دیا گیا۔

(اسلامک انسائیکلوپیڈیا)

یونانی تصوف:

یونان میں صوفیانہ تصوف کا آغاز ایک دیومالائی شخص ''آرمینٹس'' سے ہوا۔اس وقت مغربی ایشیاء میں سامامی افکار اور زرتشتی عقائد پھیلے ہوئے تھے۔جنہوں نے رفتہ رفتہ عمومی رسومات کی صورت اختیار کرلی۔فلسفیانہ افکار نے عقلیت پسند ذہنوں کو ان رسومات سے بدگمان کردیا۔

انہوں نے ایک طرف تو خیر و شر کی پائیدار اقدار کی تلاش شروع کردی اور دوسری طرف شر سے محفوظ رہنے کے طریقوں کو تلاش کیا۔اس ماحول میں آرمینٹس کے باطنی نظریہ نے جنم لیا۔اس نے ''زہدو اتقا'' کو بنیاد قرار دے کر ذاتی تجربہ اور ان کی فکری توجیہات کی اشاعت شروع کی۔تاریخ میں پہلی بار آرمینّس نے خانقاہیں تعمیر کیں۔اس نے یہ عقیدہ پیش کیا۔اگر روح جسم کی بندشوں اور مادی حدود سے آزاد ہو جائے تو اس کی قوتوں میں بے حد اضافہ ہوگا۔مادی جسم کی بندشوں سے آزادی کے لئے جو طریقے وضع کئے گئے۔

اس میں دنیا سے دور ہو کر ریاضت و مجاہدے شامل تھے۔اس تصور سے رہبانیت کا آغاز ہوا۔لیکن اس کا کوئی مثبت نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔

یونان کے بعد اسکندریہ میں فیثاغورثی فلسفہ قائم ہوا۔جس میں بتایا گیا کہ ''خدا، روح اور جسم'' تین مختلف چیزیں ہیں۔خدا نے روح کو جو خیر مطلق تھی، جسم میں مقید کردیا ہے۔چنانچہ جسمانی جذبات اور خواہشات پر قابو پانا ہی روح کی معراج ہے اور اس معراج کے حصول کے لئے مخصوص رسومات کا رواج دیا گیا۔

فیثا غورث کے بعد یونان کا بڑا فلسفی فلاطینوس تھا۔اس کے نزدیک خدا ہر شئے سے بلند اور ماوراء ہے۔ وہ کہتا ہے عالم دو ہیں۔ایک محسوسات کا عالم اور دوسرا معقولات کا عالم۔روح محسوسات کے عالم سے تعلق رکھتی ہے۔(اسلامک انسائیکلوپیڈیا)

یہودی تصوف:

یہودیوں کے یہاں ظاہری رسوم کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔یونانی اثرات کے تحت یہودی مذہب میں جس تصوف نے جنم لیا۔اس کا بہترین نمائندہ حکیم فیلو ہے۔ حکیم فیلو نے مذہب اور فلسفہ میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی۔

یہودی تصوف میں خدا کے دو وجود ملتے ہیں۔ایک خدائے خالق اور دوسرا خدائے مطلق۔ان کے نزدیک تورات کا خدا، خدائے خالق ہے۔ لیکن حقیقی خدا ایک علیحدہ ہستی ہے جو انسانوں کی عقل سے ماوراء ہے۔خدائے خالق کو انہوں نے حقیقی خدا کے مشاہدے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔(اسلامک انسائیکلوپیڈیا)

عیسائی تصوف:

عیسائی تصوف کی بنیادیں بابلی اور مصری تہذیب کی پیدا کردہ ہیں۔صوفیاء کے نزدیک کائنات کے تمام واقعات نہ تو قوانین فطرت اور انسانی ارادہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔بلکہ تمام واقعات دیوتاؤں کے فیصلہ کا نتیجہ ہیں۔یہ دیومالائی فیصلے باطنی اسرار سمجھے جاتے ہیں۔

ہندومت اور تصوف:

وید کے اشلوک اور بھگوت گیتا کی عبارتیں پڑھ کر غیر جانبدار آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ویدانت توحیدی عقیدہ پر قائم ہے۔جس طرح دوسرے پیغمبروں نے توحید و رسالت کا پرچار کیا ہے۔اسی طرح ان دونوں کتابوں میں بھی واضح طور پر توحید کا پیغام موجود ہے۔کرشن جی نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم بھی یہ ہے کہ زمین پر سے شر اور فساد کو ختم کیا جائے اور خیر کو پھیلا دیا جائے۔انسان کا خالق سے ایک رشتہ ہے اور وہ رشتہ یہ ہے کہ انسان مجبور ہے۔اللہ تعالٰی کی کفالت میں رہنے کے لئے۔خالق اور مخلوق کی صفات جداگانہ ہیں۔

روح سے دوری شر اور فساد کو جنم دیتی ہے۔اور روح سے قربت انسان کی قوت میں ایسے اضافے کرتی ہے جس سے انسان عالم بالا کی سیر کرتا ہے اور ریاضت و مشقت کے نتیجہ میں خالق ارض و سماء سے متعارف ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کم و بیش جسمانی صلاحیتوں سے واقف ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ انسانی صلاحیت روح کے تابع ہے۔ جب تک کوئی انسان روح کی فضیلت سے واقف نہیں ہوتا اس وقت تک وہ فانی اور سڑاند کے جسم میں مقید رہتا ہے۔

دوسرے مذاہب کی طرح ہندو مذہب کے دانشوروں نے بھی اپنی اپنی مصلحتوں کے تحت مذہب کی تشریح کی اور مذہب میں ایسی رسومات داخل کر دیں۔ جن کا تعلق روحانی وظائف سے نہیں ہے۔ ان مصلحتوں میں ایک مصلحت آواگون کی بھی ہے۔ اسی آواگون کی وجہ سے حلول وار تحاد کی اصطلاحات وجود میں آئیں۔ ہندو مذہب کے صحیح پجاری اور سچے راستے پر قائم رہنے والے بزرگوں نے مذہبی دانشوروں کی بہت ساری مصلحتوں کے سامنے دیواریں کھڑی کیں لیکن عوام کے اذہان ان کا ساتھ نہیں دے سکے۔ نتیجہ میں ہندو مذہب میں بت پرستی کا عنصر غالب آگیا۔ بت پرستی کے عروج کی ایک بڑی وجہ دیومالائی کہانیاں بھی ہیں۔ جو دیو دیوتاؤں سے منسوب کر کے عوام کے ذہنوں میں راسخ کی گئی ہیں۔ لیکن اب بھی ہندو مذہب کے سچے پیروکار موّحد ہیں اور توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہندو موّحد حضرات و خواتین حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیمات پر کاربند ہیں۔

تصوف اور سائنس:

روئیس ایک جگہ لکھتا ہے۔ سب سے زیادہ بہترین انسان جو تجربہ کی بنیاد پر سفر کرتا ہے وہ صوفی ہے۔ وہ اپنے تجربات اور واردات کو ہر قسم کے خارجی معیار پر پرکھتا ہے۔ اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے وہ خالص حقیقت تک پہنچ جائے۔ اور اس حقیقت کو عام علمی زبان میں بیان کر سکے۔ یعنی اسے بیان کرنے میں استدلال اور مشاہدے کی قوت حاصل ہو۔ سائنس بھی یہی کہتی ہے کہ کوئی بات اس وقت قابل قبول ہے جب اس کے پیچھے دلیل ہو اور وہ بات مشاہدے میں آ جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلسفہ، تصوف اور سائنس کا طریقۂ استدلال ایک ہے۔ اب سائنس کا یہ فرض ہے کہ وہ صوفیانہ واردات کا کھوج لگائے۔ اور ان تمام مشاہدات کو سائنسی دلیل کے ساتھ پیش کرے۔ جو آج تک شخصی اور ذاتی مشاہدے میں محدود سمجھی جاتی ہے۔

ولیم جیمز کے نزدیک ہر متصوفانہ واردات اور تجربہ ناقابل بیان ہوتا ہے۔ اس تجربہ میں صوفی جن واردات سے گزرتا ہے وہ اسے محسوس تو کرتا ہے اور الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن چونکہ اس کا تعلق محسوساتی دنیا سے نہیں ہوتا اس لئے وہ اسے مادی لباس نہیں پہنا سکتا۔ غور کرنے سے علم حاصل ہوتا ہے کہ صرف متصوفانہ واردات ہی نہیں ہر جذباتی تجربہ بھی ذاتی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر جذباتی تجربہ دوسرے تک منتقل نہیں ہو سکتا مثلاً محبت کے جذبات کے بارے میں کسی دوسرے کو سمجھانا محال ہے۔

عشق کسی استدلال کا محتاج نہیں ہے اور بطور تجربات اور واردات ایک ذاتی کیفیت ہے جس میں کوئی دوسرا شامل نہیں ہوتا۔

تصوف اور معترضین

ایک طبقہ اعتراض کرتا ہے کہ تصوف کا اسلام میں کوئی ''کردار'' نہیں ہے اسے اسلام میں زبردستی داخل کر دیا گیا ہے۔ ایک اور طبقہ یہ کہتا ہے کہ تصوف یا روحانی مکتبۂ فکر ''افیون'' ہے۔ان علوم کو سیکھ کر آدمی مفلوج ہو جاتا ہے۔صوفی دنیاوی نعمتوں سے اس لئے فرار حاصل کرتا ہے کہ دنیا میں موجود تلخ حقیقتوں کا مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہوتی کم ہمتی، سستی، کاہلی اور بزدلی کی وجہ سے وہ گوشہ نشین ہو جاتا ہے۔

یہ بحث ہزاروں سال سے جاری ہے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف بدھ مت سے ماخوذ ہے۔ان لوگوں کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے، بدھا صاحب نے تخت و تاج چھوڑ کر فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی تھی۔اسی طرح مسلمان صوفیاء نے بھی دنیاوی لذتوں، آسائشوں اور راحت و آرام ترک کر کے جنگلوں اور غاروں کو اپنا مسکن بنالیا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صوفی حضرات بے عملی کی سنہری زنجیروں میں خود کو گرفتار کر لیتے ہیں کیونکہ ان کے اندر حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس لئے آلام و مصائب سے ڈر کر فرار حاصل کر لیتے ہیں۔

کہنے والوں نے بہت کچھ کہا اور سننے والوں نے معترضین کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی دیئے اور اس طرح تصوف کو ایک الجھا ہوا مسئلہ بنا دیا گیا۔ لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اہل تصوف ہر زمانے میں موجود رہے اور انہوں نے روحانی علوم کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اپنے شاگردوں میں یہ علوم تحریر کے ذریعے، مکتوبات کے ذریعہ کتابوں کے ذریعہ اور علم سینہ کے ذریعے منتقل کرتے رہے۔

.اعتراضات:

ہم نے تاریخ کا جس حد تک مطالعہ کیا ہے۔ ہمیں تصوف کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں ملا جو قابل توجہ ہو۔ جتنے اعتراضات ہیں سب فروعی اور منطقی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ :

۱) جن علماء نے اشراقین کی پیروی کی اور اسلامی احکامات کو اشراقی اصولوں پر ترتیب دیا۔ تصوف اسی کا ثمرہ ہے۔(الفقر فخری)

۲) علم اصول کے ماہرین کے نظریات کو تصوف کہتے ہیں۔(الفقر فخری)

۳) تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ادیان و مذاہب سے اپنے مفیدِ مطلب، اعمال و عقائد کو اخذ کر کے ایک عجیب و غریب مجموعہ تیار کیا گیا اور اس کا نام تصوف رکھ دیا گیا۔(الفقر فخری)

۴) چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں جب تصوف نے ہمہ گیر عظمت حاصل کر لی تو اس میں دھیان و گیان کے قدیم اصول داخل کر دیئے گئے۔(الفقر فخری)

۵) دسویں صدی ہجری میں اور اس کے بعد تصوف کو ایک طلسم ہوشربا ء بنا دیا گیا۔(الفقر فخری)

۶) تصوف، رہبانیت کا درس دیتا ہے۔اس میں دنیا بیزار لوگ شامل ہوتے ہیں۔

۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اصحاب صفہ کے سوا تصوف کی مزید تشریح نہیں ملتی۔

یہ ایسے اعتراضات ہیں جو صاحب فہم اور عقل و شعور رکھنے والے فرد کے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔

قیاسی علوم:

قرآن حکیم اور احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالٰی نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق کو خدا سے متعارف کرانے کیلئے مخلوق کے سامنے اپنی رونمائی کی۔ یہ واقعہ ازل میں روحوں کے ساتھ ہوا۔ روح نے جب مادی جسم کو اپنا مسکن بنایا اور مادی جسم نے دنیاوی دلچسپیوں کو مقصد حیات بنالیا تو دو علوم سامنے آئے۔

۱) قیاسی علوم ۲) حقیقی علوم

۱) قیاسی علم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں یقنی کوئی بات نہ ہو۔ علم کی ہر شق قیاس پر یا فکشن پر قائم ہو۔

۲) حقیقی علم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں انسانی قیاس شامل نہ ہو۔ علم کے ہر شعبہ پر حقیقت وارد ہ کا غلبہ ہو۔

علم کے بارے میں مستشرقین کی بحث ہو، علم اصول کے نظریات ہوں، ادیان مذاہب سے اپنے مفید مطلب اعمال و عقائد کی تشریح ہو، سب قیاسات پر مبنی ہے۔

ہر انسان دونوں علوم سیکھ سکتا ہے۔ایک علم قیاسی ہے اور دوسرا علم غیر قیاسی یعنی حقیقی ہے۔ غیر قیاسی علوم باطنی علوم ہیں۔ان باطنی علوم کو تصوف کہتے ہیں۔ یہ بحث کہ تصوف صوف سے ماخوذ ہے۔ صوف اونی کپڑے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اونی کپڑے کا

لباس انبیاء کرام نے، ان کے شاگردوں اور فقراء نے زیادہ پہنا ہے اس لئے انہیں صوفی پکارا جاتا ہے۔ یہ تصوف کی صحیح تعریف نہیں ہے۔

منافقانہ طرز عمل:

یہ کہنا کہ اصحاب صفہ کا ایک گروہ تھا اور انہوں نے دنیا ترک کر کے صرف اسلام کی تبلیغ کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا اس لئے جو بندہ ترک دنیا کر کے تبلیغ کیلئے خود کو وقف کر دے وہ صوفی ہے۔

یہ بات حقیقت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ اصحاب صفہ جب شادی کر لیتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا کام ان کے سپرد اس طرح فرماتے تھے کہ وہ اپنے بیوی بچوں، خاندان، معاشرے اور پڑوس کے حقوق پورے کر کے دین کا فریضہ انجام دیں۔

یہ اعتراض کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور اہل تصوف رہبانیت اختیار کر لیتے ہیں۔ تصوف کے خلاف منافقانہ طرز عمل اور سازش ہے۔ جن لوگوں نے بزعم خود اپنے آپ کو نمایاں کرنے یا انا کے خول میں بند ہو کر اپنی پذیرائی کو عام کرنے کے لئے لفظ ''صوفی'' اور تصوف کے مادۂ اشتقاق میں ٹوہ لگائی ہے ان کے پاس بھی کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ صوفی کا لفظ نہ عربی ہے نہ اسلامی ہے۔ بلکہ یہ ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کا مادہ ''سوف'' ہے۔ یونانی زبان میں سوف کے معنی ''حکمت'' ہے۔

تارک الدنیا:

دوسری صدی ہجرہ میں جب یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہوئے تو اشراقی حکماء نے سوف کا ترجمہ ''حکیم'' کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ لفظ سوفی۔۔۔۔۔۔سے ''صوفی'' ہو گیا۔

یہ روایت بھی ہے کہ غوث بن مرّ نے خود کو خانۂ کعبہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس کا مشہور نام ''صوفہ'' تھا۔ جن لوگوں نے خود کو غوث بن مرّ سے منسوب کیا وہ صوفیاء کہلائے۔ غوث بن مرّ کو صوفہ اس لئے کہتے تھے کہ اس کی ماں کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ صوفہ کی ماں نے منت مانی تھی کہ اگر اس کی اولاد زندہ رہی تو وہ اس کے سر پر اون لگا کر کعبہ شریف کیلئے وقف کر دے گی۔ چنانچہ اس نے منت پوری کی اور غوث بن مرّ کا مشہور نام صوفہ زبان زد عام ہو گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ ''صوفانہ'' سے مشتق ہے جو کہ ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے۔ چونکہ صوفی لوگ صحرا کی گھاس پات کھا کر گزارا کرتے تھے۔ اس لئے وہ صوفہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بعض لوگوں نے تو لفظ صوفی کی تشریح میں غضب ہی کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نام ''سینٹ صُوفیہ'' گرجا کے رہنے والے راہبوں کی وجہ سے ہے اور جو اپنے آپ کو تارک الدنیا کہتے تھے اور یہ نام وہاں سے نکل کر مسلمان درویشوں میں رائج ہو گیا۔

غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ مگر افسوس ہے کہ کسی نے اس کا مفہوم یہ نہیں سمجھا کہ لفظ صوفی کا تعلق ظاہری اور باطنی صفائی سے بھی ہو سکتا ہے۔ یا وہ لوگ جو کدورت، بغض و عناد، نفرت اور فساد سے پاک صاف ہو جاتے ہیں ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔

الحمد اللہ! یہ بات قابل شکر ہے کہ باوجود مخالفت کے مخالفین نے بھی تصوف اور صوفی کا کوئی تاریک پہلو پیش نہیں کیا۔

تھیاسوفی:

یونانی لفظ تھیا سوفی کا ترجمہ ''حکمت خدا'' ہے۔اس نقطۂ نگاہ سے صوفی کا اطلاق اس شخص پر کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طلب گار ہو۔

یونانی لفظ کے مطابق سوفیا دراصل وہ بزرگ تھے جنھوں نے دوسرے مشاغل ترک کر کے اپنی زندگی Research میں اور کائنات میں، خالق کائنات کی حکمت کی تلاش کرنے میں صرف کر دی۔

اور یہ ایسی بات نہیں جس میں ترک دنیا کا پہلو نمایاں ہوتا ہو۔اس لئے کہ جب کوئی سائنسدان ریسرچ کرتا ہے تو وہ بھی دنیا کے دوسرے مشاغل سے یکسو ہو جاتا ہے۔

اسلام میں تفرقے:

طوائف الملوکی کے زمانے میں ایران کے ذہین طبقہ نے حکمت خدا کی طرف رجوع کیا۔ان بزرگوں نے نفس انسانی کا کھوج لگانے کی جدوجہد کی۔ زمانے میں رائج ناانصافی اور استعمار کے خلاف عدم تعاون کیا۔اس کے علاوہ انہوں نے انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف احتجاج کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جاہ پسند اور دنیا پرست لوگوں نے صوفیاء کو ہمیشہ ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ مگر صوفیاء کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی پیش رفت میں کسی مخالفت، مخاصمت اور تشدد کی پرواہ نہیں کی۔انہیں دانشوروں کے علاوہ سلاطین کے تشدد اور بے رخی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔۔۔انشاءاللہ صوفیاء کی یہ جماعت اللہ اور اللہ کے رسول کے توحیدی مشن کو پھیلانے میں تاقیامت عزم اور حوصلہ کے ساتھ خدمت دین میں مصروف رہے گی۔

ہمیں اس بات کا ارمان ہے کہ۔۔۔۔۔۔کاش ہمارے علماء اسلام میں ناقابل فہم تفرقوں پر بھی توجہ دیں تاکہ اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ختم ہو جائے۔

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ متحد ہو کر پکڑو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔'' کے پلیٹ فارم پر امت مسلمہ جمع ہو جائے۔امت مسلمہ کی اجتماعیت سے ہی۔۔۔۔۔۔ مبلغین پوری نوع انسانی کو عقیدۂ توحید پر قائم رہنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔

حقوق اللہ:

اعتراض کیا جاتا ہے کہ صوفی کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہیں تھا اس لئے قابل قبول نہیں ہے۔ ہم سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ صحابۂ کرام کے زمانہ میں اہل حدیث، اہل قرآن، دیوبندی، بریلوی، وہابی، شیعہ، سنی وغیرہ کے الفاظ بھی رائج نہیں تھے۔ حکیم الامت، علامہ، مولانا، مولوی کے الفاظ کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ کسی نے مولائیت یا مولویت کے الفاظ کا اشتقاق کیوں تلاش نہیں کیا۔ کیا صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کوئی بزرگ مولوی ابوہریرہؓ، مولانا معاض بن جبلؓ یا ملا ابن مسعود یا علامہ ابن عباس، حکیم الامت ابن عمر، مولانا ابو بکر، مفتی عثمان غنی کے نام سے مشہور تھے؟ (الفقر فخری)

بحث و مباحثہ کا سارا زور لفظ ''صوفی'' کیوں ہے؟۔۔۔۔۔اس لئے کہ صوفی یہ کہتا ہے کہ قال کے ساتھ حال ضروری ہے۔ ظاہر کے ساتھ باطن ضروری ہے۔ ظاہر کے ساتھ اگر باطن نہیں ہوگا تو عبادت کو قبولیت کا مژدہ نہیں ملے گا۔

اگر اسلام کے ساتھ ایمان نہیں ہوگا تو اسلام کی تکمیل نہیں ہوگی۔ نماز میں اگر حضور نہیں ہوگا تو نماز معراج المومنین نہیں بنے گی۔ حقوق اللہ پورے نہیں کئے جائیں گے تو شرک سے نجات نہیں ملے گی۔ اللہ وحدہ لاشریک کو دیکھ کر اس کا عرفان حاصل نہیں کیا جائے گا تو تخلیق کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔

صوفی کا پیغام یہ ہے کہ:

''ہر شخص کی زندگی روح کے تابع ہے،

اور روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے،

جو بندہ اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے،

وہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھ لیتا ہے''

تصوف کی اہمیت و حقیقت

حضرت عمرابن خطابؓ سے روایت ہے کہ:

ایک روز اچانک جبرائیل علیہ السلام بہ صورت انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوزانو مؤدب بیٹھ کر چند سوال کئے۔

۱)اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا رسول ہے اور قائم کرو صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اگر سفر خرچ کی استطاعت ہو۔

جبرائیلؑ نے کہا:

صحیح فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

۲)حضرت جبرائیلؑ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اس کی تقدیر پر بھلی ہو یا بری۔

جبرائیلؑ نے فرمایا: سچ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

۳)حضرت جبرائیلؑ نے پوچھا: احسان کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اس طرح عبادت کر کہ گویا اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جبرائیلؑ نے کہا:

سچ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

(تعلیم غوثیہ)

حضرت جبرائیلؑ کے اس استفسار میں تین باتیں بطور خاص فکر طلب ہیں۔

* اسلام کیا ہے؟

* ایمان کسے کہتے ہیں؟

* اور احسان کیا ہے؟

اسلام:

اللہ وحدہ لاشریک کو ایک مان لینا اور اسی کو برحق معبود سمجھنا اسلام ہے۔ شریعت مطہرہ پر بلا چوں وچرا عمل کرنا، یہی امن اور سلامتی کا راستہ ہے۔

ایمان:

ایمان یہ ہے کہ اعمال و اشغال کے نتیجے میں ایسا یقین حاصل ہو جائے جس میں شک کا شائبہ نہ رہے۔ ایمان یقین ہے اور یقین مشاہدہ سے مشروط ہے۔ کوئی عدالت عینی شہادت کے بغیر گواہی قبول نہیں کرتی۔

احسان:

احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ کو دیکھ کر عبادت کرے یا بندہ اس کیفیت میں ہو کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ یقین کے اس درجے کو تصوف میں مرتبۂ احسان کہتے ہیں۔ اگر آدمی اسلام قبول نہیں کرے گا تو مسلمان نہیں ہوگا اور اگر مسلمان یقین کی دولت سے مالا مال نہیں ہوگا تو مومن نہیں ہوگا اور مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کو دیکھتا ہے یا وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

علماء اس حدیث شریف کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

اسلام یہ ہے کہ شریعت کے آداب و احکامات کا علم ہو اور اس پر عمل کیا جائے۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی ذات و صفات اور اس کے فرشتے اللہ کے فرمان کے مطابق برحق ہیں۔

فرشتے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور ہم اس کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ اس کا کلام قدیم ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا اور رسولوں کو اللہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ وہ معصوم و گناہوں سے پاک ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں قیامت، بہشت دوزخ کے عذاب و ثواب پر۔

اہل تصوف اس حدیث شریف کی تشریح یہ کرتے ہیں:

اسلام قبول کر کے، احکام شریعت پر پوری طرح عمل کر کے غیب کی دنیا میں فرشتوں کو دیکھنا اور اللہ رب العزت کے سامنے حضور قلب سے حاضر ہونا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ مقام شہود و مشاہدہ ہے اور یہ کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ مقام مراقبہ ہے اس مراقبہ میں بندہ علم الٰہی سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔

(مشاہدۂ حق)

انفس و آفاق:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کے نفوس میں دکھلائیں گے۔"

حضرت رابعہ بصریؒ:

حضرت رابعہ بصریؒ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ اے اللہ! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے اور اگر میں تیرے حضور جنت کی لالچ میں سجدہ کرتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کردے اور اگر میں صرف تیری ذات کے لئے تیری عبادت کرتی ہوں تو، تُو مجھے اپنے دیدار سے نواز دے۔

(ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین)

زاہد و عابد دوزخ سے نجات اور جنت کی ابدی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے عبادتیں کرتے ہیں صوفیاء کے اوپر بھی عبادت فرض ہے لیکن وہ عبادت میں ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں، وہ صرف اس لئے اللہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد اللہ کے علاوہ دوسرا نہیں ہوتا۔ وہ اللہ سے اللہ کو مانگتے ہیں۔

فلاسفہ اور تصوف:

انسان کی عقل اور روحانی زندگی میں تصوف کی اہمیت کا اندازہ مشہور فلسفی برٹرینڈرسل کی اس تحریر سے ہوتا ہے:

"دنیامیں جس قدر عظیم فلسفی گزرے ہیں سب نے فلسفہ کے ساتھ ساتھ تصوف کی ضرورت کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ دنیائے افکار میں انتہائی بلند مقام صرف سائنس اور تصوف کے اتحاد سے ہو سکتا ہے اور بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار تصوف کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔"

برٹرینڈرسل نے حسب ذیل فلاسفہ کے نام بطور مثال کے پیش کئے ہیں، پر قلیطوس، پارمینائڈیز، افلاطون، اسپنوزا، برونو، ہیگل، برگساں اور وہائٹ بیڈ وغیرہ۔ فلاسفہ نے تصوف کی اہمیت پر مقالے لکھے ہیں۔ تصوف کیا ہے، تصوف خالق اور مخلوق کے تعارف کا ذریعہ ہے۔

تصوف سالک کے اوپر یہ حقیقت پوری طرح واضح کر دیتا ہے کہ انسان کا مادی جسم اور مادی جسم کے تمام تقاضے روح کے تابع ہیں۔

روح کے بغیر مادی جسم Dead Body ہے۔

مذہب و تصوف:

تصوف مذہب کی روح ہے۔

مذہب کیا ہے؟۔۔۔مذہب اپنے پیروکاروں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔

مذہب شعور عطا کرتا ہے کہ رزق اللہ دیتا ہے، میں جو کچھ خرچ کرتا ہوں، وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

مذہب۔۔۔انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھتا ہے۔

جب کوئی انسان مذہبی ارکان پورے کرتا ہے تو وہ روح کی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور یومنون بالغیب کے زون میں داخل ہو جاتا ہے۔

۔۔۔۔۔۔مذہب مساوات کا درس ہے اور اپنے پیروکاروں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ اللہ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

۔۔۔۔۔۔سچا آدمی کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔

۔۔۔۔۔۔اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی سے پکڑنے اور تفرقے سے بچنے کے لئے مذہب ایک پلیٹ فارم ہے۔

مذہبی دانشور کہتا ہے اے مسلمان اللہ سے ڈر۔

صوفی کہتا ہے ! اے مسلمان خالی زبان سے اللہ کا نام نہ لے۔۔۔منافقت کا کھیل نہ کھیل، دل کے راستے یقین کی دنیا میں اتر جا۔اللہ سے محبت کر۔اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے گناہوں سے اجتناب کر۔

ہر انسان کسی نہ کسی عقیدہ پر قائم رہتا ہے۔اس لئے کہ ان دیکھے مستقبل کی حفاظت کے لئے کسی ایک ذات پر یقین ہونا ضروری ہے۔

بڑوں کا قول ہے۔چراغ سے چراغ جلتا ہے۔یہ چراغ وہ توحید پرست صاحب دل حضرات وخواتین ہیں جو تزکیہ اور تقویٰ کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

صاحب دل انسان ! تمام انسانوں سے محبت کرتا ہے۔علوم وفنون کا احترام کرتا ہے۔اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر خوش ہو کر عمل کرتا ہے۔خود بھی خوش رہتا ہے اور دوسروں کو بھی خوش رکھتا ہے۔تمام رذائل اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے۔۔۔اگر ایسا نہیں ہے تو وہ صوفی نہیں ہے۔

عمل کے بغیر عرفان حاصل نہیں ہوتا۔پس جو شخص باعمل نہیں وہ صوفی نہیں ہے۔اسے ہم فلسفی یا متکلم کہہ سکتے ہیں۔

صوفی اپنے باطن سے واقف ہوتا ہے۔اللہ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے۔اس کے اوپر غیب کی دنیا روشن ہوتی ہے وہ صرف تزکیۂ نفس کی تلقین نہیں کرتا۔اپنے شاگردوں کو بتاتا ہے کہ انسان کے اندر پوری کائنات بسی ہوئی ہے، کائنات باہر نہیں ہے ہمارے اندر ہے۔اللہ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ عرفانِ الٰہی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان بندوں کے اوپر ہدایت کے راستے کھول دیتا ہے۔

تعلق خاطر کے ساتھ یقین واستحکام کے ساتھ دل کی گہرائیوں کے ساتھ کوشش کروگے تو تم اللہ کو دیکھ لوگے۔

محبت:

تصوف مذہب کی روح ہے۔اور روح باطن کی گہرائیوں میں مشاہدہ کا ذریعہ ہے۔مومن وکافر، ہندو مسلمان کالے گورے اپنے پرائے ہر شخص سے صوفی اس لئے محبت کرتا ہے کہ سب اللہ کی مخلوق ہیں۔وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔اس کے اخلاق وکردار سے متاثر ہو کر لوگ اسلام قبول کرلیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔"

ولی اللہ بھی خود کو اللہ کے کنبہ کا فرد سمجھتے ہیں۔ان کا یقین ہے کہ ہر شئے کے ظاہر و باطن میں اللہ کا نور جلوہ گر ہے، ہر شئے میں اسی کا ظہور ہے۔ساری کائنات پر اسی کی حکمرانی ہے۔وہی پیدا کرتا ہے، وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔پیدا ہونے، زندہ رہنے اور کبھی نہ مرنے پر کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

ماورائی شعور:

رب العالمین انسان پر یہ حقیقت منکشف کرتے ہیں کہ عالم ایک نہیں ہے۔شماریات سے زیادہ عالمین ہیں اور ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیائیں اور ہیں۔اور تمام دنیاؤں کو اللہ تعالٰی وسائل عطا کرتا ہے۔

ان کے کھانے پینے، لباس، گھر، روزگار اور نسلوں کے لئے توازن، تواتر اور تسلسل کے ساتھ رزق پیدا کرتا ہے۔اور سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان وسائل کو رحمت کے ساتھ تقسیم فرماتے ہیں۔

ایک عالم یا ایک دنیا کے علاوہ لاشمار دنیاؤں کو دیکھنا۔ سمجھنا اور ان دنیاؤں کے شب و روز سے واقف ہونا۔ناسوتی شعور سے ممکن نہیں ہے۔ہر انسان کے اندر ناسوتی شعور کے ساتھ، ماورائی شعور بھی ہے۔اس میں ماورائی شعور سے واقفیت حاصل کرنے کا علم تصوف ہے۔جس نے اپنے نفس (ماورائی شعور) کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

نوعوں میں افضل بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اپنے پاس بلایا اور خود سے اتنا قریب کر لیا کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے کم۔

”ہم نے اپنے محبوب بندے سے راز و نیاز کی باتیں کیں اور ہمارے بندے نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔“

(سورۃ نجم: آیت نمبر ۱۰۔۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مشقت، مصائب اور پریشانی برداشت کر کے اپنی امت کو توحید پر قائم رہنے کا پروگرام عطا کیا ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

*جو تم اپنے لئے چاہو وہی اپنے بہن بھائیوں کے لئے چاہو۔

*علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

*جہاں تم چار ہو وہاں پانچواں اللہ ہے۔

*اللہ تمہاری رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے۔

*اللہ ہر شئے پر محیط ہے۔

*دوسرے مذاہب کے علماء کا احترام کرو، انہیں برا نہ کہو اگر تم برا کہو گے تو وہ تمہارے علماء کو برا کہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف اور درگزر فرما دیتے تھے۔

اللہ کی کتاب قرآن حکیم میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے:

''پس آپس میں تفرقہ نہ ڈالو''۔(سورۂ آل عمران۔آیت نمبر ۱۰۳)

تصوف اور مکارمِ اخلاق

صوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا نمونہ ہوتا ہے اس کے اندر سیرت مطہرہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ غصہ نہیں کرتا، عفو ودر گزر سے کام لیتا ہے۔ اس کے دل میں ہر چھوٹے بڑے کا احترام ہوتا ہے۔ دوسروں کے کام آتا ہے، ایفائے عہد میں پُرعزم اور پختہ ہوتا ہے۔ ہر اخلاقی برائی سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر اچھی بات پر دلجمعی سے عمل کرتا ہے اور دوسروں کو عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ کسی پر طعن و تشنیع نہیں کرتا اور نہ کسی کو بددعا دیتا ہے۔ ہر کس و ناکس کے ساتھ خوش ہو کر ملتا ہے۔ اخلاق، مروت اس کی شناخت بن جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''خوش اخلاقی اللہ تعالیٰ کا خُلق عظیم ہے۔''

اخلاق حسنہ:

اخلاق وہی اچھا ہے جس میں صفات ربانی کا عکس ہو۔ کچھ صفات ایسی ہیں جن میں انسان برابری نہیں کر سکتا مثلاً اللہ واحد ہے اور مخلوق کثرت ہے، اللہ خالق ہے مخلوق، مخلوق ہے۔ کبریائی اور بڑائی صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے، بندے کا کمال یہ ہے کہ اس میں کبریائی کے مقابلے میں خاکساری اور تواضع ہو۔ قادر مطلق اللہ کی صفات میں بندہ فروتنی محسوس کرے۔ خوش اخلاق ہو کیونکہ اسلام نے انسان کی روحانی تکمیل کا ذریعہ اخلاق کو قرار دیا ہے۔ صفات الٰہیہ کے انوار سے بندہ بشر جس حد تک قریب ہوتا ہے اس کی روحانی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ (سیرت النبی ٦)

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے اور سب نے اخلاقیات پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔ تمام مذاہب کی بنیاد بھی اخلاق حسنہ پر رکھی گئی ہے۔ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے سب نے اس بات کا اعادہ کیا کہ سچ بولنا اچھا عمل ہے۔ اور جھوٹ بولنا برائی ہے۔ انصاف بھلائی ہے اور ظلم بدی ہے، خیرات نیکی ہے اور چوری جرم ہے۔ دوسرے کے کام آنا ایسی عادت ہے جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور حق تلفی کرنا اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔

فضائل اخلاق:

نبوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور رسالت اور نبوت کا اختتام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو گیا۔ آسمانی کتابوں اور صحائف میں اس بات کو مسلسل دہرایا جاتا رہا ہے کہ ایک خیر البشر آئے گا اور آسمانی علوم کے مطابق تکمیل دین کا اعلان کرے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے فرستادہ آخری نبی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دین کی تکمیل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر اپنی نعمتیں پوری فرمادیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ :

''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل ہو جائے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت نبوی سے پہلے ہی اس فرض کو انجام دینا شروع کر دیا تھا۔

ابوذرؓ نے اپنے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا تھا۔ انہوں نے واپس آکر اپنے بھائی کو بتایا:

''میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں''

نجاشی نے جب مسلمانوں کو بلا کر اسلام کے بارے میں تحقیق کی تو حضرت جعفرؓ نے کہا:

''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، پڑوسیوں کو تنگ و پریشان کرتے تھے اور بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردستوں کو غلام بنا لیتے تھے، ان حالات میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا۔۔۔۔اس نے ہمیں سکھایا کہ ہم پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں، سوچ کر بولیں، خونریزیوں سے باز آجائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں۔

ہمسائیوں سے اچھا سلوک کریں، ضعیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں''

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی دعوت کا جو مختصر خاکہ بیان کیا اس میں یہ تسلیم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ پاک دامنی اختیار کریں۔ سچ بولیں اور قرابت داروں کا حق ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا:

"یہ پیغمبر جاہل اوران پڑھ لوگوں کو پاک وصاف کرتا ہے اوران کو حکمت سکھاتا ہے"

اس آیت میں دو لفظ بہت زیادہ تفکر طلب ہیں:

۱)تزکیہ ۲)حکمت

۱)تزکیہ کے لفظی معنی ہیں۔۔۔۔۔۔پاک صاف کرنا، نکھارنا۔۔۔!

قرآن پاک کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ نفس انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے صاف ستھرا کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بلاشبہ جس نے اپنے نفس کو صاف ستھرا بنایا وہ کامیاب ہوا جس نے اسے مٹی میں ملایا وہ ناکام رہا"

(سورۃ شمس: آیت ۹تا۱۰)

"وہ جیتا جس نے اپنے آپ کو پاک صاف کیا اور نماز پڑھی" (سورۃ اعلیٰ: آیت ۱۴تا۱۵)

"پیغمبر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا، کہ اس کے پاس اندھا آئے۔۔۔۔۔۔اور تجھے کیا خبر ہے شاید وہ سنور جاتا تو تیرا سمجھانا اس کے کام آتا"

(سورۃ عبس: آیت ۱تا۴)

ان آیات میں تزکیہ کا مفہوم واضح ہے جسے پیغمبر اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات قرار دیا ہے۔ یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا سب سے بڑا منصب یہ تھا کہ وہ انسانی نفوس کو برائیوں، نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کرے اور ان کے اخلاق واعمال کو درست اور صاف ستھرا بنائے۔

۲)حکمت کا لفظ نور کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت کیا گیا ہے۔ جس کے آثار ومظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنن واحکام کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور ہم نے لقمان کو حکمت کی باتیں بتائیں کہ خدا کا شکر ادا کریں"

(سورۃ لقمان۔آیت ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اخلاق کے مرتبے کو حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اسلام میں عبادات اور دوسرے احکام کو جو حیثیت حاصل ہے، اخلاق کو بھی اتنی اہمیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اپنے رب کو پوجو اور نیکی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''

(سورۃ الحج۔آیت ۱۰)

عبادات کا کردار:

''حقوق العباد انسانوں میں باہمی معاملات اور تعلقات کا نام ہے۔اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے۔اس کی رحمت کا دروازہ کسی نیک وبد بندے پر بند نہیں ہوتا۔شرک وکفر کے سوا ہر گناہ قابل معافی ہے۔مگر حقوق العباد، اخلاق فرائض کی کوتاہی اور تقصیر کی معافی اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس بھائی نے کسی دوسرے بھائی پر ظلم کیا تو ظالم بھائی کو چاہئے کہ وہ اس دنیا میں ظلم کو معاف کرالے ورنہ یوم حساب میں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم ودینار نہیں ہوگا۔صرف اعمال ہونگے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور مظلوم کے اعمال میں لکھ دی جائیں گی''

چار ستون:

بے سمجھ واعظوں اور ابن الوقت مذہبی دانشوروں کی غلط بیانی سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ اسلام کی بنیاد صرف توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔اس بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پانچ ستونوں پر کھڑی ہوئی اسلام کی اس عمارت میں اخلاق حسنہ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔حالانکہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض اور عبادات سے اخلاق حسنہ کی ہی تکمیل ہوتی ہے۔

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نماز کا فائدہ یہ ہے کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے۔روزہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے۔زکوٰۃ سرتاپا انسانی ہمدردی اور غم خواری کا درس ہے۔اور حج مختلف طریقوں سے ہماری اخلاقی اصلاح اور ترقی کا ذریعہ ہے۔اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ ہیں مگر ان کا بنیادی مقصد اخلاقی تعلیم ہے۔اگر ان عبادات سے روحانی اور اخلاقی ثمر حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ احکام الٰہی کی حقیقی تعمیل نہیں ہوئی۔

یہ عبادات ایسا درخت ہیں جس میں پھل نہیں آتا، ایسے پھول ہیں جس میں خوشبو نہیں ہے، یہ اعمال ایسے قالب ہیں جس میں روح نہیں ہے۔

احیاء العلوم میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''اور اللہ فرماتا ہے میرے لئے نماز قائم کرو۔ بھولنے والوں میں نہ ہو جاؤ۔ نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ تم کیا کہہ رہے ہو''

سوال یہ ہے کہ کتنے ہی نمازی ایسے ہیں کہ جو شراب نہیں پیتے مگر جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو نہیں جانتے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ان کے سامنے معانی اور مفہوم نہیں ہوتے۔ ان کا دل نماز میں نہیں ہوتا۔ وسوسوں کا ایک طوفان انہیں گھیرے رہتا ہے۔

آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''کہ میں ہر آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا۔ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بڑائی کرتا ہے اور بندوں پر اپنی بڑائی نہیں جتاتا اور بھوکے محتاج کو میرے لئے کھانا کھلاتا ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے ایسی نماز اس کو اللہ سے دور کر دیتی ہے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روزہ رکھ کر جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے''

ان تعلیمات سے منکشف ہوتا ہے کہ عبادات کا ایک اہم مقصد اخلاق کا تزکیہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بلاشبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع کرتے ہیں اور جو لایعنی بات پر دھیان نہیں کرتے۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں::

(سورۃ مومنون: آیت ۱تا۴)

''اور جو اپنی امانتوں میں خیانت نہیں کرتے'' (سورۃ مومنون۔ آیت ۸)

جب صوفی ان الفاظ کی اہمیت پر غور کرتا ہے تو اس پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقرب الٰہی اور دعا کی قبولیت کے بہترین موقع پر بھی اللہ تعالیٰ سے حسن اخلاق کے لئے درخواست کی ہے۔

صوفی یہ بات جانتا ہے کہ ایمان میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

''مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''حسن اخلاق سے انسان وہ درجہ پالیتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات کو شب بیدار رہنے سے حاصل ہوتا ہے''

سیرت طیبہ اور صوفیاء کرام:

خانقاہی نظام میں سالک کو پہلا سبق یہ دیا جاتا ہے:

''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب''

سالکین کو سیرت طیبہ کا ہر پہلو پڑھایا جاتا ہے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے ان کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ:

۱) اگر تمہیں کسی سے تکلیف پہنچے تو تم اسے معاف کردو حالانکہ تم الٰہی قانون کے تحت بدلہ لے سکتے ہو لیکن معاف کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

۲) اگر تم سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے۔ وہ اعلیٰ ذات ہو یا چھوٹی ذات میں شمار کیا جاتا ہو، کمزور ہو یا طاقتور ہو تم اس سے معافی مانگ لو۔

۳) دین اور دنیا کے معاملات میں تندہی کے ساتھ پوری کوشش کرو لیکن نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔

۴) قیام الصلوٰۃ کا مطلب ہے اللہ کے ساتھ رابطہ میں رہنا یعنی اللہ کو دیکھ کر یا اللہ کو محسوس کرکے اس کی عبادت کرنا۔

۵) جہاں بھی رہو علم دین کے ساتھ علم دنیا بھی سیکھو۔ تاکہ شعوری استعداد میں اضافہ ہو اور اس علمی استعداد سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ۔

۶) اللہ کی پسندیدہ عادت مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ بغیر غرض کے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔ جب کوئی بندہ مخلوق کی مخلصانہ خدمت کرتا ہے تو اسے اللہ کی دوستی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

۷)قرآن ان لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔اور ایمان مشاہدہ سے مشروط ہے۔

۸)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے محبت کرتے ہیں۔جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فرستادہ بندے اور رسول ہیں۔

اس ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہر انسان پر فرض ہے۔

۹)اولیاءاللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اللہ کے دوست ہیں۔جب کوئی بندہ اللہ کے دوست سے دوستی نبھاتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کرتا ہے تو ایسے بندوں پر رحمت کی بارش برستی ہے۔

مابعد الطبیعی اساس:

انسان جس جسمانی وجود سے اس دنیا میں چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا ہے اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہتا ہے وہ فانی ہے۔ہر انسان کی اصل اس کی روح ہے۔

روح کا ادراک ہونے سے انسان اپنی اصل سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سے واقفیت ہی عرفان الٰہی کا وسیلہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''نیکی یہ نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق (بیت المقدس) مغرب (خانۂ کعبہ) کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ اللہ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور خواہش کے باوجود اللہ کی محبت میں اپنا مال، رشتے داروں، یتیموں، غریبوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے، نماز ادا کرتا رہے، زکوٰۃ دیتا رہے اور جو وعدہ کرے اپنے وعدے کو پورا کرتا ہے اور جو مصیبت، تکلیف اور پریشانی میں ثابت قدم رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ ہے''

(سورۃ البقرہ:اٰیت ۱۷۷)

آیت کی تفہیم یہ ہے کہ راست بازی اور تقویٰ کا پہلا نتیجہ جس طرح ایمان ہے اس ہی طرح دوسرا لازمی نتیجہ بہترین اوصاف، فیاضی، ایفائے عہد اور صبر و ثبات وغیرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور رحم والے اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب ناسمجھ لوگ ان سے بات کریں تو وہ سلام کہیں اور جو اپنے پروردگار کی عبادت کی خاطر قیام اور سجدے میں رات گزارتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارا پروردگار ہم سے جہنم کا

عذاب دور کر کہ اس کا عذاب بڑا تاوان ہے اور جہنم برا ٹھکانہ اور مقام ہے اور جو خرچ کرتے ہیں وہ فضول خرچ نہ کریں اور نہ تنگی کریں بلکہ ان دونوں کے درمیان اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے اور جو کسی جان کا بے گناہ خون نہیں کرتے، جس کو اللہ نے منع کیا ہے اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا وہ گناہ سے پیوست ہوگا"

(سورۃ فرقان: آیت ۶۲تا۶۳)

"اور جو جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے اور جب کسی لغویات سے گزر رہے ہوں تو سنجیدگی اور وقار سے گزر جاتے ہیں اور جب اللہ کی نشانیاں ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان کو نہیں سنتے اور یہ دعا مانگتے ہیں۔اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے بیوی بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے"

(سورۃ فرقان: آیت ۷۱تا۷۴)

مومن کے اخلاقی اوصاف:

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اہل ایمان (یعنی صاحب مشاہدہ خواتین و حضرات) کے اخلاقی اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں:

اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جو غصے کی حالت میں معاف کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں (یعنی اللہ ان سے ہمکلام ہوتا ہے) نماز قائم کرتے ہیں (یعنی ان کا اللہ سے رابطہ ہوتا ہے) اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں اور ہم نے ان کو جو دیا ہے اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں اور جو ان پر چڑھائی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے تو جو کوئی معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا درجہ اللہ کے ذمہ ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا۔اگر مظلوم ہو کر بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں، ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر از خود ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے، بلاشبہ جو مظلوم ہونے پر بھی ظالم کو معاف کر دے اور سختی سہہ لے تو یہ ہمت کے کام ہیں"

(سورۃ الشوریٰ: آیت ۳۶تا۴۳)

"جنت ان پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اور جو غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔اللہ اچھا کام کرنے والوں کو پیار کرتا ہے"

(سورۃ آل عمران۔آیت ۱۴)

’’یہ وہ ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں، اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے، تم سلامت رہو ہم ناسمجھوں کو نہیں چاہتے‘‘

(سورۃ القصص: آیت ۵۴تا۵۶)

’’اور کھانے کی خود ضرورت ہوتے ہوئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں‘‘

(سورۃ دہر۔ آیت ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعا مانگتے تھے اس میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا:

’’اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھرا دے اور ان کو نہیں پھیر سکتا لیکن تو‘‘۔

خدمت خلق

سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف بیان کی ہے۔

"الحمداللہ رب العالمین"

سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے، بے حد مہربان، نہایت رحم والا ہے، بلند سے بلند، اول سے آخر، آخر سے اول، ظاہر و باطن، ماضی و حال، حال و مستقبل، رات اور دن، سماوات اور زمین میں جو کچھ ہے ان سب سے زیادہ اللہ کی تعریف ہے۔

مخلوق کی ڈیوٹی:

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ پیدا کرنے سے پہلے زندگی کے لئے ضروری وسائل فراہم کئے اور کائناتی نظام کو اس طرح ترتیب دیا کہ کائنات کا ہر فرد اور ہر ذرہ ایک دوسرے کے کام آرہا ہے۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے مخصوص ہیں جس نے سورج بنایا، سورج کو اتنا مطیع، فرمانبردار اور ایثار کرنے والا بنایا کہ وہ نہیں دیکھتا کہ میری دھوپ سے کون فائدہ اٹھاتا ہے۔ دھوپ تپتے میدان پر پڑتی ہے۔ دھوپ بلند و بالا برف پوش پہاڑیوں کو حرارت بخشتی ہے۔ دھوپ محلات کے کمروں اور پھونس کی جھونپڑیوں کو بھی روشن کرتی ہے۔ دھوپ کھیتوں پر بھی پھیلتی ہے اور دھوپ کیچڑ میں رہنے والے کیڑے مکوڑوں کو بھی زندگی عطا کرتی ہے۔

اللہ نے چاند بنایا۔ چاند کی روکی پہلی کرنیں مرغزاروں کو حسن عطا کرتی ہیں۔ پھلوں کو مٹھاس منتقل کرتی ہیں۔ پانی میں ہلچل پیدا کرتی ہیں۔ چاند کی منور کرنیں جب سمندر کے سینے کو چیر کر اس کے دل میں اتر جاتی ہیں تو سمندر میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ پر سکون پانی میں اضطرابی کیفیت میں بھونچال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور سکون آمیز لہریں بیس، تیس فٹ اوپر اچھلتی ہیں۔

آسمان کو اللہ نے ستاروں سے سجایا۔ گھپ اندھیرے میں ستارے مسافروں کو راستہ دکھاتے ہیں اور پیدل چلنے والے قافلوں، اونٹوں یا کشتیوں میں بیٹھے ہوئے مسافر ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

زمین جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنا سخت نہیں بنایا کہ لوگ ٹھوکریں کھا کر گرنے لگیں اور اتنا نرم نہیں بنایا کہ زمین کے باسی دلدل میں دھنس جائیں۔اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوقات کیلئے بچھونا بنا دیا۔

گیارہ ہزار نوعیں:

زمین میں موجود ساڑھے گیارہ ہزار مخلوقات کی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔پانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خدمت گزاری میں مصروف ہے۔وہ نہیں سوچتا نہیں دیکھتا کہ کون سرکش ہے، کون ظالم ہے، کون گنہگار ہے یا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اللہ کو حاضر وناظر جان کر اس کی تعریف بیان کرتا ہے۔سب کی زندگی بن رہا ہے۔

''الحمد اللہ رب العالمین''

سب تعریفیں اس وحدہ لاشریک اللہ کے لئے مخصوص ہیں جو عالمین کو پیدا کر کے وسائل عطا کرتا ہے۔جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔بے حد رحمٰن اور نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے صفاتی نام تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار ہیں اور ہر نام اللہ کی ایک صفت ہے۔سب ناموں پر اللہ تعالیٰ کا اسم رحیم محیط ہے۔نوعوں کی تعداد بھی گیارہ ہزار پانچ سو بتائی جاتی ہے۔

ہر مخلوق دوسری مخلوق کے ساتھ بندھی ہوئی ہے:

ہر مخلوق کا ہر فرد جس طرح زمین کو دیکھتا ہے اس طرح آسمان کو بھی دیکھتا ہے۔زمین پر دیکھتا ہے تو اسے پہاڑ نظر آتے ہیں۔

زمین کے اندر دیکھتا ہے تو معدنیات کا سراغ ملتا ہے۔ذہن پانی میں اتر جاتا ہے تو پانی کی مخلوق کا ادراک ہوتا ہے۔کوئی صاحب فہم انسان پانی کی مخلوق کے بارے میں تفکر کرتا ہے تو اس کے اوپر عجائبات کی دنیا کھل جاتی ہے۔چھوٹی مچھلی ایک انچ سے بھی کم اور بڑی وہیل مچھلی، گھونگھے، مرجان سیپ کے پیٹ میں موتی، Sea Food وغیرہ سمندر کی مخلوق ہیں۔

جب انسان کی نظر زمین کے گردونواح سے نکل کر آسمان کو دیکھتی ہے۔آسمان میں دس ہزار ستاروں پر پڑتی ہے تو انسان ستارے کے بشریٰ کو دیکھتا ہے۔ستارے اس کو نہیں روکتے کہ مجھے نہ دیکھ، چاند بھی منع نہیں کرتا کہ مجھے نہ دیکھو۔تصوف کی دنیا میں اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ کائنات میں ہر مخلوق دوسری مخلوق سے مخفی رشتہ میں بندھی ہوئی ہے۔اگر مخلوقات کے درمیان چاہے وہ مخلوق زمینی ہو، چاہے وہ مخلوق پانی کی ہو، چاہے وہ مخلوق ہوا کی ہو۔چاہے وہ مخلوق آسمانوں کی دنیا کی مخلوق ہو۔اگر مخفی رشتہ میں جڑی ہوئی نہ ہوتی تو ہر آسمانی نظارہ دیکھنے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور پیدا کرتا۔

یہی مخفی رشتہ کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے اور بڑے سے بڑے کرہ کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کئے ہوئے ہے۔

اس علم سے صوفی کے اوپر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تمام کائنات ایک ہی ہستی کی ملکیت ہے۔ اگر کائنات کے مختلف اجسام زمین، چاند، سورج، ستارے، فرشتے، جنات مختلف ہستیوں کی ملکیت ہوتے تو یقیناً ایک دوسرے کی روشناسی میں تصادم پیدا ہو جاتا۔ ایک ہستی کی ملکیت دوسری ہستی کی ملکیت سے متعارف ہونا نہ پسند کرتی۔

قرآن پاک نے ایسی مالک ہستی کا تعارف اللہ کے نام سے کروایا ہے۔

"الحمد اللہ رب العالمین"

سب تعریفیں کائنات کی مالک ایک ہستی کے لئے مخصوص ہیں۔ اس ہستی کا نام اللہ ہے۔ اللہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور بحیثیت رب کے مخلوقات کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔

کائنات کا ہر ذرہ تعمیل حکم کا پابند ہے:

اللہ اسم ذات ہے۔ اسم ذات مالکانہ حقوق رکھنے والی ہستی کا نام ہے۔ یعنی اللہ مالک ہے اور ساتھ ساتھ قادر مطلق بھی ہے۔

اللہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ جس طرح چاہے تخلیق کی نظام میں تبدیلی کر سکتا ہے اور جس طرح چاہے کائناتی نظام کو چلانے میں ایک دوسرے کی ڈیوٹی لگا سکتا ہے۔ مخلوق کا کوئی فرد اس کے نظام میں دخل نہیں دے سکتا۔

الحمد اللہ رب العالمین o الرحمٰن الرحیم o

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی دونوں صفات ملکیت اور رحمت و قدرت کا تذکرہ ہے۔ اسم ذات اللہ مالکانہ حقوق کا حامل ہے۔ اور رحمٰن ورحیم قادرانہ حقوق کا مالک ہے۔ قادرانہ صفت کو تصوف کی زبان میں رحمت کہتے ہیں۔ اللہ کے ساڑھے گیارہ ہزار اسماء میں سے رحیمانہ اور قادرانہ اوصاف ہر اسم میں موجود ہیں۔ یہی اوصاف مخلوقات کے درمیان مخفی رشتہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سورج کی روشنی اہل زمین کی خدمت گزاری سے اس لئے انکار نہیں کر سکتی کہ اہل زمین اور سورج ایک ہی ہستی کی ملکیت ہیں۔ وہ ہستی مالکانہ حقوق میں حاکمانہ قدروں کی مالک ہے اور اس کی رحمت و قدرت کسی وقت بھی اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ اس کی ملکیتیں ایک دوسرے کے وقوف اور خدمت گزاری سے منکر ہو جائیں۔

روحانی استاد اپنے شاگرد، سالک کو یہ راز منتقل کرتا ہے کہ موجودات، موجودات کی زندگی اور زندگی کے تمام اجزاء کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان اجزاء کو حرکت میں لانا چاہا تو "کن" فرمادیا۔ اس علم سے

یہ منکشف ہوا کہ کائنات، کائنات میں ہر فرد بشمول انسان ایک حرکت ہے اور یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے حکم سے شروع ہوتی ہے۔اس حرکت کے ہزاروں اجزاء ہیں اور ان اجزاء میں سے ہر چیز ایک حرکت ہے گویا انسان کی ذات لا شمار حرکتوں کا مجموعہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہر مخلوق ایک حرکت ہے اور ہر حرکت کے ہزاروں اجزاء ہیں اور ان اجزاء میں سے ہر چیز ایک حرکت ہے۔ ہر حرکت دوسری حرکت کے ساتھ ملحق ہے۔

ہر حرکت اللہ سے شروع ہوتی ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ چونکہ ہر مخلوق حرکت کی بیلٹ پر متحرک ہے اس لئے ہر مخلوق کا دوسری مخلوق سے رشتہ قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہم نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب کا سب تمہارے تابع کر دیا ہے یعنی انہیں تمہاری خدمت گزاری میں مصروف کر دیا ہے۔

سورج بھی خدمت میں مصروف ہے، چاند بھی خدمت میں مصروف ہے، زمین بھی خدمت میں مصروف ہے، نباتات اور جمادات بھی خدمت میں مصروف ہے اور انسان بھی مخلوقات کی خدمت میں مصروف ہے۔ یہ ایسی خدمت ہے، خدمت گزار کو جس کا علم نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو فضیلت بخشی کہ انسان یہ علم سیکھ لیتا ہے۔

حقوق انسانی اور دیگر مخلوق کے حقوق:

ایک مرید نے مراد سے پوچھا:

اللہ سے دوستی کس طرح کی جائے؟

مراد نے مرید سے پوچھا:

تم کسی سے دوستی کرنا چاہو تو کیا کروگے؟

مرید نے عرض کیا:

اس کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ کرینگے، اس کی خاطر مدارت کریں گے، اس کا خیال رکھیں گے۔

مراد نے کہا:

اگر یہ باتیں نہیں کروگے یا تمہیں اس کے مواقع نہیں ملیں گے پھر کیا ہوگا؟

مرید نے عرض کیا:

ہوسکتا ہے کہ دوستی ختم ہوجائے۔

مرادنے فرمایا:

دوستی اس وقت پختہ ہوتی ہے جب آدمی دوست کی دلچسپیوں کو قبول کرلے۔اگر تم نمازی کے پکے دوست بنناچاہتے ہو تو اس کے ساتھ نمازپڑھناشروع کردو۔ جواکھیلنے والے کادوست جواری ہوتا ہے۔اور نشہ کرنے والے کادوست اگراس کے ساتھ نشہ نہیں کرتاتوآپس میں دوستی نہیں ہوتی۔

مرادنے مرید سے سوال کیاکہ:

اللہ تعالیٰ کیاکرتے ہیں؟

مریدنے اپنی ذہنی استطاعت کے مطابق ادھر ادھر کی بہت ساری باتیں کیں۔

مرادنے قطع کلام کرکے فرمایاکہ:

مختصر بات یہ ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔اللہ سے اگردوستی کرنی ہے تومخلوق کی خدمت کرو۔

مرادنے مزید تشریح فرمائی:

کیاتم نے بکری دیکھی ہے؟

مریدنے عرض کیا:

جی ہاں! دیکھی ہے۔

پوچھا: بکری کیاکرتی ہے؟

مریدنے عرض کیا:

بکری دودھ دیتی ہے۔لوگ اس کاگوشت کھاتے ہیں۔اس کی کھال انسانوں کے کام آتی ہے۔

مرادنے فرمایا:اس کامطلب یہ ہواکہ بکری انسان کی خدمت میں مصروف ہے۔

مرادنے پھرپوچھا:

زمین کی کیاڈیوٹی ہے؟

مریدنے عرض کیا:

زمین پر کھیتیاں لہلہاتی ہیں۔ زمین درخت اگاتی ہے۔ درختوں پر پھل لگتے ہیں۔ زمین انسان کو خوش کرنے کے لئے پھولوں میں رنگ آمیزی کرتی ہے۔

مراد نے سوال کیا:

بکری اور زمین کا کیا رشتہ ہے؟

مرید نے عرض کیا:

بکری زمین پر گھاس چرتی ہے درختوں کے پتے کھاتی ہے۔

مراد نے ارشاد فرمایا کہ:

کائناتی سسٹم یہ ہے کہ ہر شئے دوسرے کی خدمت کرنے میں مصروف ہے جب غیر اشرف مخلوق اللہ کی مخلوق کی خدمت کر رہی ہے تو انسان کا بھی فرض ہے کہ مخلوقات کی خدمت کرے۔

جب سالک اس رمز کو سمجھ لیتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا ہے تو اسے اپنے باپ آدم علیہ السلام کا ورثہ منتقل ہو جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے باطنی علوم سکھائے ہیں۔ باطنی علوم کا دوسرا نام تصوف ہے اور یہی علم حضرت آدم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔

آدم سب کے باپ ہیں۔ باپ اولاد کی خدمت کرتا ہے۔ اولاد کو پالتا پوستا ہے۔ آدم کا ہر بیٹا بھی آدم کی اولاد کا باپ ہے۔ باپ کا یہ فرض ہے کہ اولاد کی خدمت کرے۔ آدم زاد کو بلا تخصیص مخلوق کی خدمت اس لئے کرنی چاہئے کہ دوسری مخلوقات بھی آدم کی خدمت میں مصروف ہیں۔

بیعت

دنیاوی علوم کی طرح سلاسل طریقت اور خانقاہی نظام میں بیعت (شاگردی اختیار کرنا) بنیادی عمل ہے۔ بیعت فرض نہیں ہے لیکن دنیا میں بہت سارے کام ایسے ہیں جو فرض نہیں ہیں۔ مثلاً کہیں نہیں لکھا ہے انجینئر بننا فرض ہے، بڑھئی کا کام سیکھنا فرض ہے، ڈاکٹر بننا لازم ہے۔ لیکن بہر حال تعلیم حاصل کرنا معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کے فوائد بیان کئے ہیں۔

قرآن کریم اور بیعت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے پیغمبر! جو لوگ آپ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، اللہ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے''

(سورۃ فتح۔ آیت ۱۰)

''تحقیق خرید لی اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اور اس کے بدلے میں ان کیلئے جنت ہے:

(سورۃ توبہ۔ آیت ۱۱۱)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو''

(سورۃ مائدہ۔ آیت ۳۵)

ضرورت شیخ:

مفسرین، مقتدمین اور اکابرین امت کے نزدیک وسیلہ سے مراد ''مرشد'' کا وسیلہ ہے۔ یعنی استاد شاگرد کا رشتہ ہے۔ شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے وسیلہ سے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ اولیاء کرام کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ وسیلہ سے مراد شیخ طریقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا، لیکن منکرین طریقت کہتے ہیں کہ وسیلہ سے مراد ''نیک اعمال'' ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ طریقت بھی مرید کے لئے نیک اعمال کرانے کا یا صراط مستقیم پر چلانے کا اور عرفان ذات کے بعد عرفان الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔

علامہ ذمخشریؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالرحیمؒ، بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاءؒ اور تمام اولیاء کرام، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا رومؒ، فرید الدین عطارؒ، علامہ اقبالؒ اور قلندر بابا اولیاءؒ لفظ ''وسیلہ'' سے مراد ''شیخ'' ہی لیتے ہیں۔

جب ہم انسانی جبلت اور فطرت پر غور کرتے ہیں تو ایک بات کے علاوہ دوسری کسی بات پر ذہن نہیں رکتا کہ کوئی بھی علم سیکھنے کیلئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کی موجودگی میں شیخ کی کیا ضرورت ہے؟

اس اعتراض کے جواب میں کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کی کتاب موجود ہے تو معلم کتاب کی ضرورت سوالیہ نشان بن جائے گی۔ یہ بات امر مسلمہ ہے کہ دنیا میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس میں ماہرین فن معلم اور استاد کی ضرورت نہ ہو۔

دین ایک مکمل علم ہے اور دین میں شریعت بھی ایک علم ہے۔ اور شریعت مطہرہ کے ساتھ طریقت بھی ایک علم ہے۔ دین توحید پرست لوگوں کیلئے ایک مرکز ہے۔

شریعت اس مرکز کے ساتھ وابستہ رہنے کے قواعد و ضوابط اور رہنما اصول ہیں۔ طریقت اس مرکز پر محیط انوار و تجلیات کے حصول کا ذریعہ ہے۔

جب کوئی بندہ شرک و بت پرستی سے نکل کر اللہ پرست ہوتا ہے تو وہاں بھی اسے استاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد شریعت سیکھنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔ شریعت میں ارکان نماز، اوقات نماز، روزہ کے آداب، حج کے آداب، معاشرتی قوانین، پڑوسیوں کے حقوق، اللہ کے حقوق اور من حیث القوم مسلمانوں کے اسلامی عقائد کے مطابق فرض کی آگاہی کا علم حاصل کرنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے جو آخری نبی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔ اس کو سمجھنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔ اسی طرح تصوف یا روحانیت سیکھنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے۔

ہم جب کوئی علم سیکھنا چاہتے ہیں تو اس بات کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ علم سکھانے والا صاحب علم ہے۔ اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ علم سکھانے والا وہ علم نہیں جانتا جو ہم سیکھنا چاہتے ہیں تو ہم اس کی شاگردی اختیار نہیں کرتے۔

شعوری استعداد:

روحانی علوم سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان جس شخص کو مرشد بنائے اس کے بارے میں تصدیق کرلی جائے کہ استاد روحانی علوم جانتا ہے یا نہیں؟

تعلیم و تربیت کے بغیر شعور کی داغ بیل نہیں پڑتی اور نہ لاشعور کی درجہ بندی ہوتی ہے۔ شعور اور لاشعور دونوں سے مراد تعلیم و تربیت کا حصول ہے۔

دنیا میں جب کوئی چیز پیدا ہوتی ہے تو اسے اپنی ذات کے احساس کے علاوہ دوسری باتوں کا علم نہیں ہوتا۔

انسان کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''اور ہم نے آدم کو علم الاسماء سکھایا ہے''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے اندر پہلا شعور اس کا علم ہے۔

مثال: ایک شخص کا نام زید ہے لیکن زید کا نام زید کی پیدائش کے بعد رکھا گیا ہے۔ پیدائش سے پہلے اس کا کوئی نام معاشرے میں متعارف نہیں تھا۔ پیدا ہونے کے بعد زید میں جو پہلا شعور بنا وہ ماں کی قربت ہے یعنی ماں کی قربت بھی علم ہے۔

بچہ ماں کی قربت کے علم کے بعد ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے اور ماہ و سال گزرنے کی مناسبت سے شعور میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور شعوری سکت کے مطابق ماں باپ اور خاندان کے افراد زندگی کی ضروریات سے متعلق بچے کے اندر علوم منتقل کرتے رہتے ہیں۔

بالآخر بچہ والدین، خاندان اور برادری کے شعوری نقوش کو قبول کر کے اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کے شعور میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر شعوری وسعت کے لحاظ سے قوم اور اقوام عالم کا شعور بچہ کے شعور کے ساتھ ضرب در ضرب ہو کر ایک شعور لاکھوں شعور کے برابر ہو جاتا ہے۔

قانون یہ ہے کہ: جس شخص میں جتنی زیادہ شعوری استعداد ذخیرہ ہو جاتی ہے اسی مناسبت سے وہ عالم فاضل اور Genious ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے کہ اگر پہلے دن پیدا ہونے والے بچے میں شعور نہ ہو اور شعوری استعداد قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو بچہ عالم فاضل نہیں ہو گا اس کی مثال Handicapped بچے ہیں۔

اساتذہ کا کردار:

یہ بات بھی دھوپ کی طرح روشن ہے کہ اگر ماحول میں اساتذہ کا کردار نہ ہو تب بھی بچہ عالم فاضل اور دانشور نہیں ہو سکتا۔

ماحول میں اساتذہ کے کردار کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کیلئے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہوں۔ جس طرح دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح علم طریقت، تصوف یا روحانی علوم سیکھنے کے لئے درسگاہیں (خانقاہی نظام) ضروری ہے۔

جب سے خانقاہی نظام پر قدغن لگائی گئی ہے۔ اسی وقت سے انسان بے سکون، بے چین، پریشان، ایڈز اور کینسر جیسے موذی مرض کا شکار بن گیا ہے۔ اس لئے کہ انسان کا مادی وجود سڑاند اور تعفن کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ سڑاند اور تعفن میں امراض ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔

دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ قرآن پاک اور احادیث کی تعلیم کے مطابق جسمانی وجود کو زندہ رکھنے والی، سہارا دینے والی، روح کا ادراک ضروری ہے اور روح کے ادراک کیلئے بیعت یعنی روحانی استاد کی شاگردی ضروری ہے۔ تصوف کا اصل اصول یہ ہے کہ روح (انسان کی اصل) نور اور روشنیوں سے بنی ہوئی ہے۔ جب تک روشنیوں کا انسان مادی جسم کو اپنا معمول بنائے رکھتا ہے انسان زندہ رہتا ہے اور جب روشنیوں کا انسان مادی عناصر سے بنے ہوئے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

روحانی استاد، عرف عام میں جسے مرشد کہا جاتا ہے اس قانون سے واقف ہوتا ہے اور یہ علم اسے اپنے مرشد اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منتقل ہوتا ہے۔

روحانی شاگرد یا مرید جب مرشد کے حلقہ میں آجاتا ہے تو مرید کے اندر Positive اور Negative روشنیوں کا نظام بحال ہو جاتا ہے۔ مرید کی روشنیوں میں مراد کی روشنیاں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس عمل سے بتدریج تعفن کم ہوتا رہتا ہے۔ جس مناسبت سے تعفن کم ہوتا ہے اسی مناسبت سے لطیف روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا رہتا ہے۔

مرید ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ شیخ کی زندگی کے احوال و اعمال سے مرید مطمئن ہو اگر مرید اور مراد میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہو تو مرید کرنا یا مرید ہونا دونوں باتیں عقل و شعور کے خلاف ہیں۔

مختصراً اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک مراد اور مرید دونوں کے مزاج میں، عادات و خصائل میں، نشست و برخاست میں، وضع داری میں، طریقت و شریعت میں پوری طرح مطابقت نہیں ہو گی بیعت کا فائدہ نہیں ہو گا۔

بیعت کا قانون:

ایک جگہ بیعت ہونے کے بعد مرشد کی اجازت کے بغیر مرید کسی دوسری جگہ بیعت نہیں ہو سکتا۔ مرشد کے وصال کے بعد بھی بیعت ختم نہیں کی جاسکتی۔ البتہ کسی صاحب روحانیت کی شاگردی اختیار کی جاسکتی ہے۔ وصال کے بعد بیعت کو اس لئے ختم نہیں کیا جاسکتا کہ وصال کے بعد بھی روحانی فیض جاری رہتا ہے۔

روحانی علم دراصل ورثہ ہوتا ہے۔ جس طرح صُلبی باپ اولاد کی بہترین تربیت کرنا اپنا مقصد زندگی سمجھتا ہے اسی طرح مرشد بھی شب و روز روحانی اولاد کی تربیت میں مشغول رہتا ہے۔ بڑی اذیتیں تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کر کے اپنے شاگرد کے اندر روحانی طرز فکر منتقل کرتا رہتا ہے۔ شاگرد کی کوتاہیوں پر صبر کرتا ہے۔ اس کی غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ مرشد اپنے شاگرد کے لئے مکمل ایثار ہوتا ہے۔

نظام تربیت:

تربیت کے دو طریقے ہیں:

ایک طریقہ یہ ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ کر تربیت کی جائے، غصہ کر کے کسی کام سے روکا جائے۔ اس طرز عمل سے تربیت تو ہو جاتی ہے لیکن بندے کو جب بھی موقع ملتا ہے اور خوف دامن گیر نہیں ہوتا وہ اس کام کو ضرور کرتا ہے جس سے منع کیا گیا تھا۔

تربیت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوتاہیوں پر صبر کیا جائے اور غلطیوں کو معاف کیا جائے۔ اس قدر معاف کیا جائے کہ بندہ شرمندہ ہو کر ان کوتاہیوں اور غلطیوں کو چھوڑ دے۔ ایسا شخص غلطیوں کو نہیں دہراتا بلکہ تربیت کرنے والے استاد سے محبت کرتا ہے۔

جاں نثاری کی آخری حد تک اس کا ساتھ دیتا ہے۔

روحانی استاد کی خصوصیات:

اولیاء اللہ نے روحانی استاد کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱) حقوق العباد پورے کرتا ہو۔

۲) آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا ہو۔

۳) اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہو۔

۴) کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔

۵)کرامت دکھانے کا شوقین نہ ہو۔

۶)اسے اولیاءاللہ کی قربت حاصل ہو۔

۷)سیرت طیبہ پر اس کا عمل ہو اور سیرت طیبہ کے مطابق اپنے شاگردوں کی تربیت کرے۔

۸)ہر حال و قال میں اس کا منتہائے نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ ہو۔

۹)راسخون فی العلم ہو۔

۱۰)ہر بات کو منجانب اللہ سمجھتا ہو۔

۱۱)اس کی مجلس میں بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں یکسوئی محسوس ہوتی ہو۔

۱۲)جو کچھ مریدین سے چاہتا ہو خود بھی اس پر عمل کرے کیونکہ عمل کے بغیر تعلیم کا اثر نہیں ہوتا۔

۱۳)صالح اور معلم ہو۔

۱۴)ضرورت مندوں کی درخواست کو غور سے سن کر اس کا تدارک کرے۔

۱۵)اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے سے خوش ہو۔

۱۶)مرشد جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس پر دل کی گہرائیوں سے شکر کرے اور جو کچھ حاصل نہیں ہے اس کا شکوہ نہ کرتا ہو۔

علم طریقت حاصل کرنے کے لئے عشق بے حد ضروری ہے۔اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کے بغیر کوئی مسلمان مومن نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مومنین شدت کے ساتھ اللہ سے محبت کرتے ہیں''

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا''

(سورۃ آل عمران۔آیت ۳۱)

جس سے اللہ محبت کرتا ہے وہ اللہ کا محبوب ہے۔اس سے ظاہر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے بندے کو مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''جس میں محبت نہیں اس میں ایمان نہیں''

حدیث قدسی ہے:

میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو پیدا کیا تا کہ مخلوق مجھے پہچانے۔

بیعت کرنے سے پہلے مرشد کے انتخاب میں اگر دقت پیش آئے تو تصور کرنا چاہئے کہ اس کی قربت سے دل میں اثر پیدا ہوتا ہے یا نہیں یعنی دل میں اللہ کی محبت محسوس ہوتی ہو اور گناہوں سے بیزاری ہو۔

حدیث شریف میں اولیاءاللہ کی یہ علامت بیان کی گئی ہے:

''جب انہیں دیکھو اللہ یاد آئے''

نسبت

نسبت علمیہ:

صحابہ کرام کے دور میں اور قرون اولیٰ میں لوگوں کو مرتبہ احسان حاصل تھا۔ان کے لطائف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے رنگین تھے۔ان کی توجہ زیادہ تر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غور وفکر میں صرف ہوتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے روحانی قدروں کے جائزے زیادہ نہیں لئے چونکہ ان کی روحانی تشنگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر توجہ صرف کرنے میں پوری ہو جاتی تھی۔ان کو احادیث میں بہت زیادہ شغف تھا۔اس انہاک کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں کے ذہن میں احادیث کی صحیح ادبیت، ٹھیک ٹھیک مفہوم اور پوری گہرائیاں موجود تھیں۔صحابہ کرام اور صحابیات احادیث پڑھنے کے بعد اور احادیث سننے کے بعد حدیثوں کے انوار سے پورا استفادہ کرتے تھے۔اس طرح انہیں الفاظ کے نوری تمثلات کی تلاش کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ الفاظ کے نوری تمثلات سے روشناس تھے۔

صحابیات اور صحابہ کرام کی روحیں قرآن پاک کے انوار۔نور قدس اور نور نبوت سے لبریز تھیں۔اس دور میں روحانی قدروں کا ذکر نہ ہونا غالباً اس ہی وجہ سے تھا کیونکہ صحابہ کرام کو لطائف کے رنگین کرنے میں الگ سے جدوجہد نہیں کرنا پڑتی تھی۔ البتہ تبع تابعین کے بعد لوگوں کے دلوں سے قرآن پاک اور احادیث کے انوار جب معدوم ہونے لگے تو اس دور کے لوگوں نے تشنگی محسوس کرکے وصول الی اللہ کے ذرائع دریافت کئے چنانچہ شیخ نجم الدین کبریٰ اور ان کے شاگرد مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے رفقاء ایسے لوگ تھے جنہوں نے قرب نوافل کے ذریعے وصول الی اللہ کی طرزوں میں لاشمار اختراعات کیں اور طرح طرح کے اذکار اشغال کی ابتداء کی۔یہ طرزیں شیخ حسن بصری کے دور میں نہیں ملتیں۔

باذوق و بامراد ان قدسی نفس لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات جاننے میں انہماک حاصل کیا اور پھر ذات کو سمجھنے کی قدریں قائم کیں اسی ربط کا نام صوفی حضرات نسبت علمیہ رکھتے ہیں کیونکہ اس ربط یا ضبط کے اجزاء زیادہ تر جاننے پر مشتمل ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے کے لئے کوئی صوفی فکر کا اہتمام کرتا ہے اس وقت وہ معرفت کی ان راہوں پر ہوتا ہے جو ذکر کے ساتھ فکر کے اہتمام سے لبریز ہوتی ہے۔اس راستے کو قرب نوافل کہتے ہیں۔

نسبت سکینہ:

یہ نسبت اول جذب پھر عشق اور پھر سکینہ کے نسبتوں کے مجموعے پر مشتمل ہے۔سکینہ وہ نسبت ہے جو اکثر صحابیات اور صحابہ کرام کو حاصل تھی۔یہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ذریعے نور نبوت کے حصول سے پیدا ہوتی ہے۔

نسبت عشق:

جب قلب انسانی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسان کا ہجوم ہوتا ہے اور انسان قدرت کے عطیات میں فکر کرتا ہے تو اس وقت اللہ کے نور کے تمثلات بار بار انسانی طبیعت میں موجزن ہوتے ہیں۔ یہاں سے اس ربط یا نسبت عشق کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس نسبت کے باطنی انہماک کی کیفیتیں رونما ہونے لگتی ہیں پھر ان لطیفوں پر رنگ چڑھنے لگتا ہے یعنی لطیفوں میں انوار الٰہیہ پے درپے پیوست ہوتے رہتے ہیں۔اس طرح نسبت عشق کی جڑیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔

نسبت جذب:

یہ وہ نسبت ہے جس کو تبع تابعین کے بعد سب سے پہلے حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ نے نشان بے نشانی کا نام دیا ہے اس ہی کو نقشبندی جماعت یادداشت کا نام دیتی ہے۔ جب عارف کا ذہن اس سمت میں رجوع کرتا ہے جس سمت ازل کے انوار چھائے ہوئے ہیں اور ازل سے پہلے کے نقوش موجود ہیں۔ یہی نقوش عارف کے قلب پر بار بار دور کرتے ہیں اور صرف ''وحدت'' عارف کی فکر اور سوچ کا احاطہ کر لیتی ہے اور ہر طرح ہوئیت کا تسلط ہو جاتا ہے۔اس نسبت کی شعاعیں روح پر نزول کرتی ہیں اور جب عارف ان میں گھر جاتا ہے اور کسی طرف نکلنے کی راہ نہیں پاتا تو عقل و شعور سے دستبردار ہو کر خود کو اس نسبت کی روشنیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

نسبت کی بہت سی قسمیں ہیں ہم نے نسبت سے آگاہی اور نسبت کے مفہوم سے باخبر ہونے کے لئے چند نسبتوں کا ذکر کیا ہے۔

نسبت سے مراد یہ ہے کہ جس بزرگ سے آپ کا روحانی تعلق قائم ہو جائے۔ آپ کی طرز فکر اس کی طرز فکر کے مطابق ہو جائے۔

اللہ والوں کی تعریف یہ ہے کہ ان کا ہر عمل اور ہر کام اللہ کے لئے ہوتا ہے یعنی وہ اللہ کی معرفت سوچتے ہیں۔اللہ کے لئے سوتے ہیں۔اللہ کے لئے جاگتے ہیں۔ایسے الوالعزم بندوں کی زندگی اللہ کے لئے وقف ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

''ہمارا یقین ہے ہر امر اللہ کی طرف سے ہے''

قربِ نوافل، قربِ فرائض:

روحانی علوم سیکھنے اور روحانیت میں داخل ہونے کے لئے دو طریقے ہیں ایک طریقے کا نام قربِ نوافل ہے اور دوسرے طریقے کا نام قربِ فرائض ہے۔ قربِ نوافل ہو یا قربِ فرائض دونوں علوم مرشد کریم یا کسی ولی اللہ سے منتقل ہوتے ہیں۔ براہ راست اولیاءاللہ کی ارواح سے منتقل ہونے والے روحانی علوم نسبت اویسیہ کے تحت منتقل ہوتے ہیں۔

مخلوقات

مخلوقات کا حلیہ:

کائنات میں تین مخلوقات مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔۔۔۔۔۔فرشتے، جنات اور انسان۔

دو مخلوق مکلف ہیں اور ایک مخلوق غیر مکلف ہے۔

ہر مخلوق کے افراد لباس پہنتے ہیں۔ ہر مخلوق کے اعضاء ہاتھ اور پیر سب ہیں لیکن خدوخال اور نقوش میں فرق ہے۔

ایک مخلوق کی آنکھ مخروطی ہے، ناک چپٹی اور کھڑی ہے، چہرہ کتابی یا گول ہے۔

دوسری مخلوق کی آنکھیں بادام کی ہیں۔ آنکھ کی پتلی میں گہرے رنگ کے ڈورے ہیں، ستواں ناک کی نوک غائب ہے، چہرہ بیضوی اور سر کشکول کی طرح ہے۔

تیسری مخلوق کی آنکھ مشروم کی طرح گول ہے، ناک گل دستہ کی طرح ہے۔ چہرہ پورے چاند کی طرح گول ہے اور اس مخلوق کا سر سانپ کے سر سے مشابہ ہے۔

ایک مخلوق قد میں بارہ سے سولہ فٹ دراز یا اس سے بھی زیادہ لمبی ہے۔

دوسری مخلوق عفوان شباب کی عمر میں نظر آتی ہے۔ قد متوازن ہے۔

تیسری مخلوق پانچ سے چھ فٹ کوتاہ یا دراز ہے اور جسم روشنیوں کا مرقع ہے۔

ایک مخلوق کے جسم میں ڈبل برقی رو دوڑتی ہے۔

دوسری مخلوق کے جسم میں اکہری برقی رو دوڑتی ہے۔

تیسری مخلوق ایسی روشنی سے مرکب ہے جسے روشنی نہیں کہا جاسکتا۔

ایک مخلوق کے حواس محدود۔

دوسری مخلوق کے حواس محدودیت میں لامحدود۔

تیسری مخلوق کے حواس لامحدود۔

ایک مخلوق ایک گھنٹے میں تین میل پیدل مسافت طے کرتی ہے۔

دوسری مخلوق ایک گھنٹے میں پیدل ستائیس میل چلتی ہے۔

تیسری مخلوق کی پرواز ایک سواسی ہزار میل ہے۔

پہلی مخلوق عناصر (مادیت) کے خول میں بند ہے۔

دوسری مخلوق روشنی کے خول میں بند ہے۔

تیسری مخلوق (ایک لاکھ چھیاسی ہزار دوسو بیاسی میل فی سیکنڈ) روشنی کی رفتار میں مقید ہے۔

ایک مخلوق کی بساط زمین، دوسری مخلوق کی بساط خلاء، تیسری مخلوق کی بساط سماوات اور بیت المعمور ہے۔

ایک مخلوق کو کھانے اور پینے کی اشتہاء کو پورا کرنے کے لئے اربعہ عناصر کی ضرورت ہے۔

دوسری مخلوق کی اشتہاء پوری ہونے میں فاسفورس کا عمل دخل ہے۔

تیسری مخلوق میں اشتہاء کا تقاضہ بے رنگ روشنیوں سے پورا ہوتا ہے۔

خلاء:

خلاء ایک تانا بانا ہے اس تانے بانے میں مخلوق نقش ہے۔ جیسے کپڑے پر ایمبرائیڈری (Embriodery) یا قالین پر شیر بُنا ہوا ہوتا ہے۔ خلاء کا دوسرا رخ محض تانا ہے اس پر بھی مخلوق کے خدوخال نقش ہیں۔ خلاء کا تیسرا رخ ایسی لہروں سے مرکب ہے جس میں تانا بانا نظر نہیں آتا۔

تینوں مخلوقات میں لمس کا احساس ہے، خوش ہونے اور ناخوش ہونے کے جذبات ہیں لیکن یہ احساس کہیں بھاری اور کہیں لطیف ہے، جہاں بھاری اور بہت بھاری ہے، وہاں کشش ثقل ہے۔ جہاں ہلکا ہے وہاں کشش ثقل تو ہے لیکن کشش ثقل خلاء کا سفر کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی، جہاں لطافت ہے وہاں کشش ثقل (Gravity) ختم ہو جاتی ہے۔

تینوں مخلوقات میں ہر مخلوق کے اندر لطیف حس موجود ہے صرف درجہ بندی کا فرق ہے۔

ایک مخلوق کے اوپر کثافت کا پردہ زیادہ ہے۔

دوسری مخلوق پر کثافت کا پردہ کم ہے۔

تیسری مخلوق پر کثافت کا پردہ نہیں ہے۔

دونوں مخلوقات تیسری مخلوق کی طرح کثافت کے پردے اور تاریکی کے خول سے خود کو آزاد کر دیں تو وہ اپنے اندر اللہ کا نور دیکھ لیتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ، چراغ شیشے کی قندیل میں ہے۔ قندیل گویا کہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے۔ نہ شرقی ہے نہ غربی، قریب ہے کہ روشن ہو جائے اگرچہ آگ نے اسے نہ چھوا ہو، نور علیٰ نور ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کو دکھا دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے''۔

(سورۃ نور۔ آیت نمبر ۳۵)

روحانی مسافر (سالک) جب راستہ کے نشیب و فراز سے گزرتا ہے تو اس کے شعور میں ایک جھماکا ہوتا ہے اور اس کی باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔

تصوف رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ سے دوستی کی شرط یہ ہے کہ بندہ وہ کام کرے جو اللہ کو پسند ہے۔ اچھا انسان وہی کام کر کے خوش ہوتا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

بیس ہزار فرشتے:

ہر آدمی کے ساتھ بیس ہزار فرشتے ہمہ وقت کام کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہر آدمی اللہ تعالیٰ کا کمپیوٹر ہے جس میں بیس ہزار چپس (Chips) ہیں۔ ایک چپ (Chip) بھی کام نہ کرے تو پورے نظام میں خلل پڑ جاتا ہے۔

دوکھرب سیلز:

انسانی دماغ میں دو کھرب سیلز ہیں اور ہر سیل کسی نہ کسی حس (Sense) کسی نہ کسی عضو، کسی نہ کسی Tissue، کسی نہ کسی شریان اور رگ پٹھوں سے متعلق ہے۔ دو کھرب میں ایک سیل بھی متاثر ہو جاتا ہے تو انسانی جسم پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سانس اور ہوا:

ہوا ناک یا منہ کے ذریعے جسم میں جاتی ہے اور مختلف نالیوں سے گزرتی ہوئی پورے جسم میں داخل ہوتی ہے جیسے جیسے ہوا آگے بڑھتی ہے ہوا کا دباؤ زیادہ ہوتا رہتا ہے اور ان نالیوں کا قطر بتدریج چھوٹا ہو جاتا ہے اور پھیپھڑوں میں موجود تین ملین تھیلیوں میں ہوا پہنچ جاتی ہے۔ ہم کانوں سے سنتے ہیں، آواز کی لہریں کان میں داخل ہوتی ہیں۔ کان کے پردہ پر بالوں کی ضرب سے پیدا ہونے والی گونج میں ہم معنی پہناتے ہیں۔

خون کی رفتار:

اللہ تعالیٰ کی صناعی میں انسان جس طرف بھی متوجہ ہوتا اور اللہ کی نشانیوں میں تفکر کرتا ہے اس کے اوپر عجائبات کی دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ جسم کے اندر وریدوں اور شریانوں میں دوڑنے والا خون چوبیس گھنٹے میں بچھتر ہزار میل سفر کرتا ہے۔ آدمی ایک گھنٹے میں تین میل چلتا ہے۔ اگر وہ مسلسل بغیر وقفے کے ۲۶ ہزار ۳۸۰ گھنٹے تک چلتا رہے۔ تب ۷۵ ہزار میل کا سفر پورا ہو گا۔

اللہ نے انسان کے ارادہ و اختیار کے بغیر جسم کو متحرک رکھنے کے لئے دل کی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ پھیلنے اور سکڑنے کی صلاحیت سے سارے جسم کو اور جسم کے ایک ایک عضو کو خون فراہم کرتا رہے۔

سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے ہیں۔

جو عالمین کی خدمت کرتا ہے۔

جو عالمین کو رزق دیتا ہے۔

جو عالمین میں آباد مخلوق کو زندہ رکھنے کے لئے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے۔

اللہ کی عادت:

تصوف کے طالب علم کو۔۔۔ مرشد بتاتا ہے کہ جب بندہ کا اللہ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر اللہ کی صفات منتقل ہو جاتی ہیں۔ خلق خدا کی خدمت اللہ کا ذاتی وصف ہے جو بندہ مخلوق کی خدمت کرتا ہے فی الحقیقت اس نے وہ کام شروع کر دیا ہے جو اللہ کر رہا ہے۔ جتنا زیادہ مخلوق کی خدمت میں انہماک بڑھتا ہے اس ہی مناسبت سے بندہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ کوئی نبی، کوئی صوفی یا ولی ایسا نہیں ہے جس نے نہایت خوشدلی کے ساتھ اللہ کی مخلوق کی خدمت نہ کی ہو۔

صوفی اپنے شاگردوں کو بتاتا ہے۔

مخلوق کی خدمت اللہ کی پسندیدہ عادت ہے۔۔۔۔۔۔

صوفی بلا امتیاز مذہب و ملت مخلوق سے محبت کرتا ہے۔۔۔۔۔۔

جو بندہ مخلوق سے نفرت کرتا ہے اور تفرقہ ڈالتا ہے وہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

اللہ کا دوست خود غرض نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔

اللہ کا دوست خوش رہتا ہے اور وہ سب کو خوش دیکھنا چاہتا ہے۔صوفی تلقین کرتا ہے کہ ایسی باتوں سے اللہ خوش ہوتا ہے جن باتوں میں خلوص نیت ہو،اخوت ہو، ہمدردی ہو،ایثار ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

مومن میں ایسی فراست کام کرتی ہے جو نور کی دنیا کا مشاہدہ کرتی ہے۔

جڑی بوٹیاں، پھل، پھول اور پودے بھی مخلوق ہیں۔ جس طرح انسان کی پیدائش مرحلہ وار پراسس سے ہوتی ہے اس طرح نباتات،جمادات کی حیات و ممات بھی مرحلہ وار پراسس پر قائم ہے۔اللہ نے کائنات میں ہر شئے کو جوڑے جوڑے بنایا ہے۔

یعنی ہر شئے کے دو دو رخ ہیں۔۔۔۔۔۔اور ہر رخ مقداروں (خلیوں) سے مرکب ہے۔ہر خلیہ کی بیرونی دیوار میں آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربن کا عمل دخل ہے۔

ہر شئے کی بنیاد پانی ہے:

ہر شئے کی بنیاد پانی ہے، پانی کے اوپر ہی تخلیق کا دارومدار ہے، پانی نہ ہو تو زمین بے آب و گیاہ بنجر بن جاتی ہے۔انسان،جنات، پودوں، درختوں اور دوسری تمام مخلوقات کی نشوونما کے لئے نمی، ہوا اور گرمی کا ہونا ضروری ہے۔فاسفورس، پوٹاشیم اور نائٹروجن نہ ہو تب بھی نشوونما نہیں ہوگی اور یہ سب چیزیں قدرت نے پانی میں جمع کر دی ہیں۔

درختوں میں اگر پتے نہ ہوں تو درختوں کی زندگی مخدوش ہو جاتی ہے۔ ہر پتے میں گیس ہوتی ہے، مسامات ہوتے ہیں،ان مسامات میں کاربن خون کی طرح دوڑتا ہے اور یہی مسامات آکسیجن کو باہر نکالتے ہیں۔

درختوں کی دنیا:

پتوں کی ایک پوری دنیا ہے۔ پتے درخت کو زندہ رکھتے ہیں اور یہی پتے اگر بیمار ہو جائیں تو درخت بیمار ہو جاتا ہے۔یہی پتے جب زمین پر گرتے ہیں تو زمین کے اوپر نباتات کے لئے کھاد کا کام دیتے ہیں۔انسان کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہے کہ وہ اتنی بڑی زمین پر کھاد ڈال سکے، بارش برستی ہے، بجلی کڑکتی ہے، بجلی کی کڑک سے اور بارش کی بوندوں سے کھیتوں کو بیش بہا نائٹروجن مہیا ہوتی

ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :

''اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے''

(سورۃ انبیاء۔ آیت نمبر ۳۰)

''اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا۔ پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے ہیں جو بوجھ سے نیچے کو لٹکے ہوئے ہیں اور اس ہی پانی سے ہم نے انگور کے باغ اور زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے ہیں جو کہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہیں۔ ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور پھر اس کے پکنے کو دیکھو۔۔۔ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں''۔

(سورۃ انعام۔ آیت نمبر ۹۹)

''اور وہی ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا۔ جس کو تم پیتے ہو۔ اور اس سے درخت سیراب ہوتے ہیں۔ اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ بیشک اس میں تفکر کرنے کے لئے دلیل ہے''۔

(سورۃ نحل: آیت نمبر ۱۰۔۱۱)

''اور وہ رب ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے واسطے راستے بنائے۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے۔۔۔۔۔ اس ہی پانی کے ذریعہ سے مختلف اقسام کے نباتات پیدا کئے تاکہ تم خود بھی کھاؤ۔۔۔۔۔ اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ۔ ان چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں''۔

(سورۃ طٰہٰ: آیت نمبر ۵۳۔۵۴)

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔ پھر نطفہ (پانی کی پھٹکی) کو ہم نے جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا''۔

(سورۃ مومنون: آیت نمبر ۱۳۔۱۴)

''پھر اس کی نسل حقیر پانی کے نچوڑ سے پیدا کی''۔

(سورۃالسجدہ۔آیت نمبر ۸)

"کیاہم نے تم کو حقیر پانی کے نچوڑ سے پیدا نہیں کیا"۔

(سورۃالمرسلٰت۔آیت نمبر ۲۰)

"وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا"۔

(سورۃالطارق۔آیت نمبر ۶)

بارش برسانے کا فارمولا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور یہ جو بہت سی رنگ برنگی چیزیں اس نے تمہارے لئے پیدا کر رکھی ہیں ان میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں"۔

(سورۃالنحل۔آیت نمبر ۱۳)

تصوف کا علم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز رنگین ہے۔ اور ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہے، ہر چیز دوسری چیز کے لئے ایثار کر رہی ہے، پھولوں میں رنگ وبو، بھنورے اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ انجیر کے اندر ایک زوجین چھوٹا سا غنچہ ہوتا ہے، ایک خاص قسم کی بھڑ غنچوں میں انڈے دے جاتی ہے، جب بچے نکلتے ہیں تو نر انجیر مادہ انجیر میں چلے جاتے ہیں۔

بعض بیلیں براہ راست زمین سے غذا حاصل نہیں کرتیں بلکہ دوسرے درختوں کے رس پر پلتی ہیں اور یہ درخت رفتہ رفتہ خشک ہو جاتے ہیں، درختوں کی جڑیں کیونکہ پانی جذب کر لیتی ہیں اس لئے زمین پر دلدل نہیں بنتی، فضا جب درختوں کے سانس سے بھر جاتی ہے تو بادل وزنی ہو کر برسنے لگتے ہیں۔

ریگستان میں اگر بے شمار بانس کھڑے کر دیئے جائیں اور ان بانسوں کو مختلف رنگوں سے رنگ دیا جائے تو قانون یہ ہے کہ ریگستان میں بارش برسے گی اور جب تک یہ بانس لگے رہیں گے بارش برستی رہے گی تا آنکہ ریگستان نخلستان اور جنگل میں تبدیل ہو جائے۔

حیوانات کی زندگی کا دارومدار آکسیجن پر ہے اور نباتات کی زندگی کا انحصار کاربن پر ہے۔ اگر آکسیجن کم ہو جائے تو حیوانات ہلاک ہو جائیں گے اور کاربن کا ذخیرہ نہ رہے تو نباتات فنا ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے۔۔۔۔۔۔ اور ایک ایسا علم ہے

جسے انسان کو ودیعت کر دیا گیا ہے۔ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اس کنبہ کا ہر فرد دوسرے فرد سے ہم رشتہ ہے، ہر شئے دوسری شئے کے کام آرہی ہے۔ ہر شئے خوراک بن کر دوسری شئے کے لئے ایثار کر رہی ہے۔

فطرت کے قوانین:

زمین کے اوپر موجود مخلوقات کی یہ بہت مختصر روئیداد اس لئے لکھی گئی ہے کہ ہمارے اندر تفکر پیدا ہو، ہم یہ دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں اور اس بات پر یقین کریں کہ نظام کائنات میں یہ قدر مشترک ہے کہ ہر چیز دوسری چیز سے ایک مخفی رشتے میں بندھی ہوئی ہے۔ اور یہ مخفی رشتہ ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ مخلوق میں سے کوئی ایک فرد بھی اس رشتے سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ اس رشتے کو توڑ سکتا ہے، جب تک کوئی شئے دوسری شئے کے کام آرہی ہے اس کا وجود ہے ورنہ وہ شئے مٹ جاتی ہے۔ یہ پورا نظام ہے جو زمین میں، پانی کی دنیا میں، فضاء میں، خلاء میں، آسمانوں میں، انسانوں میں اور تمام مخلوقات میں جاری ہے۔

کائناتی سسٹم:

قدرت یہ بھی چاہتی ہے کہ زمین کا کوئی خطہ کوئی حصہ قدرت کے فیض سے محروم نہ رہے۔ انسان درختوں کی خدمت کرتا ہے اور درخت انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ انسان حیوانات کی حفاظت کرتا ہے اور حیوانات انسانوں کے کام آتے ہیں۔

ہوا بیجوں کو اپنے دوش پر اٹھا کر دور دراز مقامات تک پہنچاتی ہے۔ دریا، ندیاں، نالے بیجوں اور جڑوں کو زمین کے ہر خطے تک پہنچاتے ہیں۔ یہی قانون قوموں کے عروج و زوال میں بھی نافذ ہے۔ جب کوئی قوم اس سسٹم سے تجاوز کرتی ہے اور ایثار سے کام نہیں لیتی تو قدرت اسے فنا کر دیتی ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"اگر تم نے کائناتی سسٹم سے منہ پھیر لیا تو یہ زمین کسی اور کے قبضہ میں دے دی جائے گی"۔

زمین پر صرف وہی قومیں باقی رہتی ہیں جو مظاہر فطرت کے جاری و ساری قانون سے واقف ہیں اور حیرت انگیز تخلیق اور نظام آفرینش کا مطالعہ کرتی ہیں، سب سے بڑا ظلم اور جہالت یہ ہے کہ کسی قوم کو یہ معلوم نہ ہو کہ آسمانی دنیا کا مشاہدہ کئے بغیر کوئی قوم کائناتی سسٹم سے واقف نہیں ہوتی۔

زمین کے خزانوں کو استعمال کئے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہتی، زمین کے خزانوں کے استعمال کا عمل اور طریقہ قرآن میں تفکر (کنسنٹریشن اور مراقبہ) کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کائنات میں تفکر اور اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش کو اپنی اولاد اور امت کے لئے فرض قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں تجھے بنانے والا ہوں انسانوں کے لئے امام''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تیری اولاد میں سے ظالم لوگ محروم ہو جائیں گے''

(سورۃ بقرہ۔آیت نمبر ۱۲۴)

صراط مستقیم:

آج کا دور خود غرضی، مصلحت کوشی اور افراتفری کا دور ہے۔ بلاشبہ دین کو قوم کے لئے بھول بھلیاں بنانے والے لوگ ظالم اور سرکش ہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ خالق نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ خالق نے زندہ رہنے کے لئے وسائل عطا کئے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی اللہ کی حاکمیت ہے۔

جس بندے کا دلی تعلق اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔ وہ صراط مستقیم پر گامزن ہے اور صراط مستقیم پر گامزن خواتین و حضرات اللہ کے دوست ہیں۔ جنہیں نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔۔۔۔۔!

اللہ کی کتاب جو اللہ کے محبوب ﷺ پر نازل ہوئی۔ جس میں لاریب، شک نہیں۔ جو کتاب روشن دلیلوں کے ساتھ ہدایت ہے متقی لوگوں کے لئے جس کتاب کا ہر ہر لفظ نور ہے، یہ نور انسان اور خالق کے درمیان تعلق قائم کرتا ہے۔ یہی نور زمین و آسمان کی کنہ ہے جب کوئی انسان قرآن و حدیث کی روشنی میں تصوف کے طریقہ پر اس نور کو تلاش کرتا ہے تو اللہ اس نور کی ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔

انسان

احسن الخالقین اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ تخلیق ہونے میں وسائل زیر بحث نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔
خالقین کا لفظ ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق بھی اللہ کے دیئے ہوئے وسائل سے تخلیق کر سکتی ہے۔ آج کے دور میں بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال بجلی ہے، جب مخلوقات میں سے ایک بندے نے بجلی کے بارے میں سوچا اور تحقیق و تلاش میں انہماک پیدا ہوا تو بجلی کا مظاہرہ ہو گیا، جب بجلی وجود میں آگئی تو بجلی سے لاکھوں چیزیں بن گئیں۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ بجلی وجود میں آنے سے پہلے بساط عالم میں موجود تھی۔

اللہ تعالیٰ کا وصف یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کن کہا تو لاکھوں کروڑوں چیزوں کے ساتھ بجلی بھی پیدا ہو گئی اور جب آدم زاد نے اپنا اختیار استعمال کر کے بجلی کے علم کے اندر تفکر کیا تو یہی بجلی عدم سے عالم ظاہر میں آگئی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ توانائی اور کرنٹ خالص اللہ کی تخلیق ہے۔ کرنٹ کے بہاؤ کو تاروں پر سے گزارنا اور اس بہاؤ کو بلب، ٹیوب لائٹ، پنکھوں، ایئر کنڈیشنرز یا چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی دیوہیکل مشین میں (Flow) کرنا انسان کی تخلیق ہے۔

جس دھات سے تار بنے ہیں وہ اللہ کی تخلیق ہے لیکن دھات کو ڈائیوں میں ڈھالنا اور ڈائیاں بنانا انسان کی تخلیق ہے۔

ایک تخلیق سے ہزاروں تخلیقات:

اللہ کی ایک تخلیق سے ہزاروں ذیلی تخلیقات کا مظاہرہ آدم زاد کی صلاحیتوں کا تصرف ہے اور یہ تصرف اس علم کے ذریعے ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کہا ہے۔ علم الاسماء سے مراد یہ ہے کہ ایسا علم جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھایا ہے۔ جب آدم اس علم کی گہرائی میں تفکر کرتا ہے تو تفکر کے نتیجے میں نئی نئی تخلیقات اور ایجادات ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''ہم نے لوہا (دھات) نازل کیا اور اس کے اندر انسان کے لئے بے شمار فائدے ہیں''۔

(سورۃ حدید۔ آیت نمبر ۲۵)

لاکھوں سال پر محیط گزرے ہوئے ادوار میں ایجادات اور ترقی پر غور کیا جائے تو ہر ترقی میں کسی نہ کسی دھات یا اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے وسائل کا عمل دخل ہے۔

زمین اور آسمان کی روشنی:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے"

یعنی سماوات اور زمین کی تخلیق میں روشنی وسیلہ بن رہی ہے۔اس آیت پر تفکر کے نتیجے میں انکشاف ہوتا ہے کہ روشنی بھی ایک وجود ہے۔آدم زاد جب روشنیوں کا علم حاصل کرلیتا ہے تو اس کے لئے نئی نئی ایجادات کرنا آسان عمل بن جاتا ہے۔لوہے کی طرح گولڈ بھی ایک دھات ہے۔ گولڈ کے ذرات اکٹھے کر کے ہم سونے کی ڈلی بنا لیتے ہیں اور لوہے کے ذرات کو اکٹھا کر کے Casted Metal بنالیتے ہیں۔بھٹی میں اسٹیل کو پگھلا کر سریا، گاڈر اور مختلف چیزیں بنالی جاتی ہیں۔

لیکن یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب آدم زاد اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو استعمال کرکے وسائل میں تفکر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ تخلیق کرنے میں کسی کے محتاج نہیں ہیں جب وہ کوئی چیز پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ارادہ کر لیتے ہیں۔ تخلیق میں جتنے وسائل کا ہونا ضروری ہے وہ خود بخود موجود ہو جاتے ہیں۔

بندے کی تخلیق یہ ہے کہ وہ پہلے سے موجود وسائل میں غور و فکر کرتا ہے اور ان سب کو اکٹھا کر کے کوئی چیز بناتا ہے جیسے پانی کو (Dam) میں اکٹھا کیا جاتا ہے اور خاص پروسیس کے تحت اس سے بجلی حاصل کی جاتی ہے اور دھاتوں کو اکٹھا کر کے ان دھاتوں سے کوئی مختلف چیزیں بنالی جاتی ہیں۔

اسی طرح زمین سے گندم حاصل کر کے چکی میں پیس کر آٹا بنایا جاتا ہے اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جاتی ہے۔یہ ذیلی تخلیق وسائل میں محدود رہ کر وسائل کو جمع کر کے ہوتی ہے۔

روشنیوں کا سفر:

تخلیق کا دوسرا طریقہ روشنیوں میں تصرف کرنا ہے۔روشنیوں میں تصرف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں روشنیوں کا علم حاصل ہو۔جب کوئی انسان روشنیوں کا علم حاصل کرلیتا ہے تو وہ ان لہروں کا ادراک کرلیتا ہے جن لہروں پر روشنیاں سفر کرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ غیب الغیب کے عالم الغیب ہیں۔کائنات کے ذرہ ذرہ کی حرکات و سکنات کو جانتے ہیں ان کے علم میں ہے کہ انسان سے ذیلی تخلیقات وجود میں آتی رہیں گی۔اس ہی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو احسن الخالقین کہا ہے۔

خالق کائنات اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور طرز فکر کا علم عطا کیا گیا ہے۔

طرز فکر ان روشنیوں کا ذخیرہ ہے جن سے حواس تخلیق ہوتے ہیں اور حواس میں شعور داخل ہوتا ہے۔

جیسے جیسے طرز فکر کی روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے اسی مناسبت سے حواس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور شعور میں اتنی سکت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ لاشعوری تحریکات کو زیادہ سے زیادہ قبول کر لیتا ہے۔

علوم سیکھنے کے تقاضے:

تصوف کے علوم سیکھنے والی طالبات و طلباء کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ دنیاوی علوم کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے روحانی علوم شروع ہوتے ہیں۔

روحانی علوم لاشعوری صلاحیت کے تابع ہیں جس طرح دنیاوی علوم سیکھنے کے لئے استاد، شاگرد، اسکول اور وقت کی ضرورت ہے اسی طرح روحانی علوم سیکھنے کے بھی تقاضے ہیں۔ انسان جیسے جیسے اگلی کلاس میں جاتا ہے اسی مناسبت سے اس کی شعوری سکت بڑھتی رہتی ہے۔ تین سال کا بچہ ABCD پڑھنا نہیں جانتا۔ اے، بی، سی، ڈی پڑھنے سے بچہ کے شعور پر وزن پڑتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ یہی بچہ اپنی عمر کی مناسبت سے پڑھتے پڑھتے پی ایچ ڈی ہو جاتا ہے۔ اگر قاعدہ پڑھنے والے طالبعلم سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ پانچویں کلاس کا پرچہ حل کر لے گا تو یہ بات تجربے اور عقل کے خلاف ہے۔

انسانی ذات کے تین پرت:

انسانی زندگی تین دائروں میں تقسیم ہے۔ طبعیات، نفسیات، مابعد النفسیات، طبعیات اور نفسیات کا علم ہمیں مابعد النفسیات سے ملتا ہے۔ مابعد النفسیات میں تخلیق کائنات کے فارمولوں کا انکشاف ہوتا ہے۔

تصوف کے طلباء کو اس بات کا علم حاصل ہو جاتا ہے کہ کائناتی علوم اس کی دسترس میں کس حد تک ہیں۔ مابعد النفسیات یا پیراسائیکالوجی اس امر کا انکشاف کرتا ہے کہ دنیا میں کسی عمل کی تکمیل کا خیال آئے بغیر نہیں ہوتی۔ وہ عمل خوشی سے متعلق ہو یا غم سے متعلق ہو۔ تصوف ہمیں بتاتا ہے کہ انسان تین پرت کا مجموعہ ہے:

۱)صفات

۲)ذات

۳)ذات اور صفات کو متعارف کرانے والا فرد اس پرت کو مادی جسم یا آدمی کہا جاتا ہے۔

ہر پرت کے محسوسات الگ الگ ہیں۔ ذات کا پرت وہم اور خیال کو تصور بنا کر شعور میں منتقل کرتا ہے اور شعور تصورات کو خوشی یا غم میں ردوبدل کرتا ہے۔

لطیف انوار۔کثیف جذبات:

شعور میں دو قسم کے نقوش ہوتے ہیں۔ایک نقش میں لطیف انوار کا ذخیرہ ہوتاہےاور دوسری قسم کے نقش میں خود غرضی، تنگ نظری اور کثیف جذبات کا ذخیرہ رہتاہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو معین مقداروں سے تخلیق کیاہے۔ معین مقداریں احکام الٰہی کے تابع ہیں۔جب انسان اللہ کے احکام کی تعمیل کرتاہے توانسان خوش رہتاہے۔اور اگراللہ کے احکامات کے خلاف عمل کرتاہے تواس کی زندگی میں خوف اور غم شامل ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"میں نے آدم کو زمین پر اپنانائب اور خلیفہ مقرر کیاہے"

آدم کی نیابت وخلافت علم الاسماء سے مشروط ہے۔اگرانسان علم الاسماء کا علم نہیں جانتاتو نیابت اور خلافت زیر بحث نہیں آتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کہا کہ میں زمین پر اپنانائب بنانے والاہوں تو فرشتوں نے عرض کیاکہ آدم زمین میں فساد کرے گا۔اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء سکھا کر آدم کو حکم دیا کہ بیان کر جو ہم نے تجھے سکھایاہے۔آدم نے جب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم بیان کیاتو فرشتوں نے اعتراف کیاکہ ہم اتناہی جانتے ہیں جتنا علم آپ نے ہمیں سکھادیاہے۔

مفہوم واضح ہے کہ آدم کی فضیلت اس علم کی وجہ سے ہے جو علم فرشتے اور جنات نہیں جانتے۔یہ علم اللہ تعالیٰ نے آدم کی روح کو منتقل کیاہے۔۔۔اس علم کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی اس روح کو جانتا ہو۔ روح کو جاننے کے لئے (Matter)اور روشنی۔۔۔۔۔روشنی اور نور کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

جنات

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت آدم علیہ السلام سے کئی ہزار سال قبل پیدا کیا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

جنات زمین پر رہتے تھے اور فرشتے آسمان پر اور زمین و آسمان ان ہی سے آباد تھے اور ہر آسمان کے الگ فرشتے ہیں ہر آسمان والوں کی الگ الگ تسبیح ہے اور اوپر والے آسمان کے فرشتے نیچے والے آسمان والوں سے زیادہ ذکر و تسبیح کرتے ہیں۔

ابوالجن طارہ نوس:

"جس طرح آج انسان اپنی نسل کا شجرہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ملاتے ہیں بالکل یہی کیفیت قوم اجنّہ کی ہے ان کا سلسلہ توالد و تناسل ابوالجن طارہ نوس سے ملتا ہے اور جس طرح عورت و مرد انسانوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح قوم اجنہ میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔"

جنات کی دنیا:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف اپنے رسول مبعوث کئے، پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور شرک سے باز رہنے کی تعلیم دی اور آپس میں خون ریزی سے منع کیا۔ جنات نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور خون ریزی شروع کر دی تو عذاب الٰہی نے انہیں ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ کیا تو فرشتوں نے آدم کو جنات پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھی خون ریزی کرے گا"۔

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو صرف دو بالشت کا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا۔ میں اِزب ہوں، آپ نے پوچھا۔ اِزب کون؟ اس نے کہا۔ میں جن ہوں۔ آپؓ نے اس کے سر پر ڈنڈا مارا اور وہ بھاگ گیا۔

مشرک جنات:

بعض لوگوں نے مختلف صورتوں میں جنات دیکھنے کے واقعات بیان کئے ہیں۔ تبدیلی صورت کی نوعیت چاہے جو ہو مگر یہ ثابت ہے کہ ملائکہ اور جنات اپنی صورتیں تبدیل کر سکتے ہیں۔

حضرت بلالؓ ابن حارث فرماتے ہیں کہ:

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔۔۔۔۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کچھ دور تشریف لے گئے۔ میں نے شور سنا مجھے لگا کہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یہ کیسا شور ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم و مشرک جنات مکانات کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے۔ میں نے مسلم جنات کو بستیوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہنے کے لئے کہہ دیا اور مشرک جنات کو وادیوں اور جزیروں میں رہنے کے لئے حکم دیا ہے۔

جنات کی غذا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے جنات کی غذا کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنات گوشت کے بجائے ہڈی شوق سے کھاتے ہیں۔ ان کے لئے ہڈی گوشت کے قائم مقام ہے اور جانوروں کا فضلہ لید ھ اور مینگنی وغیرہ جنات کے جانوروں کا چارا ہے۔ ان کے لئے فضلہ سبز گھاس بن جاتی ہے۔

ایک مرتبہ جنات کا قاصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو قرآن سنایا۔ پھر انہوں نے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذبیحہ ہڈی تمہارے لئے پُر گوشت کر دی جائے گی۔

مسلمان جنات:

جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن سنا اور ایمان لائے اور کفر و شرک سے توبہ کی۔ جنات احکامات شرعیہ کے مکلف ہیں بہت سی آیات میں ان کے مکلف ہونے کا ذکر ہے۔

جنات کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض کہ جب وہ لوگ ان کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے گئے اور کہا! اے بھائیوں ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا وہ زمین پر خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتا اور خدا کے سوا کوئی اس کا حامی نہیں ہو گا ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں"۔

(سورۂ احقاف: آیت نمبر ۲۹ تا ۳۲)

جب یہ واقعہ پیش آیا تو منجانب اللہ آپ کو حکم ملا کہ اسے لوگوں کو سنادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر سنائی تاکہ لوگ جان سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس سب کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ تمام انسانوں اور تمام جنات پر فرض ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ واپس آرہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے باغ کے پاس قیام فرمایا۔ تہجد کی نفلوں میں قرآن پاک تلاوت کررہے تھے کہ جنات نے قرآن حکیم سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

درخت کی گواہی:

مکہ میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص جنات سے ملاقات کرنا چاہتا ہے وہ آج رات میرے پاس آجائے۔ ابن مسعودؓ کے سوا اور کوئی نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ساتھ لے کر مکہ کی ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصار کھینچ کر فرمایا کہ تم حصار سے باہر نہ آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کردیا۔ کچھ دیر بعد ایک جماعت نے آپ کو اس طرح گھیر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیچ میں چھپ گئے۔ جنات کے گروہ نے کہا کہ تمہارے پیغمبر ہونے کی کون گواہی دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ درخت گواہی دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت سے پوچھا۔ میں کون ہوں؟ درخت نے گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں۔ اللہ کے فرستادہ بندے اور آخری نبی ہیں۔ یہ دیکھ کر سارے جنات ایمان لے آئے۔

مفرد لہریں۔ مرکب لہریں:

ہر جسمانی وجود کے اوپر ایک اور جسم ہے۔ اس جسم کو صوفیاء ہیولی کہتے ہیں۔ روحانی آنکھ اس جسم کے طول و عرض اور جسم میں تمام خدوخال ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، دماغ کا بھی مشاہدہ کرتی ہے۔ بلکہ ان کے اندر روشنیوں کے ٹھوس پن کو بھی محسوس کرتی ہے۔

تخلیق کا قانون ہمیں بتاتا ہے کہ پہلے روشنیوں سے بنا ہوا جسم تخلیق ہوتا ہے۔ پھر مادی وجود کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔ لیکن دونوں میں ٹھوس پن موجود ہے۔ مفرد لہر ایسی حرکات کا مجموعہ ہے جو ایک سمت سے دوسری سمت میں جاری وساری ہے۔ ایک سمت سے دوسری سمت مفرد لہریں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں اور اس کے اوپر نقش و نگار بن جائیں تو اس کا نام جن اور جنات کی دنیا ہے۔ لیکن اگر مرکب لہریں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں اس طرح کہ پیوست بھی رہیں اور فاصلہ بھی ختم نہ ہو اور اس بساط پر نقش و نگار بن جائیں تو اس کا نام انسان اور انسان کی دنیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مفرد لہروں کے اوپر نقش و نگار یعنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پیر وغیرہ جنات کی دنیا ہے اور مرکب لہروں پر نقش و نگار یعنی ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضاء اگر نقش ہوں تو انسانوں کی دنیا ہے۔

شاگرد جنات:

دنیا میں جس طرح انسان کے علاوہ اور بے شمار مخلوقات ہیں۔اسی طرح جنات کی دنیا میں بھی زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے اور تمام مخلوقات موجود ہیں۔ فرق یہ ہے کہ انسان مرکب لہروں کی تخلیق ہے۔ جبکہ جنات مفرد لہروں سے بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح مرکب لہروں کی تخلیق میں پانچ حسیں کام کرتی ہیں۔اسی طرح مفرد لہروں کی مخلوق میں بھی پانچ حسیں کام کرتی ہیں۔ جنات بولتے بھی ہیں، جنات سنتے بھی ہیں، جنات کی دنیا میں کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے اور جنات کی دنیا میں سائنسی ایجادات بھی ہوتی رہتی ہیں۔جنات کی دنیا میں اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی موجود ہیں۔

دس لاکھ چھپن ہزار فٹ:

جنات کی دنیا ہماری زمین کے گلوب کی حدود میں ہے اور زمین سے تقریباً دس لاکھ چھپن ہزار فٹ اوپر خلاء میں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بہت بڑی زمین کے رقبے پر سو منزلہ عمارت پر چھت ڈال دی جائے اور چھت اس طرح بنائی جائے کہ اس کے اوپر کھیتی باڑی کی جائے۔ کوئی مکان تعمیر کر دیا جائے، پھول پھلواری لگا دی جائے اور وہاں مخلوق بھی آباد ہو۔ چھت پر موجود مخلوق کو نہ تو زمین سے انسان دیکھ سکے اور نہ ہی چھت پر سے جنات انسان کو دیکھ سکیں۔

جنات کی عمریں:

انسانی دنیا میں ماں کے بطن سے بچہ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے اور جنات کی دنیا میں ماں کے بطن سے بچہ انسانی اعداد و شمار کے مطابق نو سال میں پیدا ہوتا ہے۔اس ہی اندازہ کے مطابق جنات کی عمریں ہوتی ہیں۔

جنات اور انسان دونوں مکلف مخلوق ہیں۔ دونوں دنیاوی علوم کی طرح روحانی علوم سیکھ سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو مکلف مخلوق کا تذکرہ کیا ہے۔

''اے گروہ جنات اور گروہ انسان! تم زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے''۔

(سورۂ الرحمٰن۔آیت نمبر ۳۳)

سلطان کا مطلب روحانی صلاحیتیں ہیں۔ اگر کوئی انسان یا جن روحانی صلاحیت کو بیدار اور متحرک کر لے تو آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر غیب کی دنیا کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

سلطان:

جتنے بھی انبیاء تشریف لائے ان سب کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ انسان مادی وجود میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرے اور اللہ کا عرفان حاصل کرنے کے لئے غیب کی دنیا میں داخل ہونا ضروری ہے جو سلطان (روح) کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہ اس لئے ممکن ہے کہ روح ازل میں اللہ کی آواز سن چکی ہے۔ اللہ کو دیکھ چکی ہے اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اللہ کو دیکھ کر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کر چکی ہے۔

جن مسلمانوں کی تعداد:

جنات کی دنیا میں اربوں کی تعداد میں مسلمان جنات ہیں۔ جس طرح مسلمان نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اسی طرح جنات کی دنیا میں بھی مسلمان جنات خواتین و حضرات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے فرائض پورے کرتے ہیں۔

کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ جنات نظر کیوں نہیں آتے تو ہم یہ سوال کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ انسان کو وائرس کیوں نظر نہیں آتا؟ بیکٹیریا کیوں نظر نہیں آتا؟ لیکن اگر کوئی Sensitive Device بنالی جائے تو اس سے بیکٹیریا یا وائرس کا ادراک ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر انسان مفرد لہروں کا علم حاصل کر لے تو وہ جنات کو اور جنات کی دنیا کو دیکھ سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"کافر اور مشرک جنات جہنم کا ایندھن ہیں"

(سورۃ جن۔ آیت نمبر ۱۵)

"متقی لوگوں کے لئے جنت قریب کر دی گئی ہے"

(سورۂ جن آیت نمبر ۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ الرحمٰن صحابہؓ کے سامنے تلاوت فرمائی۔ صحابہ کرامؓ خاموش رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے اچھا جواب جنات نے دیا تھا جب یہ آیتیں تلاوت کی تھیں۔

"اے جن و انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو گے"

(سورہ الرحمٰن۔ آیت نمبر ۱۶)

تو وہ کہتے تھے کہ:

"اے رب تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں ہم تیری کسی نعمت کی ناشکری نہیں کرتے"

حوروں کے بارے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

"اوران لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے"

(سوۂ رحمٰن۔آیت نمبر ۵٦)

مخلوقات کے چار گروہ:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مخلوق چار ہیں ایک مخلوق پوری جنتی ہے اور ایک مخلوق پوری جہنمی ہے اور دو مخلوق جنتی و جہنمی ہیں۔پوری جنتی مخلوق ملائکہ ہیں اور پوری جہنمی مخلوق شیاطین ہیں اور جنتی و جہنمی مخلوق جن وانس ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عمرؓ کے شہید ہونے سے تین دن قبل جنات نے رورو کر یہ اشعار کہے تھے:

"اللہ تعالیٰ امام عادل کو برکت دے اور بھلائی کا بدلہ دے۔آپ نے کچھ امور طے کئے تھے جن کی کلیاں ابھی کھل نہیں پائی تھیں کہ ان پر مصیبتیں آپڑیں جو آدمی سوار ہو کر دیکھنا چاہے دیکھ لے ان کا ہر وعدہ پورا ملے گا۔ مجھ کو ان کے ایک خبیث اور بد صورت آدمی کے ہاتھوں سے قتل ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔اندیشہ یہ ہے کہ اب دنیا کے اندر تاریکی چھا جائے گی۔آپ اپنے رب سے جنت میں جاملے اور آپ کو ایسا لباس پہنا دیا گیا جو کبھی بوسیدہ نہ ہوگا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں جنات،انسان،چرند،پرند سب کے الگ الگ دستے تھے۔ہر جاندار شئے شجر و حجر آپ کے تابع تھے۔سمندروں کی تہہ سے موتی اور مونگا جنات نکالتے تھے،عظیم الشان عمارتیں بنانے پر جنات کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔

جنات تانبے کے بے مثال ظروف بناتے تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ اختیار حاصل تھا کہ ان سے جس طرح چاہیں کام لیتے تھے۔

ایک خوبصورت روحانی تمثیل:

ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ نے جنات کی دنیا سے متعلق حقائق وانکشاف پر ایک روئداد لکھی ہے:

"شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مدرسے میں جس طرح انسانوں کے لڑکے پڑھتے تھے اسی طرح جنات کے لڑکے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ شاہ صاحبؒ کے مدرسے میں تعلیم پانے والے جنات کے لڑکوں کو سخت ہدایت تھی کہ وہ ہرگز کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے انسانوں کے لڑکے خوفزدہ ہوں۔

ان میں زیادہ تعداد جنات کے ان لڑکوں کی تھی جو دہلی میں کالے پہاڑ کی تلہٹی میں آباد تھے۔ جہاں اس وقت برف کا کارخانہ ہے۔ یہ کالا پہاڑ اس سے تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔

اس طرف اس زمانے میں لوگوں کی آمدورفت یا تو تھی ہی نہیں یا بہت کم تھی۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر ادھر جانکلتا تو شرارت پسند جنات کی حرکتوں سے خائف ہو کر پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا بلکہ دوسروں کو بھی ادھر جانے سے روک دیتا تھا۔

مٹی اور آگ کی تخلیق:

اللہ تعالیٰ نے جنات کا قرآن حکیم میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے:

"میں نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے اور جنات کو آگ سے"

(سورۃ الرحمٰن: آیت نمبر ۱۴۔۱۵)

بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں جنات کی بستیاں آباد ہیں۔ جو زیادہ تر ویرانے میں ہوتے ہیں۔ ایسے ویرانوں سے گزرنے والے لوگوں نے متعدد بار ان کی مجالس دیکھی ہیں۔ دہلی کے ارد گرد بھی ایسی کئی بستیاں ہیں۔ انہی میں ایک بستی یہ بھی تھی جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہو گا رات کو حلوائیوں کی دکانیں دیر تک کھلی رہتی ہیں۔ دن بھر جتنی مٹھائیاں سجی ہوئی آپ دیکھتے ہیں وہ ساری کی ساری مٹھائیاں صرف انسان ہی نہیں کھاتے بلکہ رات کو آخری اوقات میں اکثر جنات ان مٹھائیوں کو خرید کر لے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جنات کی خوراک فاسفورس ایسڈ بھی ہے۔ جو زیادہ تر کوئلوں میں ملتا ہے اور جنات اسے کوئلے ہی سے حاصل کرتے ہیں۔

جنات کے بارہ طبقے:

جنات کے بارہ طبقے ہیں اور یہ وہ طبقے ہیں جو ہماری زمین پر آباد ہیں۔ ہر طبقے کے جنات الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ضرورت نہیں ہے کہ کسی جگہ ایک ہی طبقہ آباد ہو۔ کئی جگہیں ایسی ملتی ہیں جہاں جنات کے کئی طبقے آباد ہیں۔ ہر طبقے کی شکل وصورت میں فرق ہوتا ہے۔

بہر کیف بیان یہ کرنا تھا کہ کالے پہاڑ کی تلہٹی میں بھی کئی طبقوں کے جنات رہتے تھے۔ان کی عادات بھی مختلف ہیں اور شکل وصورت میں بھی نمایاں فرق ہے۔اب بھی وہ بستی وہاں موجود ہے جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے زمانے میں آباد تھی۔

چنانچہ اکثر جنات تحفے تحائف لے کر اس غرض سے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ آپؒ ان کے بچوں کو مدرسے میں داخل کر لیں۔ شاہ صاحبؒ کی چند شرطیں تھیں اگر جنات کو وہ شرطیں منظور ہوتیں تو شاہ صاحبؒ ان کے بچوں کو مدرسے میں داخل کر لیتے تھے اور اس طرح وہ بچے اسباق میں شریک ہو جاتے۔اسباق کے علاوہ ان بچوں کے سپرد دیگر خدمات بھی ہوتی تھیں کہ وضو کے لئے لوٹے بھریں، سقاوے میں پانی کا انتظام کریں اور باقاعدہ نماز باجماعت پڑھیں۔

انہونی بات:

ایک روز رات کے وقت شاہ صاحبؒ اپنے حجرے میں استراحت فرما رہے تھے۔چند لڑکے جن میں انسانوں کے ساتھ جنات کے لڑکے بھی تھے۔ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مصروف تھے۔ کوئی سر دبا رہا تھا، کوئی ہاتھ دبا رہا تھا، چند لڑکے پیر دبا رہے تھے کافی وقت ہو چکا تھا۔ یہ ذکر عشاء کی نماز کے بعد کا ہے۔

شاہ صاحبؒ کا حجرہ کافی بڑا تھا۔اور جہاں وہ لیٹے تھے چراغ اس جگہ سے کم از کم چھ گز کے فاصلے پر ایک کونے میں رکھا ہوا تھا۔ ایک جن لڑکے نے وہیں سے ہاتھ بڑھا کر چراغ گل کر دیا۔

انسانوں کے لڑکوں نے یہ انہونی بات دیکھی تو ڈر کے مارے چیخنے لگے کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی ہاتھ اتنا لمبا ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اٹھ کر انہیں تسلی دی اور اس جن لڑکے کو بہت ڈانٹا۔

اس روز لڑکوں پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ ہمارے ساتھ جنات کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے مکان کی پشت پر ایک سوداگر رہتا تھا۔ یہ لڑکا جس سے یہ حرکت سرزد ہوئی وہ اس سوداگر کی لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ لیکن اس نے اس بات کو اب تک چھپا رکھا تھا اور رات دن اسی ادھیڑ بُن میں مصروف رہتا تھا کہ کسی طرح استاد محترم کی تائید حاصل کرلے۔ ان کے ذریعے وہ لڑکی اور اس کے ماں باپ کو اپنے گھر پر مدعو کرنا چاہتا تھا تاکہ اس طرح آمد ورفت پیدا کرکے عرض مدعا پیش کرنے کی گنجائش نکل آئے۔ مگر وہ کسی طرح بھی شاہ صاحبؒ سے درخواست کرنے کا طریقہ تلاش نہیں کرسکا۔

بالآخر اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور وہ یہ کہ اس کے ماں باپ آئیں اور شاہ صاحبؒ اور اس سوداگر کے گھر کے تمام افراد کو شاہ صاحبؒ کی ہمسائیگی کے ناطے مدعو کریں۔

صرف اس بات کے لئے وہ ہفتوں سوچتا رہا۔ مہینوں غور کرتا رہا۔ اسی غور و فکر میں کئی سال گزر گئے لیکن وہ اپنے ماں باپ سے نہیں کہہ سکا۔

جب اتفاق سے لڑکوں پر یہ انکشاف ہوگیا کہ ہمارے ساتھ جنات بھی پڑھتے ہیں تو شاہ صاحبؒ نے ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اس سے پوچھا کہ تونے ایسا کیوں کیا تو جن لڑکے نے جرأت کرکے کہا۔

''یہ سب میں نے دانستہ کیا ہے تاکہ چند لڑکے اس امر سے واقف ہوجائیں نیز آج میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی دن میرے گھر ماحضر تناول فرمائیں۔ آپ میرے استاد ہیں میرا آپ پر حق ہے اس لئے میں نے یہ جسارت کی ہے''۔

اول تو شاہ صاحبؒ کو بہت غصہ آیا مگر وہ بہت نرم مزاج تھے اس لئے خاموش ہوگئے جن لڑکا دعوت پر بضد رہا۔

جن اور انسان میں عشق:

کافی عرصہ گزرنے کے بعد اس جن لڑکے نے اپنے ماں باپ سے کہا۔ ''میں ہر قیمت پر شاہ صاحبؒ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ چل کر انہیں مدعو کریں۔''

اس نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں رو رو کر یہ بھی کہا'' مجھے سوداگر کی لڑکی سے والہانہ محبت ہے میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لٰہذا آپ شاہ صاحبؒ سے درخواست کریں کہ وہ سوداگر کے گھر والوں کو بھی ساتھ لائیں''۔

لڑکے کی اس بات پر اس کے ماں باپ بہت برہم ہوئے اسے مار پیٹ کر تنبیہہ کی مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ اور اس نے کھانا پینا ترک کردیا۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ انتہائی نحیف اور لاغر ہوگیا اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ اس کے باوجود لڑکے کے ماں باپ کسی طور پر آمادہ نہیں ہوتے تھے کہ وہ سوداگر کے گھرانے کو بھی دعوت دیں۔ لڑکے کا دم آخر ہونے لگا تو ماں کے دل کا قرار ختم ہوگیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ باپ کے دل پر بھی چوٹ لگی اور اس نے اپنے لخت جگر سے کہا۔

"بیٹا! ہم سوچیں گے کہ کیا ترکیب ہو سکتی ہے اور ہم کس طرح شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اس نوعیت کی درخواست کریں۔ تو ضد چھوڑ دے کھانا پینا معمول کے مطابق شروع کر دے تاکہ ہم کچھ سوچنے کے لائق ہو سکیں۔ تجھے کیا خبر کہ ہم تیری وجہ سے کس قدر پریشان ہیں تو ہی تو ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔"

لڑکے نے جب یہ مژدہ سنا تو اس پر سے نزع کا عالم ٹل گیا اور اس نے ایک عالم سرخوشی میں باپ کو جواب دیا۔ "آپ کسی طرح کے تردد میں مبتلا نہ ہوں چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں اس قسم کی صورت حال پیدا کر دوں گا کہ آپ کو بات کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی"۔

اور پھر ایک دن اس لڑکے نے سوداگر کی لڑکی کے سامنے خود کو ظاہر کر دیا اور وہ بھی اس طرح کہ لڑکی کے علاوہ اسے اور کوئی نہ دیکھ سکے۔ لڑکی یکبار خوفزدہ ہو کر سہم گئی۔ اس نے چیخ کر گھر والوں کو آواز دی اور بتایا کہ دیکھو یہ کون ہے؟

گھر والوں نے کہا۔ ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا تجھے کیا نظر آتا ہے؟

لڑکی نے جواب دیا۔ ایک خوبصورت لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے اور مجھے اپنے پاس بلا رہا ہے۔"

سوداگر نے کہا۔ یہ تیرا وہم ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کس جگہ ہے؟ کہاں ہے؟ آخر ہمیں وہ کیوں نظر نہیں آتا؟

لڑکی نے بمشکل تمام اپنے ہوش و حواس کو بحال کر کے بتایا۔

"دیکھو یہ سامنے کمرے میں کھڑا ہے"۔

ماں نے بیٹی کی بلائیں لے کر ممتا بھرے دل سے کہا۔ شاید تو جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ کیا تو نے اس سے پہلے کوئی اس قسم کا خواب دیکھا ہے؟

سوداگر کی بیٹی نے روہانسی ہو کر ماں سے التجا کی۔ "تم میری بات کا یقین کر و ماں! یہ ہر گز خواب نہیں ہے۔ یہ لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے کیا تمہیں واقعتاً یہ لڑکا نظر نہیں آتا؟"

سوداگر پریشان لہجے میں بولا۔ "اگر ہمیں نظر آتا تو ہم تجھے کیوں جھٹلاتے؟"

لڑکی نے جھنجھلا کر کہا: "جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وہم میں مبتلا ہو جاؤں اور یہ سمجھوں کہ میرا وہم یہ صورت بنا کر میرے سامنے لے آیا جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ میں ہر گز آپ کی ان باتوں پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اور جو دیکھ رہی ہوں اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دیکھو! وہ لڑکا اب بھی میرے سامنے ہے۔"

سوداگر نے پہلے تو اس زمانے کے طبیب حاذق سے مشورہ کیا اور اپنی لڑکی کو حکیم حامد خان کے پاس لے گیا۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیوں کا معائنہ کیا پھر یہ دیکھا کہ اس کے بالوں میں کوئی ارتعاش تو نہیں ہے۔ ٹانگوں کو بغور دیکھا اور جو بھی وہ سمجھنا چاہتے تھے اسے جانچا لیکن کوئی نشان ایسا موجود نہیں تھا۔ جس سے اس لڑکی کا کسی طرح غیر متوازن ہونا، پاگل ہونا یا وہمی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

جب سب کچھ دیکھ چکے تو حکیم صاحب نے لڑکی سے سوالات شروع کئے۔ انہوں نے پوچھا۔ یہ کس دن کا واقعہ ہے؟

لڑکی نے بتایا۔ فلاں دن اور فلاں وقت یہ واقعہ پیش آیا۔

حکیم صاحب نے سوال کیا۔ اس دن تم کہاں تھیں؟

میں اپنے گھر میں تھی۔ لڑکی نے جواب دیا۔

حکیم صاحب نے پوچھا۔ اس دن کے بعد بھی اس جیسی صورتحال پیدا ہوئی؟

بارہا ایسا ہوا ہے جب میں اپنے کمرے میں ہوتی ہوں تو چانک وہ صورت نمودار ہو جاتی ہے۔ لڑکی نے بتایا۔

حکم صاحب نے مزید جرح کرتے ہوئے استفسار کیا:

تم نے کیا دیکھا ہے اور جو کچھ بھی دیکھتی ہو اس کی تفصیل پورے وثوق سے بیان کرو۔

واہمہ اور حقیقت:

جس طرح آپ سامنے بیٹھے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اس میں کسی واہمہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بالکل اتنے ہی یقین اور اعتماد کے ساتھ میں کہتی ہوں کہ مجھے ایک بہت خوبصورت لڑکا نظر آتا ہے۔ کبھی کسی لباس میں ہوتا ہے اور کبھی کسی اور لباس میں۔ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے کوئی رئیس زادہ معلوم ہوتا ہے۔

لڑکی نے بتایا۔

حکیم صاحب خدا کے لئے آپ میرے ساتھ چلئے۔ یہ سب کے سب مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ شاید آپ اسے دیکھ سکیں۔

نسبت نامہ شاہ عبدالعزیزؒ:

شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالعزیز کے دادا تھے۔ جو حسب و نسب میں فاروقی تھے۔

عصر کا وقت تھا۔ دہلی کی مسجد فتح پوری میں عصر کی جماعت کھڑی ہوگئی تھی۔ جیسے ہی امام نے نیت باندھی مسجد کے باہر ایک شور بلند ہوا۔ لوگ چیخ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ''اس شخص کو مارو''۔ بہت سے نمازیوں نے نیت توڑ دی اور یہ دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے کہ کیا ہو رہا ہے اور یہ لوگ کون ہیں۔

بہت سے لوگ لاٹھیاں گھما رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے پاس خنجر تھے۔ کچھ کے پاس تلواریں تھیں، کچھ لوگ نہتے بھی تھے اور سب نعرے لگا رہے تھے۔

''مار دو۔۔۔۔۔۔ قتل کر دو۔۔۔۔۔۔ ٹکڑے اڑا دو۔''

شاہ ولی اللہؒ جو ان لوگوں کا ہدف تھے۔ اطمینان سے نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے پوری نماز بلا خوف و خطر پڑھنے کے بعد چاروں طرف دیکھا۔

آپ کے معتقدین برابر یہ کہہ رہے تھے کہ:

''نکل چلئے، یہ لوگ دشمن ہیں۔ خدا نہ کرے کیا کر جائیں۔ آپ چھوٹے دروازے سے نکل جایئے''۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''کیا یہ لوگ خدا کے گھر کو مقتل بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارا وقت نہیں آیا ہے تو کوئی ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا اور اگر وقت آگیا ہے تو ہر شخص کو جانا ہے۔

''کل نفس ذائقۃ الموت''

شور بلند ہوا!

''پکڑ لو، جانے نہ پائے، بچ کر نہ جائے، اس نے ہمارے دین کو خراب کیا ہے، اس نے دین میں پیوند کاری کی ہے، اس کے ساتھی بھی سزا کے مستحق ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ کافر ہیں۔۔۔۔۔۔ مرتد ہیں۔۔۔۔۔۔ انہیں قتل کر دو۔۔۔۔۔۔ جہنم واصل کر دو۔''

نعروں کے اس شور میں کچھ لوگ آگے بڑھے اور مسجد کے صحن میں گھس آئے۔ ان کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ان سے پوچھا۔

''کیا تم ہمیں قتل کرنے کے لئے یہاں آئے ہو؟''

ان میں سے ایک شوریدہ سر نے کہا:

''ہاں! ہم آپ کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کو زندہ چھوڑا جائے۔''

شاہ صاحبؒ نے پوچھا۔ ’’ہمارا جرم کیا ہے؟‘‘

ایک شخص نے نہایت حقارت اور طنز سے بھرپور لہجے میں جواب دیا:

’’آپ کو اپنا جرم معلوم نہیں ہے؟ کیا واقعی آپ اپنے جرم سے لاعلم ہیں، او کافر! اب میں تجھے آپ کی بجائے تو سے مخاطب کروں گا، کیا تو نے کلام پاک کا فارسی میں ترجمہ نہیں کیا، کیا یہ کتاب اللہ کی توہین نہیں ہے، تو نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، تیری سزا پھانسی یا قتل ہے، ہم تیری گردن اڑا دیں گے۔‘‘

اس جواب پر شاہ صاحبؒ کو غصہ آ گیا۔

ان کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی۔ انہوں نے چھڑی اٹھائی اور ’’اللہ ہو‘‘ کا نعرہ مستانہ بلند کیا۔ کیا اثر تھا اس نعرے میں، شاہ صاحبؒ اور ان کے ساتھی بھی یکے بعد دیگرے مسجد سے نکل گئے۔ مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔

اب شاہ صاحبؒ کھاری باؤلی تک پہنچ گئے تھے کسی نے زور سے پکارا۔

’’یہ بہروپیا بھاگنے نہ پائے۔‘‘

لیکن یہ نعرہ بے اثر ثابت ہوا۔ لوگ بت بنے کھڑے تھے جیسے پتھر کے مجسمے ہوں۔

شاہ صاحب گھر پہنچے تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنے لڑکپن کی بناء پر شاہ ولی اللہؒ سے لپٹ گئے اور رونے لگے کیونکہ اس ’’ہاؤ ہو‘‘ کی اطلاع پوری دلی میں پھیل چکی تھی اور گھر والوں کو بھی اس کی خبر مل گئی تھی۔

شاہ ولی اللہؒ نے کہا۔ ’’بیٹے! تجھے معلوم نہیں کہ یہ دنیا والے میرے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کیا اذیتیں دے چکے ہیں۔ بیٹے! آنسو پونچھ لو۔ ہم عنقریب جانے والے ہیں، ہماری میراث علم ہے، تم اسے سنبھال لو۔‘‘

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے جو اس وقت لڑکپن کے دور سے گزر رہے تھے، اپنی گردن جھکا لی اور عرض کیا۔

’’جو اللہ کی مشیئت، اگر اللہ ہم سے یہ خدمت لینا چاہتا ہے تو ہم اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی عملی اور علمی خدمات میں خرچ کر دیں گے۔‘‘

سن ۱۱۷۷ ہجری میں شاہ ولی اللہؒ نے وصال فرمایا۔ وصال کے وقت شاہ عبدالعزیزؒ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔

واضح رہے کہ برصغیر میں محدثین کا جو سلسلہ ہے وہ یا تو شاہ عبدالعزیزؒ سے براہ راست پہنچا ہے یا ان کے کسی بزرگ کے واسطے سے۔ شاہ ولی اللہؒ کے والد شاہ عبدالرحیم بھی فتاویٰ عالمگیری لکھنے میں شریک تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ سن ۱۱۵۹ہجری میں پیدا ہوئے ان کا تاریخی نام غلام علیم تھا۔ اس نام کے اعداد ۱۱۵۹ بنتے ہیں۔ تیس پشتوں کے بعد ان کا نسب نامہ حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔ان کے دادا شاہ عبدالرحیمؒ نے دہلی میں ''مدرسہ رحیمیہ'' قائم کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیمؒ عالمگیر کے دور میں جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کو شاہ ولی اللہؒ کے پیدا ہونے کی بشارت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دی تھی۔

شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر زیارت کے لئے گیا۔ میں ایک اونچی جگہ کھڑا تھا۔ دفعتاً نظر اٹھی اور دیکھا خواجہ قطب الدینؒ کی روح ظاہر ہوئی اور فرمایا، ''تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔اس کا نام میرے نام پر رکھنا یعنی قطب الدین''۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا یہ ارشاد سن کر میں حیران رہ گیا اور سوچا میری بیوی تو اس عمر کو پہنچ چکی ہے جہاں اولاد نہیں ہوتی۔

کچھ عرصے بعد میرے دل میں دوسرے نکاح کی خواہش پیدا ہوئی اور اس بیوی سے جو لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام ولی اللہ رکھ دیا۔۔۔۔۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ارشاد میرے ذہن میں نہیں رہا اور میں بالکل بھول گیا لیکن چند سال بعد جب مجھے یہ واقعہ یاد آیا تو میں نے ولی اللہ کا نام قطب الدین احمد رکھ دیا۔''

المختصر شاہ ولی اللہؒ کی پیدائش اس پس منظر میں واقع ہوئی۔ شاہ ولی اللہؒ چھوٹی سی عمر میں نہایت ذہین الطبع تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا جدید ذہن عطا کیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ نے ''حجتہ اللہ البالغہ'' اور دوسری کتابیں لکھیں۔

جب جوانی کو پہنچے تو ان کے اندر ایک خاص طرز فکر اور مخصوص فراست موجود تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بڑھتی گئی۔ اگر شاہ ولی اللہؒ کی تمام زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ''الف سے ے'' تک ایک سیاسی اور روحانی نظام سامنے آجائے گا۔ یہ ان کی زندگی کے بارے میں ایک مختصر پس منظر تھا۔

ان کی سب سے بڑی اولاد شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے ایسے کمالات ظاہر ہوئے جو شاہ ولی اللہؒ سے رہ گئے تھے۔ مثلاً ان کا جنوں کے لڑکوں کو تعلیم دینا۔ ایسے انکشافات جو صاحبان خدمت سے متعلق انہوں نے کئے۔ بہر کیف یہاں ان کا جنات سے جو تعلق تھا اس کو بیان کرنا مقصود ہے۔

حکیم صاحب، لڑکی کے کہنے کے مطابق سوداگر کے گھر گئے اور اس کمرے میں کافی دیر تک بیٹھے رہے اور اس لڑکی سے پوچھتے رہے۔

لڑکی اشاروں سے بتاتی رہی کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ اب وہ میرے قریب آ رہا ہے۔ اب وہ دیوار سے لگا ہوا میری طرف دیکھ رہا ہے۔

تعویذ گنڈے سے علاج:

لیکن حکیم صاحب کو کچھ نظر نہیں آیا۔ آخر حکیم صاحب نے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی کو دورہ اسی کمرے میں پڑتا ہے کسی اور کمرے میں نہیں۔ اس بیماری کی ابتداء اسی کمرے سے ہوئی ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہوا میں اس کا علاج کروں گا۔ انہوں نے تبریدیں پلائیں اور اس کے بعد مُسہل دیئے۔ بار بار ایسا کیا لیکن لڑکی کے دماغ سے وہ بات نہ نکلنی تھی اور نہ نکلی۔ پریشان ہو کر حکیم صاحب نے ایسا قیمتی نسخہ لکھا جو دماغ کو تقویت پہنچائے۔ اس کو بھی پوری طرح استعمال کرنے کے بعد حالت وہی رہی۔ دورہ کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کا علاج ممکن ہے کوئی تعویذ گنڈے والا کر دے۔ میں تو عاجز آ گیا ہوں۔ اب میرے پاس اس کے لئے کوئی دوا نہیں ہے۔

محلہ کے چند آدمیوں نے سوداگر کو مشورہ دیا کہ تم شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس جاؤ۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ پڑوس میں ہی رہتے تھے۔

شاہ صاحبؒ نے یہ تو مناسب نہیں سمجھا کہ وہ لڑکی مدرسہ میں آئے البتہ وہ وقت نکال کر سوداگر کے یہاں تشریف لے گئے۔ لڑکی کو دیکھا۔ اس سے باتیں کیں اور اس کا نام پوچھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جب شاہ عبدالعزیزؒ اس کے گھر اور اس کمرے میں تھے لڑکی بالکل ٹھیک اور ہوش و حواس میں رہی۔ اس نے لڑکے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ اس نے کہا۔

"ایسا کسی کسی وقت ہوتا ہے لیکن اس وقت وہ لڑکا میرے سامنے نہیں ہے۔"

شاہ صاحبؒ نے اس کے باپ سے فرمایا کہ تمہاری لڑکی بالکل بھلی چنگی ہے۔ بتاؤ اب میں کیا کروں۔ اس کو اپنے کمرے میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اپنی لڑکی سے کہو کہ وہ اس لڑکے کو آواز دے تا کہ وہ لڑکا سامنے آئے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔

لڑکی نے جن لڑکے کو آوازیں دیں۔ اس کا نام لے کر بھی پکارا لیکن کوئی واقعہ ظہور نہیں ہوا۔

شاہ صاحبؒ واپس آ گئے وہ برابر سوچتے رہے کہ کیا ترکیب کی جائے۔ اگر کوئی جن اس لڑکی پر آتا ہے تو کس طرح معلوم کیا جائے۔ وہ اپنی جگہ بیٹھ کر اس معاملے کو گہرائی تک سوچتے رہے اور برابر غور و فکر کرتے رہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس کے بعد لڑکی غائب ہونا شروع ہوگئی۔ وہ کئی کئی دن تک غائب رہتی اور پھر یا تو چھت پر سے اترتی نظر آتی یا لوگ دیکھتے کہ کسی کمرے میں سے باہر آرہی ہے۔

اب لوگوں نے لڑکی سے پوچھا۔ بار بار غائب ہونے کا مطلب کیا ہے؟ تو اتنے دن کہاں غائب رہتی ہے؟

اس لڑکی نے صاف صاف بتادیا کہ مجھے جنات لے جاتے ہیں اور وہاں میری بہت تواضع کرتے ہیں مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

اکثر میں دیکھتی ہوں کہ جب میرا دل گھبراتا ہے تو وہ مجھے یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں وہاں خود کو ایک باغ میں دیکھتی ہوں۔ یہ باغ بہت دلفریب اور خوبصورت ہے۔ اس باغ میں جگہ جگہ گلاب کے تختے اور بے شمار رنگ برنگے پھول ہیں۔ باغ کے درمیان میں ایک حوض ہے اور حوض کے کنارے سنگ مرمر کا ایک خوبصورت محل ہے۔ میری خدمت کے لئے وہاں کئی کئی عورتیں ہیں۔ جب میں آجاتی ہوں اس وقت ہی میرے پاس سے ہٹتی ہیں اور جس وقت میں وہاں نیند سے بیدار ہوتی ہوں ایک عورت پانی کا آفتابہ اور سلفچی میرے سامنے لاتی ہے اور مجھے وضو کراتی ہے۔ وضو کے بعد میں نماز ادا کرتی ہوں۔ تھوڑی دیر میں ناشتے کا وقت ہو جاتا ہے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر کئی لڑکیاں جو میری ہم عمر ہیں، قریب گھروں سے میرے پاس آجاتی ہیں۔ اگرچہ میں زیادہ تر خاموش رہتی ہوں لیکن ان لڑکیوں کی معیت میں میرا دل نہیں گھبراتا اور نہ مجھے تنہائی محسوس ہوتی ہے۔ بعض اوقات میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ یہ لڑکیاں جنات میں سے ہیں اور میں انسان ہوں پھر بھی کوئی غیریت میرے دل میں نہیں آتی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب ایک ہی نسل اور ایک ہی قوم ہیں۔ ہماری گفتگو بھی اسی طرح ہوتی ہے۔

خوش اخلاق جنات:

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میں نے اس لڑکے کو آج تک وہاں نہیں دیکھا۔ جو جنات مجھے وہاں لے جاتے ہیں وہ اور ہوتے ہیں اور جو وہاں سے مجھے لاتے ہیں وہ اور ہوتے ہیں۔ میں ان میں سے چند جنات کو پہچانتی ہوں۔

لیکن وہ سب کے سب خوش اخلاق ہیں۔ نہایت عزت کے ساتھ مجھے واپس پہنچا دیتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کسی چیز کی فرمائش کی ہو اور وہ پوری نہ ہوئی ہو۔

شاہ صاحبؒ نے جب انہی دنوں اس جن لڑکے کو اپنے مدرسے میں نہ دیکھا اور چراغ گل کرنے کا واقعہ ان کے ذہن میں آیا اور اس جن لڑکے کا یہ کہنا کہ یہ کام میں نے دانستہ کیا ہے اور اس کا مدرسہ چھوڑ دینا، یہ سب چیزیں شاہ صاحبؒ کے ذہن میں ٹکراتی تھیں لیکن ان تمام حالات میں کوئی چیز ایک دوسرے سے وابستہ نظر نہیں آتی تھی اور آپ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتے تھے۔

لڑکی کے غائب ہونے کی خبریں برابر شاہ صاحبؒ کے پاس آتی رہیں۔ شاہ صاحبؒ اُس کے سدباب کے لئے غور وفکر کرتے رہے۔ سوچتے سوچتے ان کے ذہن میں ایک ایسا جن آیا جو باغ کی دیوار کے نیچے کتا بن کے پڑا رہتا تھا مگر یہ کتا خارش زدہ تھا۔ اس کتے کے بارے میں شاہ صاحبؒ کو بالتحقیق بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ لیکن ان باتوں میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جس کی بناء پر وہ اس کتے سے شناسائی پیدا کریں۔ ایک عرصے تک وہ سوچتے رہے آخر شاہ صاحبؒ نے سوداگر کو بلوایا اور اس سے استفسار کیا کہ اس کے پاس کچھ قابل اعتماد آدمی ہیں یا نہیں۔

سوداگر نے جواب دیا ایک تو میرا بہت پرانا ملازم ہے اس کے علاوہ ایک میرا اہم عمر دوست ہے۔ یہ دونوں میرے لئے معتبر ہیں اگر ان کو کوئی راز بتادیا جائے تو اس کو وہ اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھیں گے۔

شاہ صاحبؒ نے فرمایا میں یہی چاہتا ہوں اب تم ان دونوں میں سے ایک کو میرے پاس لے آؤ۔

ساتھ ہی یہ فرمایا کہ دو روٹیاں خالص ماش کی دال پیس کر انہیں ایک طرف سے پکایا جائے اور کچی سمت میں گھی چپڑ دیا جائے۔

شاہ صاحبؒ نے ایک پرچہ لکھ دیا جس کی کئی تہیں کیں اور پرچے میں اتنی بڑی ڈوری باندھی جو کتے کی گردن میں آسکے۔

سوداگر جب روٹیاں اور اپنے وفادار ملازم کو لے کر حاضر خدمت ہوا تو شاہ صاحبؒ نے روٹیاں دیکھیں اور وہ پرچہ ان کو دے کر فرمایا۔

باغ کی دیوار کے پاس ایک خارش زدہ کتا پڑا ہوا ہے۔ تم سیدھے اس کے پاس جاؤ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کتا تمہیں دیکھتے ہی بھونکے گا اور کاٹنے کے لئے دوڑے گا۔ اسی لمحے ایک روٹی اس کے آگے ڈال دینا اور کمال ہوشیاری سے جب وہ روٹی کھانے میں مصروف ہو یہ پرچہ اس کی گردن میں باندھ دینا اور جب وہ یہ روٹی کھا چکے تو دوسری روٹی بھی اس کے آگے ڈال دینا جب وہ کتا باغ کی دیوار سے چلے تو اس کے پیچھے ہو لینا وہ جس طرح جائے چلتے رہنا جہاں کہیں وہ ٹھہر جائے تم بھی ٹھہر جانا اور پھر اتنا انتظار کرنا کہ وہ وہاں سے چل پڑے پھر اس کے ساتھ چلتے رہنا اور وہ راستے میں بھی غرائے گا لیکن تم اس کا خیال نہ کرنا۔ آخر چلتے چلتے وہ کتا کالے پہاڑ کے پیچھے میدان میں ایک مقام پر بیٹھ جائے گا۔ وہاں تم دونوں بھی رک جانا اور اس بات کا انتظار کرنا کہ اس پرچے کا کیا جواب ملتا ہے۔

کیونکہ اس کتے کے بیٹھتے ہی پرچہ اس کے گلے سے غائب ہو جائے گا اور اب یہ تمہاری ہمت ہے اور اس ہمت کی لازمی طور سے ضرورت بھی ہے۔ کوئی زلزلہ آئے، کسی قسم کا طوفان آئے، ہواؤں کے جھکڑ اور آندھیاں چلیں تم اپنی جگہ جمے رہنا۔ خوفزدہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

شاہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق سوداگر اور اس کے ملازم نے خارش زدہ کتے کو روٹیاں کھلائیں اور وہ پرچہ اس کے گلے میں باندھ دیا۔

وہ کتا وہاں سے چل پڑا اور الٹے سیدھے راستوں سے گزرتا رہا اور یہ دونوں بھی نہایت ہوشیاری اور ہمت کے ساتھ اس کا پیچھا کرتے رہے۔ بالآخر کالے پہاڑ کے پیچھے والے میدان میں جا کر وہ کتا بیٹھ گیا اور چشم زدن میں شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا وہ پرچہ اس کے گلے سے غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک سوداگر اور اس کا ملازم سکون سے بیٹھے رہے اور کتا بھی ساکت و جامد رہا۔ لیکن ابھی انہیں بیٹھے ہوئے چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ آسمان و زمین زلزلے کی طرح لرزتے ہوئے محسوس ہوئے اور خوفناک آوازیں آنے لگیں۔

دونوں پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔ ابھی وہ ان خوفناک آوازوں کی سمت متعین نہ کر پائے تھے کہ آندھی کے ساتھ ایک بگولہ اٹھا جو گردو پیش کو لپیٹ میں لے کر تمام ماحول کو تاریک کر گیا۔

یہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ لیکن تاریکی ایسی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے کتے کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔

تھوڑی دیر بعد آندھی اور زلزلہ اور طوفان ختم ہو گیا اور چاروں طرف کی فضا صاف ہو گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نہ وہ پہاڑ ہے نہ وہ میدان ہے بلکہ اب انہیں ایک خوبصورت شہر دکھائی دیا۔ جو بہت بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔

بڑے بڑے مکانات تھے، کشادہ سڑکیں تھیں اور عام طور سے جیسے بڑے شہروں میں محلے ہوتے ہیں بالکل اسی طرح یہ شہر بھی محلوں میں تقسیم تھا۔

کچہریاں بھی تھیں، جہاں مقدمے پیش کئے جا رہے تھے اور عدالت ان کے فیصلے سنا رہی تھی۔ ان دونوں کو ایک آدمی تلاش کرتا ہوا آیا اور ان سے کہا:

"تمہارے مقدمے کی پیشی ہے۔ چلو عدالت میں فیصلہ ہو گا۔"

پہلے تو یہ ڈرے پھر انہیں شاہ صاحبؒ کا قول یاد آ گیا۔ انہوں نے سوچا اب جو کچھ بھی ہو مقدمے میں تو پیش ہونا ہی ہے۔ پھر انہوں نے شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا پرچہ اس آدمی کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو انہیں کچھ اطمینان ہوا۔ یہ دونوں اس شخص کے ساتھ ہو لئے۔

عدالت نے پرچہ پڑھ کر حکم جاری کیا کہ اس جن کو پیش کیا جائے جس کے خلاف یہ شکایتی پرچہ شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔

انسپکٹر نے پرچہ الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا:

’’حضور ہمیں اس شخص کو تلاش کرناپڑے گااس لئے ہمیں مہلت دی جائے‘‘۔

عدالت نے کہا:

’’شاہ صاحبؒ تواس مقدمے کا فیصلہ فوراً چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ جس جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے اسے ان کے سامنے پیش کیاجائے۔‘‘

پیشکار نے جواب دیا:

جنات کی سی آئی ڈی:

’’ہمارے یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے کہ کسی جن کو پکڑ کر انسانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ جنات کا معاملہ تو ہم ہی طے کر سکتے ہیں۔ اول تو اس جن کو تلاش کرنے کے لئے ہمیں مہلت ملنی چاہئے اس کے لئے کم سے کم ایک ماہ درکار ہے۔ ظاہر ہے کہ جس جن نے یہ حرکت کی ہے وہ خود کو ضرور چھپائے گا، ظاہر نہیں کرے گا اور جنوں کی سی آئی ڈی کے تعاون کے بغیر اس کا پتہ چلانا ممکن ہی نہیں ہے لہٰذا عدالت سے درخواست ہے کہ سی آئی ڈی افسر مجاز سے دریافت کیا جائے کہ اس جن کو تلاش کرنے کے لئے کتنی مہلت درکار ہے۔ یہ ایک ماہ تو میں نے اپنی طرف سے فرض کر لیا ہے۔ ہم شاہ صاحبؒ سے براہ راست گفت وشنید نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسے انسان ہیں جو ہمارے لئے واجب التعظیم اور قابل احترام ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ معزز عدالت اس جن کے ذریعے جو خارش زدہ کتے کے روپ میں باغ کی دیوار کے نیچے پڑا رہتا ہے اور جس نے شاہ صاحبؒ کے قاصد کے فرائض انجام دیئے ہیں مناسب جواب لکھ بھیجے۔

تاکہ شاہ صاحبؒ کسی حد تک مطمئن ہو جائیں کہ ان کا مقدمہ عدالت میں پہنچ چکا ہے اور زیر تفتیش ہے۔ ضابطہ کی کارروائی اور جن کی تلاش اور بازیابی میں کچھ عرصہ لگے گا تاکہ وہ بددل نہ ہوں اور ناراضگی کا اظہار نہ فرمائیں۔ ہم شاہ صاحبؒ کو ایک ایسی پارٹی مانتے ہیں جنہیں خفا کرنا نہیں چاہتے۔ پرچے میں اتنے حالات ضرور ہونے چاہئیں جس سے شاہ صاحبؒ کم وبیش پوری روئیداد اور ہماری مجبوریوں کو کماحقہ جان جائیں اور انہیں اس بات کی امید ہو جائے کہ اس معاملہ کا جلد یا بدیر کسی نہ کسی طرح فیصلہ ہو جائے گا۔

اور انہیں شدید انتظار نہیں کرناپڑے گا۔

چنانچہ پیش کار نے عدالت کی طرف سے ایک رقعہ لکھا۔

اس رقعے میں مختصر طریقے پر ہر بات لکھی گئی اور اس کو اسی طرح لپیٹ کر جس طرح شاہ صاحبؒ نے لپیٹا تھا اس جن کو دے دیا گیا جو اس رقعے کو لایا تھا۔

پھر شاہ صاحبؒ کے اس پرچے کی کئی نقلیں تیار کی گئیں۔ جو جنوں کی سی آئی ڈی کو دے دی گئیں۔ اور یہ تاکید کر دی گئی کہ جلد از جلد اس جن کا پتہ چلائیں جس نے یہ حرکت کی ہے۔

جنات کا سول کورٹ:

چند دن کے بعد سوداگر اور اس ملازم کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور عدالت کے پیش کار نے شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا پرچہ پڑھ کر سنایا۔ اس میں یہ تحریر تھا:

''میرا ہمسایہ یہ سوداگر اور اس کا ایک ساتھی جنہیں آپ کی خدمت میں پیش ہونا ہے ان دونوں سے آپ مفصل روئیداد سن سکتے ہیں۔

جو اس مقدمہ کے سلسلے میں ضروری ہے۔ اول تو یہ ہے کہ انسانوں میں یا جنات میں آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا اس کے باوجود سوداگر کی لڑکی کو اغواء کیا گیا ہے۔ وہ لڑکی پہلے تو کبھی کبھی اپنے باپ کے گھر واپس آ جاتی تھی اور اس نے کسی قسم کی اذیت کی کوئی شکایت نہیں کی لیکن اب وہ آنا جانا بھی ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا میں اس کے باپ کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تاکہ آپ کو تفصیلات کا علم ہو جائے۔ جتنی تفصیلات میں جانتا ہوں میں نے آپ کو پیش کر دی ہیں۔ دوسری ایک بات اور زیر غور ہے اور میرے نزدیک اس کا سامنے رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جس دن سے لڑکی غائب ہوئی یا غائب ہونے کا سلسلہ شروع ہوا ہے میرا ایک جن شاگرد بھی لاپتہ ہے۔ وہ بھی مدرسے نہیں آیا کہ میں اس سے ہی کچھ معلوم کر سکتا۔ بظاہر ان دونوں کڑیوں کا تعلق ایک دوسرے سے یقینی ہے۔ میری درخواست ہے کہ اُس جن کا پتہ چلائیں جو مدرسے میں پڑھتا تھا اور پڑھتے پڑھتے یکایک غائب ہو گیا۔ ممکن ہے میرا خیال صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ بالکل صحیح نہ ہو بلکہ تقریباً صحیح ہو یہ غائب ہونے والے جن نے خود کیا ہے یا دوسرے جنات کو اس جرم میں شامل کر کے یہ واردات کی ہو۔''

خط پڑھا جا چکا تو عدالت سوداگر اور اس کے ساتھی سے مخاطب ہوئی اور ان سے سوال کیا:

''یہ بیان تو شاہ صاحبؒ کا تھا جو آپ صاحبان کو پڑھ کر سنایا گیا۔ اب آپ حضرات اپنا اپنا بیان قلمبند کرائیں۔''

اس پر سوداگر نے کہا۔ ''میری لڑکی پردہ دار ہے۔ بے پردہ کسی کے سامنے نہیں آتی۔ نہ ہی اسے شہر سے باہر جانے کا کبھی اتفاق ہوا۔ بازاروں میں پھرنا بھی اس کی عادت نہیں ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ جاتی ہے اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ بازار تک۔ ایک تو اس بناء پر کسی انسان پر اغواء کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے گھر میں صرف وہ اعزاء آتے ہیں جن سے کوئی پردہ نہیں ہے اور ان کے سامنے لڑکی چھوٹی سے جوان ہوئی ہے وہ سب کے سب لڑکی سے محبت کرتے ہیں اور لڑکی کے غائب ہو جانے سے بہت پریشان ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ لڑکی کی دو ایک سہیلیاں اور ہمارے چند ایک رشتہ دار اس کو پوچھنے

نہ آتے ہوں۔اور انہیں اس کے متعلق تشویش نہ ہو۔جب ہم یہ معاملہ شاہ صاحبؒ کے سامنے لے گئے تو انہوں نے بہت دیر تک آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا لیکن اس قسم کا کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا کہ لڑکی کو اغواء کرنے والے انسان ہیں۔ہم لوگ شاہ صاحبؒ کو اپنا رہنما اور بزرگ کامل سمجھتے ہیں اس لئے ہمیں اس بات کا کلی یقین ہے کہ یہ کام بجز اجنہ کسی اور نے نہیں کیا۔"

یہ کہہ کر سوداگر خاموش ہو گیا۔اور پیشکار نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے دی۔

فرشتے

فرشتوں کی کئی قسمیں ہیں:

ملائکہ نورانی، ملاءاعلیٰ، ملائکہ سماوی، ملائکہ عنصری، ملاءرضوان، زمانیا، فرشتے کراماً کاتبین۔

شخص اکبر:

کائنات میں ممتاز مخلوق فرشتے اور جنات ہیں اور ان سب میں ممتاز مخلوق انسان ہے۔ فرشتے کی تخلیق نور سے جنات کی تخلیق نار سے اور انسان کی تخلیق مٹی، خلاء اور گیس سے ہوئی ہے۔ کائنات کی مرکزی قوت جہاں سے EVENTS ظاہر ہوتے ہیں اور جہاں ہر چیز لوٹ کر جاتی ہے وہ تجلیٔ اعظم کا دوسرا درجہ ہے جو عرش پر قائم ہے۔ تمام مخلوقات پر عرش محیط ہے یعنی عرش کا کوئی حصہ اور کوئی چیز تجلی سے باہر نہیں ہے۔ اس ممتاز جگہ سے زمین کی طرف نور کی لہریں نزول کر رہی ہیں۔ عرش کے نیچے پوری انسانیت کا ایک ہیولہ ہے جس کو شخص اکبر یا انسان اکبر کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح صوفیاء کی قائم کردہ ہے۔ نوع انسانی کا شخص اکبر کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ وہ شخص اکبر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔۔۔۔۔۔ نوع انسانی کی تمام زندگی شخص اکبر سے متحرک ہے۔

حیوانات کی ہر نوع کا ایک شخص اکبر بھی وہاں موجود ہے اور ہر نوع کے ہر فرد کا اپنے اپنے شخص اکبر سے تعلق ہے۔ یہ تعلق فرشتوں کے Inspiration کے ذریعے قائم ہے۔ جس طرح زمین کا ہر ذرہ کشش ثقل میں بندھا ہوا ہے۔

رضوان۔ جنت کے منتظمین فرشتے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ فرشتے جو عرش کو تھامے ہوئے ہیں اور وہ فرشتے جو اس کے ارد گرد ہیں وہ سب اللہ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور اللہ کا حکم ماننے کے لئے اپنے آپ کو ہر دم تیار رکھتے ہیں اور ایمان والے لوگوں کیلئے دعا مانگتے ہیں۔

"اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر ایک چیز پر حاوی ہے ان لوگوں کو جو تیری طرف متوجہ ہوئے اور تیرے راستے پر چلے، ان کی غلطیاں بخش دے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ کر دے۔ اے ہمارے پروردگار انہیں ان باغوں میں داخل کر جن میں وہ ہمیشہ رہیں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان کے ساتھ ان کے باپ دادا کو، بیویوں کو اور بچوں کو بھی ہمیشگی

کے باغوں میں داخل کر تو بہت عزت دینے والا اور دانائی بخشنے والا ہے۔ کم از کم یہ کہ انہیں تکلیف سے بچا۔ واقعی اس روز جو تکلیف سے بچ گیا اس پر تیری بڑی رحمت ہے اور پوری کامیابی ہے۔"

(سورۂ مومن: آیت نمبر ۷ تا ۹)

حکم حاکم اعلیٰ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم دیتے ہیں تو فرشتے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں پروں کے پھڑ پھڑانے سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے پتھر پہ زنجیر کھینچنے سے ہوتی ہے پھر نیچے کے فرشتے اوپر والے بڑے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے کیا حکم ملا ہے، اوپر والے فرشتے کہتے ہیں جو حکم بھی دیا گیا ہے وہ سچ ہے اللہ تعالیٰ بہت بلند اور بڑا ہے اور اس کے بعد وہ تفصیل بتا دیتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دیتے ہیں تو وہ فرشتے جو عرش کو تھامے ہوئے ہیں سبحان اللہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین کے قریب آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے اس کے بعد حاملین عرش کے قریب رہنے والے فرشتے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے تو وہ انہیں اللہ کے حکم سے آگاہ کر دیتے ہیں اس طرح نیچے کے آسمان والے اوپر کے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ حکم پہنچ جاتا ہے۔

اللہ کا ہاتھ رسول اللہ کی پشت پر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک روز کچھ رات گزری تھی کہ میں اٹھا وضو کیا اور جس قدر مجھے وقت میسر آیا میں نے صلوٰۃ قائم کی۔ صلوٰۃ میں ہی مجھے اونگھ آ گئی میں نے دیکھا میرا پروردگار نہایت اچھی شکل میں میرے سامنے ہے مجھ سے فرمایا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے عرض کیا اے پروردگار میں حاضر ہوں۔

پوچھا ملاء اعلیٰ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا! میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی اور میں نے تینوں دفعہ یہی جواب دیا۔ پھر میں نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی یہاں تک کہ انگلیوں کی ٹھنڈک میرے سینے میں محسوس ہوئی، اب مجھ پر سب چیزیں روشن ہو گئیں۔ اور میں سب کچھ سمجھ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکارا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے عرض کیا۔لبیک، میں حاضر ہوں۔اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ ملاء اعلیٰ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا! کفارات پر بحث ہو رہی ہے۔

پوچھا! کفارات کیا چیز ہیں؟

میں نے عرض کیا! جماعت کی طرف پیدل چل کر جانا، نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور تکلیف کے باوجود وضو کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کس بات پر بحث ہو رہی ہے؟

میں نے عرض کیا! درجے حاصل کرنے والی چیزوں پر۔

فرمایا! وہ کیا ہیں؟

میں نے عرض کیا!

بلا شرط کھانا کھلانا۔ (یعنی مسکین اور محتاج ہونے کی شرط نہ ہو) بلکہ ہر ایک کو کھانے کی عام اجازت ہو۔ اس لئے کہ بعض غیرت والے لوگ محتاجوں کے زمرے میں آنا پسند نہیں کرتے اور ہر ایک انسان سے نرم بات کرنا اور راتوں کو ایسے وقتوں میں صلوٰۃ قائم کرنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

اللہ جب پیار کرتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے پیار کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر اس سے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار کر۔

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام اس سے پیار کرتے ہیں پھر آسمانوں میں منادی ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص سے اللہ پیار کرتا ہے تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ تمام آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین پر اسے مقبول عام بنا دیا جاتا ہے۔

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ناپسند کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص کو پسند نہیں کرتا چنانچہ جبرائیل علیہ السلام اسے پسند نہیں کرتے پھر آسمانوں میں منادی کرا دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو پسند نہیں کرتا پھر وہ سب فرشتے اسے ناپسند کرتے ہیں۔

اس کے بعد زمین پر موجود مخلوق بھی اسے ناپسند کرتی ہے اور وہ دنیا میں ناپسندیدہ شخص بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر روز انسان جب صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ایک کہتا ہے یااللہ! اچھی جگہ خرچ کرنے والوں کواور نعمتیں عطا کردے۔

دوسرا فرشتہ کہتا ہے! اے اللہ دولت کو ذخیرہ کرنے والوں کو ہلاک کردے۔ مقرب فرشتے اللہ کے حضور حاضر رہتے ہیں وہ ہر اچھے آدمی کیلئے دعا کرتے ہیں اور معاشرے میں بگاڑ کرنے والے لوگوں پر لعنت کرتے ہیں۔

فرشتے اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام پہنچانے کا کام بھی کرتے ہیں اور بندے جو کام کرتے ہیں اس کی رپورٹ اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ فرشتے دلوں میں نیک کام کرنے کا خیال Inspire کرتے ہیں۔نیک انسانوں کی روحیں بھی شامل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔اے اطمینان والی روح تو راضی اور خوش ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو پھر میرے بندوں میں داخل ہو جااور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

ملاءاعلیٰ کا مقام وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے۔

ملائکہ کی قسمیں:

نورانی فرشتے:

ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے۔کائنات کے مجموعی تقاضوں کے مطابق نظام چلانا ان کی ڈیوٹی ہے۔

ملاءاعلیٰ:

یہ فرشتے پہلی قسم کے فرشتوں سے زیادہ قریب ہیں۔

انسانی روحیں:

یہ وہ روحیں ہیں جو ملاءاعلیٰ سے علم سیکھتی ہیں اور یہ لوگ ایسے اعمال کرتے ہیں جن سے ان کا ذہن و قلب مصفا ہو جاتا ہے۔ پاکیزگی اور نور کے ذخیرے کی وجہ سے وہ ملاءاعلیٰ کی بات سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد ان فرشتوں کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں جہاں نیک روحوں اور فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس مقام کا نام حظیرۃالقدس ہے۔

حظیرۃالقدس:

حظیرۃ القدس میں جمع ہونے والے فرشتے اور روحیں انسانوں کو تباہی اور مصیبت سے بچانے کے طریقوں پر سوچ بچار کرتے ہیں اور سب متفق ہو کر یہ طریقے انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔اس کام کیلئے وہ انسان منتخب کیا جاتا ہے جو سب انسانوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہو۔پاکیزہ شخص کے لئے لوگوں کو Inspire کیا جاتا ہے کہ اس آدمی کی پیروی کریں۔

پھر ایک جماعت بن جاتی ہے جو انسانیت کی خدمت کرتی ہے جن باتوں میں قوم کی بھلائی اور بہتری ہو۔اس پاکیزہ بندے کی روح میں وحی کے ذریعہ خواب میں اور کبھی غیب کی حالت میں وہ باتیں داخل کر دی جاتی ہیں۔اس پاکیزہ روح انسان سے ملاء اعلیٰ روبرو بات کرتے ہیں۔

ملائکۂ اسفل:

اسفل کے فرشتے ملاء اعلیٰ سے دوسرے درجے میں ہوتے ہیں لیکن یہ نورانی فرشتوں کے مرتبے کے برابر نہیں ہوتے۔یہ فرشتے اپنی طرف سے کچھ نہیں سوچتے۔اوپر سے حکم آنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔وہ اتنی ہی بات جانتے ہیں جتنی بات اوپر کے فرشتے انہیں سمجھا دیں۔فرشتے مشین کی طرح کام کرتے ہیں ان کے سامنے ذاتی نفع و نقصان نہیں ہوتا۔صرف وہی عمل کرتے ہیں جس کا انہیں اوپر کے فرشتوں کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔یہ فرشتے حرکت تبدیل کرنے میں بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔

ملائکہ سماوی:

اللہ تعالیٰ کا حکم سب سے پہلے حظیرۃ القدس میں آتا ہے وہاں ملاء اعلیٰ اس حکم کو سن کر اپنے نیچے درجے کے فرشتوں کو پہنچاتے ہیں۔نیچے کے فرشتے سن کر اپنے نیچے کے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں۔یہ فرشتے ملائکہ سماوی ہیں۔ملائکہ سماوی اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر ملائکہ عنصری کو پہنچاتے ہیں۔

ملائکہ عنصری:

ملائکہ عنصری اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر مخلوق کو Inspire کرتے ہیں۔اگر دو جماعتوں میں لڑائی ہو جاتی ہے تو یہ فرشتے وہاں پہنچ کر حالات کے مطابق ایک جماعت کے دلوں میں بہادری،ثابت قدمی اور فتح کرنے کا جذبہ پیدا کرتے ہیں،ان کی مدد بھی کرتے ہیں اور دوسری جماعت کے دلوں میں کمزوری بزدلی کے خیالات Inspire کرتے ہیں تاکہ اللہ کے چاہنے کے مطابق نتیجہ نکلے اور وہ جماعت غالب آجائے جس کا غلبہ اللہ چاہتا ہے ان فرشتوں کا نام ملائکہ اسفل ہے۔

کراماً کاتبین:

فرشتوں کی ایک قسم کراماً کاتبین ہے جن کی ہر انسان کے ساتھ ڈیوٹی ہے۔ایک فرشتہ ہر نیک کام کی ویڈیو فلم بناتا ہے اور دوسرا ہر برے کام کی ویڈیو فلم بناتا ہے۔

بیت المعمور:

سدرۃ المنتہا کے نیچے بیت المعمور ہے۔بیت المعمور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مقام ہے اس ہی مقام میں ملاءِ اعلیٰ رہتے ہیں۔ ان کے اوپر جو فرشتے ہیں ان کا نام ملائکہ نوری ہے۔ملائکہ نوری کے نیچے ملاءِ اعلیٰ، ملاءِ اعلیٰ کے نیچے ملائکہ سماوی اور ملائکہ سماوی کے نیچے ملائکہ عنصری ہیں

فرشتوں کے گروہ:

گروہ جبرائیلؑ گروہ میکائیلؑ گروہ عزرائیلؑ گروہ اسرافیلؑ

ہر گروہ کی الگ الگ صلاحیتیں ہیں اور ان صلاحیتوں کا الگ الگ استعمال ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ کے قاصد ہیں۔وحی پہنچانا اور الہام کرنا ان کا وصف ہے۔

حضرت میکائیل علیہ السلام کے فرائض میں بارش کے سارے معاملات ہیں۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ذمہ موت سے متعلق معاملات ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کی ڈیوٹی میں قیامت سے متعلق معاملات ہیں۔

فرشتوں کی صلاحیتیں:

سات آسمان میں ہر آسمان ایک زون ہے۔

ہر زون کے فرشتے الگ الگ ہیں لیکن ساتوں آسمانوں میں موجود فرشتوں کو ملائکہ سماوی کہا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو جو صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں وہ فرشتوں کے پروں سے ظاہر ہوتی ہیں۔فرشتوں کے پر صلاحیتوں اور صفات کے مطابق چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔پروں کی تعداد میں بھی فرق ہوتا ہے۔جس طرح مور کے پر ہوتے ہیں اور پروں پر خوبصورت نقش و نگار ہوتے ہیں اسی طرح فرشتوں کے پروں پر بھی لاشمار نقوش ہوتے ہیں۔ہر نقش ایک صلاحیت ہے۔فرشتوں کے پروں میں سے نور کے جھماکے ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے فرشتوں کے پروں میں سبز روشنیوں کا انعکاس ہوتا ہے۔

کائناتی نظام:

جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، کراماً کاتبین، منکر نکیر، ملائکہ رضوان، ملائکہ زمانیا وغیرہ۔ فرشتوں کے کئی طبقے ہیں۔ سارے فرشتے کائناتی نظام میں ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر فرق نہیں کرتے۔ فرشتوں کی تعداد کا کسی بھی طرح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ تخلیقی نظام میں ہر انسان کے ساتھ 20ہزار فرشتوں کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔

اس وقت ہماری دنیا کی آبادی چھ ارب ہے جبکہ ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیائیں اور بھی موجود ہیں۔

دوسری دنیاؤں کے مقابلہ میں ہماری زمین سب سے چھوٹا کرّہ ہے۔ سیر کے دوران صوفی کو ہماری زمین ایسی نظر آتی ہے جیسے بڑے گنبد پر سوئی کی نوک سے نشان لگادیا جائے۔

اللہ تعالٰی فرماتے ہیں دنیا کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور یہ سب ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی باتیں باقی رہیں گی۔

اعمال نامہ:

آدمی جب مر جاتا ہے تو جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہے وہ ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ ذرہ برابر نیکی ہو۔ چاہے ذرہ برابر برائی ہو۔ ہر عمل اور ہر قول کی کراماً کاتبین ویڈیو فلم بناتے رہتے ہیں۔ انسان مرنے کے بعد یہی فلم دیکھتا رہتا ہے۔

مثلاً ایک آدمی نے چوری کا ارادہ کیا۔ نیکی لکھنے والے فرشتے نے اس کے دل میں خیال ڈالا کہ یہ برا کام ہے اسے نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ اس عمل سے ناخوش ہوتا ہے لیکن چور نے اس بات کو قبول نہیں کیا اور وہ چوری کے لئے گھر سے نکل گیا۔ کسی گھر میں نقب لگائی اور سامان چوری کر کے اپنے گھر لے آیا۔ مذہبی اعتبار سے اس کے ذہن میں یہ بات ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے۔

مرنے کے بعد اس چور کو یہ پوری فلم دکھائی جائے گی۔ اور چوری کے نتیجہ میں فلم میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔ چور جب اپنی ذات سے متعلق فلم دیکھتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ میں فلم دیکھ رہا ہوں۔

جب اس کا ہاتھ کٹتا ہے تو وہ فلم میں اپنا ہاتھ کٹا ہوا دیکھتا ہے اور اسے شدید تکلیف ہوتی ہے۔

ایک نیک آدمی نماز کے لئے مسجد گیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد اللہ کے گھر میں آرام سے بیٹھ گیا۔ اللہ سے تعلق کی بناء پر مسجد میں اسے سکون ملا۔ اللہ کے ذکر کی نورانی لہروں نے اسے راحت بخشی اور وہ اللہ کی میزبانی سے خوش ہو گیا۔ یہ فلم گھر سے نکلنے کے وقت

سے مسجد میں بیٹھنے اور نورانی لہروں سے سیراب ہونے کے وقت تک بنتی رہتی ہے۔ جب یہ بندہ دنیا سے رخصت ہو جائے گا تو اسے نیکی کے عمل اور نیکی کی فلم دکھائی جائے گی۔ یہ فلم دیکھ کر اسے خوشی اور سکون ملے گا۔

منکر نکیر مرنے کے بعد پہلی ملاقات میں سوالات کر کے یہ بتا دیتے ہیں کہ نیکی اور برائی میں بندہ کی کیا حیثیت ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو جنت کے نظاروں سے مستفیض ہوتا ہے، برائی کا پیکر ہے تو دوزخ کا عذاب نظروں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

لطائف

ہر مذہب میں عبادت کے لئے غسل یا وضو کا اہتمام کیا جاتا ہے حالانکہ عبادت کا تعلق ذہن سے ہے صرف جسم سے نہیں ہے۔ غسل اور وضو کا منشاء طبیعت کو شگفتہ کر کے انہاک پیدا کرنا ہے۔

ہمیں سوچنا چاہئے کہ۔۔۔۔۔۔

ہمارے اشغال و اعمال جو جسمانی اعضا کے ذریعے صادر ہوتے ہیں۔۔۔کہاں تخلیق پاتے ہیں؟۔۔۔اور۔۔۔ان کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے؟

صوفیاء حضرات بتاتے ہیں کہ:

کسی شئے کی ماہیئت کی طرف رجوع کیا جائے تو ہم کتنی ہی انواع و مخلوقات کو پہچان سکتے ہیں۔ شیر، شاہین، چاند اور سورج، زمین و آسمان، جن و انس، ہوا، پانی، فرشتے، پہاڑ، سمندر اور حشرات الارض یہ سب مخلوق ہیں۔ان کا مظاہرہ ایک ہی طرز پر ہوتا ہے۔ جیسے شیر ایک شکل و صورت اور ایک خاص طبیعت رکھتا ہے، اس کی آواز بھی مخصوص ہے۔ یہ چیزیں اس کی پوری نوع پر مشتمل ہیں۔ بالکل اسی طرح انسان بھی خاص شکل و صورت، خاص عادتیں اور خاص صلاحیتیں رکھتا ہے۔ لیکن یہ دونوں اپنی ماہیئتوں میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ البتہ دونوں میں یکساں تقاضے پائے جاتے ہیں۔ یہ اشتراک نوع کی ماہیت میں نہیں بلکہ ماہیت کی ''اصل'' میں ہے۔

روحِ اعظم:

اس قانون سے ہمیں روح کے دو حصوں کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ایک ہر نوع کی جداگانہ ماہیت دوسرے تمام انواع کی واحد ماہیئت۔ یہی واحد ماہیئت روحِ اعظم اور شخصِ اکبر ہے۔اور ہر نوع کی جداگانہ ماہیئت شخصِ اصغر ہے اور اسی شخصِ اصغر کے مظاہر فرد کہلاتے ہیں مثلاً تمام انسان شخصِ اصغر کی حدود میں ایک ہی ماہیئت ہیں۔

ایک شیر دوسرے شیر کو بحیثیت شیر کے شخصِ اصغر کی صلاحیت سے شناخت کرتا ہے مگر یہی شیر کسی آدمی کو یا دریا کے پانی کو یا اپنے رہنے کی زمین کو یا سردی گرمی کو شخصِ اکبر کی صلاحیت سے شناخت کرتا ہے۔ اصغر ماہیئت کی صلاحیت ایک شیر کو دوسرے شیر کے قریب لے آتی ہے۔ لیکن شیر کو جب پیاس لگتی ہے اور وہ پانی کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کی طبیعت میں یہ تحریک اکبر ماہیئت

کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ صرف اکبر ماہیئت کی بدولت یعنی شخص اکبر کی وجہ سے یہ بات سمجھتا ہے کہ پانی پینے سے پیاس رفع ہو جاتی ہے۔

کشش بعید۔کشش قریب:

چنانچہ ذی روح یا غیر ذی روح ہر فرد کے اندر اکبر صلاحیت ہی اجتماعی زندگی کی فہم رکھتی ہے۔ایک بکری سورج کی حرارت کو اس لئے محسوس کرتی ہے کہ وہ اور سورج شخص اکبر کی حدود میں ایک دوسرے سے الحاق رکھتے ہیں۔اگر کوئی انسان شخص اکبر کی حدود میں فہم و فراست نہ رکھتا ہو تو وہ کسی دوسری نوع کے افراد کو نہیں پہچان سکتا نہ اس کا مصرف جان سکتا ہے۔جب آدمی کی آنکھ ستاروں کو ایک مرتبہ دیکھ لیتی ہے تو اس کا حافظہ ستاروں کی نوع کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔حافظہ کو یہ صلاحیت شخص اکبر سے حاصل ہوتی ہے لیکن جب کوئی انسان اپنی نوع کے انسان کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف ایک کشش محسوس کرتا ہے۔یہ کشش شخص اصغر کا خاصہ ہے۔یہاں سے اصغر ماہیئت اور اکبر ماہیئت کی تخصیص ہو جاتی ہے۔اکبر ماہیئت کشش بعید کا نام ہے اور اصغر ماہیئت کشش قریب کا نام ہے۔

روحانی دنیا میں غیر ارادی حرکت کا نام کشش اور ارادی حرکت کا نام عمل ہے۔غیر ارادی تمام حرکات شخص اکبر کے ارادے سے واقع ہوتی ہے۔لیکن فرد کی تمام حرکات فرد کے اپنے ارادے سے عمل میں آتی ہیں۔

چار نورانی نہریں:

نہر تسوید، نہر تجرید اور نہر تشہید کی حدود میں جب کوئی خرق عادت پیش آتی ہے تو کرامت کہلاتی ہے۔جب نہر تظہیر کی حدود میں کوئی خرق عادت پیش آتی ہے تو استدراج کہلاتی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔اللہ ساوات اور ارض کی روشنی ہے۔اس کی تشریح یہ ہے کہ تمام موجودات ایک ہی اصل سے تخلیق ہوئی ہیں، خواہ وہ موجودات بلندی کی ہوں یا پستی کی ہوں۔

مثال:

شیشے کا ایک گلوب ہے۔اس گلوب کے اندر دوسرا گلوب ہے۔اس دوسرے گلوب کے اندر ایک تیسرا گلوب ہے۔اس تیسرے گلوب میں حرکت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہ حرکت شکل وصورت، جسم ومادیت کے ذریعے ظہور میں آتی ہے۔پہلا گلوب تصوف کی زبان میں نہر تسوید یا تجلی کہلاتا ہے۔یہ تجلی موجودات کے ہر ذرہ سے لمحہ بہ لمحہ گزرتی رہتی ہے تاکہ اس کی اصل سیراب ہوتی رہے۔

دوسرا گلوب نہر تجرید یا نور کہلاتا ہے یہ بھی تجلی کی طرح لمحہ بہ لمحہ کائنات کے ہر ذرہ سے گزرتا رہتا ہے۔ تیسرا گلوب نہر تشہید یا روشنی ہے، اس کا کردار زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔ چوتھا گلوب نسمہ کا ہے جو گیسوں کا مجموعہ ہے اس ہی نسمہ کے ہجوم سے مادی شکل وصورت اور مظاہرات بنتے ہیں۔ اس کو نہر تظہیر کہتے ہیں۔

جس خدا نے دنیا اور اس کی سب چیزوں کو پیدا کیا وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا۔

(انجیل۔ اعمال، باب نمبر 17 آیت 24)

اس آیت میں نہر تسوید اور نہر تجرید کا بیان ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی قوت خالقیت پوری کائنات کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ اس ہی قوت کے تسلط کو تصوف میں نہر تجرید یا نور کہتے ہیں (دنیا اور اس کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔۔۔ نہر تسوید، آسمانوں اور زمین کا مالک ہو کر۔۔۔ نہر تجرید)

نہ کسی چیز کا محتاج ہو کر آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے کیونکہ وہ تو خود ہی سب کو زندگی، سانس اور سب کچھ دیتا ہے۔

(انجیل۔ اعمال، باب نمبر 17۔ آیت نمبر 25)

(زندگی۔۔۔ نہر تشہید، سب کچھ۔۔۔ نہر تظہیر یا نسمہ)

نہر تشہید یا روشنی جسے انجیل کی زبان میں زندگی کہا گیا ہے اس کی عطا کا سلسلہ ازل سے ابد تک جاری ہے۔

تظہیر کی رو جس کا دوسرا نام نسمہ ہے کائنات کے مادی اجسام کو محفوظ اور متحرک رکھتی ہیں۔

لطائف ستہ:

ہر تخلیق نور اور روشنی سے زندہ ہے۔ نور اور روشنی ذخیرہ ہونے کے لئے۔ ہر مخلوق میں ایسے روشن نقطے یا مراکز ہیں۔ جو نور اور روشنی کا ذخیرہ کرتے ہیں۔ تصوف میں ان روشن نقطوں کو لطائف کہا جاتا ہے۔

جسم میں توانائی کے مراکز ہر جگہ موجود نہیں ہیں لیکن توانائی سر سے پیر تک دور کرتی رہتی ہے اور جسم سے خارج ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح کسی کہکشانی نظام میں ستارے روشنی خارج کرتے ہیں اسی طرح انسانی جسم سے بھی روشنی خارج ہوتی رہتی ہے۔

ظاہری جسم کی طرح انسان کے اوپر روشنیوں کا بنا ہوا ایک جسم ہے اور اس جسم کو جسم مثالی کہا جاتا ہے۔ جسم مثالی ان بنیادی لہروں یا بنیادی شعاعوں کا نام ہے جو ابتداء کرتی ہیں۔ جسم مثالی (روشنیوں کا بنا ہوا جسم) مادی وجود کے ساتھ تقریباً چپکا ہوا ہے لیکن جسم مثالی کی روشنیوں کا انعکاس گوشت پوست کے جسم پر نوانچ تک پھیلا ہوا ہے۔

انسان کے اندر چھ لطائف کام کرتے ہیں:

لطیفۂ اخفیٰ

۲) لطیفۂ خفی

۳) لطیفۂ سرّی

۴) لطیفۂ روحی

۵) لطیفۂ قلبی

۶) لطیفۂ نفسی

ہر مخلوق میں تخلیقی امور کے اعتبار سے الگ الگ لطائف ہیں۔

جنات کے اندر پانچ (۵) لطیفے کام کرتے ہیں۔

ملائکہ کے اندر چار (۴) لطیفے کام کرتے ہیں۔

اجرام سماوی کے اندر تین (۳) لطیفے کام کرتے ہیں۔

حیوانات کے اندر دو (۲) لطیفے کام کرتے ہیں۔

جمادات و نباتات کے اندر ایک (۱) لطیفہ کام کرتا ہے۔

آدمی کے اندر (۶) لطیفے کام کرتے ہیں۔

فرشتے: چار لطائف کی مخلوق ہیں۔

۱۔ روح ۲۔ سر ۳۔ قلب ۴۔ اخفیٰ

جنات: پانچ لطائف کی مخلوق ہیں:

۱۔ نفس ۲۔ قلب ۳۔ روح ۴۔ سر ۵۔ خفی

انسان: چھ لطائف کی مخلوق ہے:

۱۔ نفس ۲۔ قلب ۳۔روح ۴۔ سر ۵۔ خفی ۶۔اخفیٰ

اجرام سماوی: تین لطائف کی مخلوق ہیں:

۱۔روح ۲۔ سر ۳۔ قلب

حیوانات: دو لطائف کی مخلوق ہیں:

۱۔روح ۲۔ سر

جمادات ونباتات: ایک لطیفہ کی مخلوق ہیں:

۱۔روح

نورانی لہروں کا نزول:

چھ لطائف کو چار نہریں سیراب کرتی ہیں:

۱)نہر تسوید ۲)نہر تجرید

۳)نہر تشہید ۴)نہر تطہیر

۱۔نہر تسوید کا نزول لطیفۂ اخفیٰ میں ہوتا ہے۔

۲۔نہر تجرید کا نزول لطیفۂ سری میں ہوتا ہے۔

۳۔نہر تشہید کا نزول لطیفۂ قلبی میں ہوتا ہے۔

۴۔نہر تطہیر کا نزول لطیفۂ نفسی میں ہوتا ہے۔

معجزہ، کرامت، استدراج

تجلی تنزل کرکے نور بنتی ہے اور نور تنزل کرکے روشنی یا مظہر بن جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر تجلی تنزل کرکے نور بنی اور نور تنزل کرکے شئے یا مظہر بنا۔ ہر مظہر تجلی اور نور سے تخلیق ہوا، پھر نور اور تجلی ہی میں فنا ہو گیا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس ناموجود کو پھر موجود کر دے گا۔ صوفی علم شئے میں ہی تصرف کرتا ہے جس کا اثر شئے پر براہ راست پڑتا ہے۔

تصرف کی تین قسمیں ہیں:

۱) معجزہ

۲) کرامت

۳) استدراج

یہاں تینوں کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔ استدراج وہ علم ہے جو اعراف کی بری روحوں یا شیطان پرست جنات کے زیر سایہ کسی آدمی میں خاص وجوہ کی بناء پر پرورش پاجاتا ہے۔ صاحب استدراج کو اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، علم استدراج اور علم نبوت میں یہی فرق ہے کہ استدراج کا علم غیب بینی تک محدود رہتا ہے اور علم نبوت انسان کو غیب بینی کی حدودوں سے گزار کر اللہ کی معرفت تک پہنچا دیتا ہے۔ علم نبوت کے زیر اثر کوئی خارق عادت نبی سے صادر ہوتی ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں، ختم نبوت ورسالت کے بعد یہ وراثت اولیاء اللہ کو منتقل ہوئی اور اولیاء اللہ سے صادر ہونیوالی خارق عادات کرامت کہلائی۔ لیکن یہ بھی علم نبوت کے زیر اثر ہوتی ہے، معجزہ اور کرامت کا تصرف مستقل ہوتا ہے، مستقل سے مراد یہ ہے کہ جب تک صاحب تصرف اس چیز کو خود نہ ہٹائے وہ نہیں ہٹے گی۔ استدراج کے زیر اثر جو کچھ ہوتا ہے وہ مستقل نہیں ہوتا اور اس کا اثر فضا کے تاثرات بدلنے سے خود بخود ضائع ہو جاتا ہے، استدراج کے زیر اثر جو کچھ ہوتا ہے اس کو جادو کہتے ھیں۔ اس کی ایک مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں بھی پیش آئی ہے۔

اس دور میں صاف ابن صیاد نام کا ایک لڑکا مدینے کے قریب کسی باغ میں رہتا تھا۔ موقع پاکر شیطان کے شاگردوں نے اسے اچک لیا اور اس کی چھٹی حس کو بیدار کر دیا۔ وہ چادر اوڑھ کر آنکھیں بند کر لیتا اور ملائکہ کی سرگرمیوں کو دیکھتا اور سنتا رہتا۔ وہ سرگرمیاں عوام میں بیان کر دیتا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شہرت سنی تو ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''آؤ! ذرا ابن صیاد کو دیکھیں۔''

اس وقت وہ مدینے کے قریب ایک سرخ ٹیلے پر کھیل رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے سوال کیا۔

'بتا! میں کون ہوں؟''

وہ رکا اور سوچنے لگا۔ پھر بولا۔

"آپ امیوں کے رسول ہیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"تیرا علم ناقص ہے، تو شک میں پڑ گیا۔ اچھا بتا!۔۔۔میرے دل میں کیا ہے؟

اس نے کہا۔

"درخ ہے۔" (ایمان نہ لانے والا) یعنی آپ ﷺ میرے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایمان نہ لاؤں گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"پھر تیرا علم محدود ہے۔ تو ترقی نہیں کر سکتا۔ تو اس بات کو بھی نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کی گردن ماردوں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا۔

"اے عمر! اگر یہ دجال ہے تو اس پر تم قابو نہیں پاسکو گے اور اگر دجال نہیں ہے تو اس کا قتل زائد ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔"

ابن صیاد کی طرح کسی بھی صاحب استدراج کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ علم استدراج اور علم نبوت میں یہی فرق ہے کہ استدراج کا علم غیب بینی تک محدود رہتا ہے اور علم نبوت انسان کو غیب بینی کی حدوں سے گزار کر اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچا دیتا ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔ اور ان کنکریوں کی آواز حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ نے بھی سنی۔ آج کے سائنسی دور میں اس معجزہ کی سائنسی تشریح پیش کرنا ہمارے پیش نظر ہے۔

سنگریزوں نے کلمہ پڑھا:

ایک دوپہر حضرت عثمان غنیؓ، سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی وہاں موجود تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا، تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ انہوں نے عرض کیا "اللہ اور رسول کی محبت"۔ اس سے قبل حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استفسار پر یہی جواب دے چکے

تھے۔اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات یا نو کنکریاں ہاتھ میں لیں توان کنکریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تسبیح پڑھی جس کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کنکریاں علیحدہ علیحدہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں میں دیں تو کنکریوں نے سب کے ہاتھوں میں تسبیح پڑھی۔

آواز کی فریکوئنسی:

آوازیں ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔آواز آپس میں رابطہ کاذریعہ اور معلومات کے تبادلے کاایک طریقہ ہے۔آواز کی بدولت ہم بہت سی چیزوں کو جانتے ہیں اور بہت سی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن بہت سی آوازیں ایسی ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتی۔یہ آوازیں ہماری سماعت سے ماوراء ہیں۔پیچیدہ امراض کی تشخیص و علاج، صنعت و حرفت، تحقیق و تلاش کیلئے الٹرا ساؤنڈ ویوز کا استعمال اب عام ہو گیا ہے۔صدائے بازگشت کے اصول اور آواز کے ارتعاش کی بنیاد پر یہ لہریں کام کرتی ہیں۔یہ لہریں مادے کی مختلف حالتوں کے درمیان امتیاز کر سکتی ہیں۔

انسان کی سماعت کا دائرہ بیس ہرٹز (20 Hertz) سے بیس ہزار ہرٹز فریکوئنسی تک محدود ہے۔جبکہ ورائے صوت موجوں کی فریکوئنسی بیس ہزار ہرٹز (Hertz) سے دو کروڑ ہرٹز (Hertz) تک ہو سکتی ہے۔اس لئے ہمارے کان ان آوازوں کو نہیں سن سکتے۔

موجوں کی دو بڑی اقسام ہیں۔ایک وہ جن میں ذرات سکڑتے ہیں اور پھیلتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور دوسرے وہ جو آگے بڑھتے ہوئے اوپر نیچے حرکت کرتے ہیں،موجوں کی اقسام کی تقسیم فریکوئنسی اور طول موج کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

موج مخصوص فاصلہ کو اوپر نیچے حرکت کرتے ہوئے طے کرتی ہے۔یہ اس کا طول موج کہلاتا ہے۔طول موج میں ایک حرکت اوپر کی طرف ہوتی ہے اور ایک حرکت نیچے کی جانب ہوتی ہے۔ایک مرتبہ اوپر اور ایک مرتبہ نیچے دونوں حرکتیں مل کر ایک چکر (Cycle) پورا کرتی ہیں اور ایک سیکنڈ میں کسی موج کے جتنے سائیکل گزر جاتے ہیں وہ موج کی فریکوئنسی کہلاتی ہے۔

طول موج زیادہ ہو تو فریکوئنسی کم ہوتی ہے۔جبکہ طول موج کم ہونے کی صورت میں فریکوئنسی زیادہ ہوتی ہے۔

ریڈیائی اور مقناطیسی لہریں:

ریڈیائی لہریں کم فریکوئنسی کی برق مقناطیسی لہریں ہوتی ہیں اور ٹی وی نشریات زیادہ فریکوئنسی کی برق مقناطیسی لہریں ہوتی ہیں۔برق مقناطیسی لہروں کو آواز کی موجوں کی طرح سفر کرنے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں پڑتی۔یہ پانی اور ہوا کے بغیر بھی آگے بڑھتی رہتی ہیں اور خلاء میں آگے بڑھنے میں انہیں دقت پیش نہیں آتی۔

فریکوئنسی اگر بہت بڑھ جائے تو موجیں شعاعیں بن جاتی ہیں جو سیدھی چلتی ہیں۔ کم طول موج اور زیادہ فریکوئنسی ہونے کی وجہ سے ان لہروں کی کسی چیز میں سے گزر جانے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز ہماری حمد و ثناء بیان کرتی ہے۔ یعنی کائنات میں موجود ہر شئے بولتی، سنتی اور ایک دوسرے کو پہچانتی ہے۔

''ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں اللہ کی عظمت بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔''

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر ۴۴)

کہکشانی نظاموں کا کمپیوٹر:

کائنات میں ہر فرد قدرت کا بنا ہوا کمپیوٹر ہے اور اس کمپیوٹر میں کہکشانی نظاموں سے متعلق تمام اطلاعات فیڈ ہیں اور کمپیوٹر ڈسک کی طرح یہ اطلاعات ہر کمپیوٹر میں ذخیرہ ہیں۔ کہکشانی نظاموں میں جاری و ساری یہ اطلاعات، لہروں کے دوش پر ہر لمحہ سفر کرتی رہتی ہیں۔ ہر موجود شئے کا دوسری موجود شئے سے لہروں کے ذریعہ اطلاعات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ سائنس دان روشنی کی رفتار کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ زمانی اور مکانی فاصلے لہروں کی گرفت میں رہتے ہیں۔ اگر کسی فرد کے ذہن میں جنات، فرشتوں، آسمانوں اور زمین سے متعلق اطلاعات کا تبادلہ نہ ہو تو انسان فرشتوں، جنات، درخت، پہاڑ، سورج اور چاند کا تذکرہ نہیں کر سکتا۔ کہکشانی نظام اور کائنات میں جتنی بھی نوعیں اور نوعوں کے افراد کے خیالات کی لہریں ہمیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح ہماری زندگی سے متعلق تمام خیالات لہروں کے ذریعہ ہر مخلوق کو منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات اس قانون سے واقف نہ ہوں۔

خیالات کی منتقلی ہی دراصل کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہے۔ ہم کسی آدمی یا کسی مخلوق کے فرد سے اس لئے متاثر ہوتے ہیں کہ مخلوق کے فرد کی لہریں ہمارے اندر دور کرنے والی لہروں میں جذب ہو رہی ہیں۔ انسان کا لاشعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل رابطہ رکھتا ہے۔ اس رابطہ کے ذریعہ انسان اپنا پیغام کائنات کے ہر ذرہ تک پہنچا سکتا ہے اور دوسروں کے خیالات سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ انسان اس قانون سے واقف ہو جائے کہ کائنات کی تمام مخلوق کا خیالات کی لہروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے رابطہ اور تعلق ہے۔ خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ زندگی سے قریب کرتی ہے یا دنیاوی زندگی سے دور کر دیتی ہے۔

تصوف، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ

اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوا حضور ﷺ اور ان کے صحابہ ہر بات اور ہر عمل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اللہ ہی کی جانب متوجہ رہتے تھے، ان کا جینا مرنا سب اللہ کے لئے تھا۔ بلاشبہ حضرت محمد ﷺ کے ان تربیت یافتہ حضرات کے سینے روحانیت اور علم حضوری سے لبریز تھے۔ ایک گروہ تبصرہ کرتا ہے کہ روحانیت اور تصوف کے حوالے سے اولیاءاللہ کی کرامات اور کشف کا تذکرہ بڑی شدومد سے کیا جاتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ کی کرامات، کشف اور خرق عادات کا کتابوں میں تذکرہ نہیں ہے۔ عوام الناس کے ذہنوں سے یہ غلط فہمی دور کرنے کے لئے اسلام کی مستند کتابوں میں سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی کرامات درج کی جارہی ہیں۔

سیدنا ابو بکر صدیقؓ:

حضرت صدیق اکبرؓ نے جناب عائشہؓ کو بیس وسق تقریباً پانچ من کھجوریں ہبہ کی تھیں اور اپنی وفات سے پہلے فرمایا: ”اے میری بیٹی عائشہؓ! مال ودولت کے باب میں مجھے تم سے زیادہ کوئی پیارا نہیں۔ لاریب بیس وسق کھجوریں میں نے تمہیں ہبہ کیں تھیں۔ اگر تم نے انہیں توڑ کر اکٹھا کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری مملوکہ ہو جاتیں لیکن اب وہ تمام وارثوں کا مال ہے۔ جس میں تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں شریک ہیں۔ اس کو قرآن کریم کے احکام کے موافق تقسیم کرنا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔ ابا جان! اگر بہت زیادہ بھی ہوتیں تب بھی اس ہبہ سے دست بردار ہو جاتی لیکن یہ تو فرمایئے کہ میری بہن تو صرف اسماءؓ ہے۔ یہ دوسری بہن کون ہے؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ بنت خارجہؓ کے پیٹ میں مجھے لڑکی دکھائی دے رہی ہے۔“

بالآخر ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطابؓ:

حضرت عمرؓ ایک دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک فرمایا! اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ آپؓ نے تین دفعہ اسی طرح فرمایا کیونکہ پہاڑ کی طرف ہٹ جانے سے مسلمانوں کے غالب ہو جانے کی امید تھی۔ تھوڑی دنوں کے بعد شعب نہاوند سے فوج کا قاصد آیا تو اس سے لڑائی کا حال پوچھا۔ قاصد نے عرض کیا!

اے امیر المومنین! ایک دن شکست ہونے کو تھی کہ ہمیں ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی پکار کر کہہ رہا ہو کہ اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ اس آواز کو ہم نے تین مرتبہ سنا اور ہم نے پہاڑ کی طرف سے ہٹ کر سہارا لیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکین پر فتح دی۔

سیدنا عثمان ذوالنورینؓ:

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے آزاد کردہ غلام محجن کہتے ہیں کہ ایک دن میں آپؓ کے ساتھ آپؓ کی ایک زمین پر گیا جہاں ایک عورت نے جو کسی تکلیف میں مبتلا تھی آپؓ کے پاس آکر عرض کیا۔ اے امیر المومنین! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے۔ اس پر آپؓ نے مجھے حکم دیا کہ اس عورت کو باہر نکال دو۔ چنانچہ میں نے اس کو بھگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آکر پھر اس غلطی کا اعتراف کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ اسے باہر نکال دو۔ تیسری مرتبہ اس عورت نے پھر آکر کہا۔ اے خلیفہ وقت میں نے بلا شک وشبہ گناہ کبیرہ کیا ہے میرے اوپر حدِ زنا جاری فرما دیں۔

حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا۔ اے محجن! اس عورت پر مصیبت آپڑی ہے اور وہ مصیبت اور تکلیف ہمیشہ فساد کا سبب ہوتی ہے۔ اس کو پیٹ بھر کر روٹی اور تن بھر کپڑا دے، اس دیوانی کو میں اپنے ساتھ لے گیا۔ میں نے اسے آرام سے رکھا۔ تھوڑے دنوں بعد اس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو وہ مطمئن ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اچھا اب اسے کھجور، آٹا اور کشمش دے دے۔ میں نے سامان گدھے پر لاد کر اسے دے دیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ اب بھی تو وہی کہتی ہے جو امیر المومنین کے سامنے کہہ رہی تھی اس نے کہا نہیں میں نے جو کچھ کہا تھا تکلیفوں اور مصیبتوں کے پہاڑ پھٹ پڑنے کی وجہ سے کہا تھا۔ تا کہ حد لگا دی جائے اور مجھے مصیبتوں سے نجات مل جائے۔

سیدنا علی ابن ابی طالبؓ:

حضرت ابو رافعؓ کہتے ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کو جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ کیا اور وہ خیبر کے قلعے کے پاس پہنچے تو خیبر والے آپؓ پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی خونریزی ہوئی۔ ایک یہودی نے وار کر کے آپؓ کے ہاتھ سے ڈھال

گرا دی۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور قلعے کا ایک دروازہ اٹھا کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ بالآخر دشمنوں پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد اس دروازے کو پھینک دیا۔ اس سفر میں میرے ساتھ سات آدمی اور بھی تھے اور ہم آٹھ آدمی مل کر اس دروازے کو الٹ دینے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن وہ دروازہ جس کو تن تنہا حضرت علیؓ نے ایک ہاتھ میں اٹھا لیا تھا ہم آٹھ آدمی اس کو نہیں پلٹ سکے۔

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ:

ایک بار سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھ سے آکر کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس بی بی خدیجہؓ آرہی ہیں اوران کے ہاتھ میں جو برتن ہے اس میں کھانااور پانی ہے۔جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیں توان سے میرا سلام کہہ دیجئے اور اللہ تعالٰی نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہہ دیجئے کہ آپؓ خوش ہو جایئے۔آپ کے لئے جنت میں ایسا مکان ہے جو موتیوں کا بنا ہوا ہے جہاں شور وغل اور تکلیف نہیں ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ:

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا،ان قحط زدہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے جاکر کہا کہ اس قحط سے ہم لوگ بہت پریشان ہوگئے ہیں۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی طرف اور گنبد خضراء میں آسمان کی طرف کو ایک آرپار سوراخ کردو۔ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی۔حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔اے عائشہؓ! جبریلؑ تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔میں نے جواباً کہاان پر اللہ کی سلامتی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ:

حضرت اُم سلمہؓ نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہؓ بیمار تھیں اور میں تیمار دار تھی۔ایک دن صبح سویرے انہیں افاقہ محسوس ہوا۔ حضرت علیؓ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔حضرت فاطمہؓ نے کہا۔اے اماں میں نہاناچاہتی ہوں۔میں نے پانی تیار کر دیا اور جس طرح وہ تندرستی میں نہاتی تھیں ویسے ہی خوب نہائیں۔پھر انہوں نے نئے کپڑے مانگے۔میں نے کپڑے بھی دے دیئے۔ انہوں نے خود پہن کر کہا امی اب ذرا آپ میرے لئے گھر کے بیچوں بیچ بچھونا بچھا دیجئے۔میں نے یہ بھی کر دیا۔بس وہ بستر پر جا لیٹیں اور قبلے کی طرف کی منہ کر کے اپنا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ کر کہا۔اماں! اب میں اللہ تعالٰی سے ملنے جارہی ہوں اور بالکل پاک ہوں۔اب کوئی بلاضرورت مجھے کھولے نہیں۔اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت انسؓ:

حضرت انس بن مالکؓ کے بھتیجے حضرت انس نضرؓ فرماتے ہیں کہ ان کی پھوپھی نے کسی لڑکی کا اگلا دانت توڑ دیا تھا۔ہمارے خاندان کے لوگوں نے لڑکی کے رشتہ داروں سے معافی مانگی۔انہوں نے انکار کر دیا۔پھر ان سے کہا گیا کہ تم لوگ دیت یعنی دانت کے بدلے دانت لینے کے بجائے کچھ رقم لے لو۔ اس پر بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی دینے اور دیت قبول کرنے پر انکار کرتے ہوئے قصاص طلب کیا۔

چنانچہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ اس پر حضرت انس بن نضیرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری پھوپھی کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے انسؓ اللہ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے۔ یہ سن کر لوگ خوش ہوگئے اور دانت کا بدلہ معاف کر دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ:

امام بخاریؒ ایک طویل قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں اس شخص کے لئے بددعا کرتا ہوں جس نے میری تین جھوٹی شکایتیں کی تھیں۔ اے اللہ! یہ تیرا جھوٹا بندہ جو مکاری سے شکایتیں سنانے کے لئے کھڑا ہوا ہے اس کی عمر دراز کر دے۔ حضرت سعدؓ کی اس دعا کے بعد لوگ جب اس کی خیریت دریافت کرتے تھے تو وہ کہتا تھا کہ میں بالکل بڑھا ہو گیا ہوں، میری عقل ماری گئی ہے۔ اور سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔ عبدالمالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس بڑھے کو اس حال میں دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کو اس کی دونوں بھوؤں نے بالکل چھپا لیا تھا اور وہ راستہ چلتی لونڈیوں کو روکتا تھا اور بے حیائی کی باتیں کرتا تھا۔ افلاس وغربت کی وجہ سے انتہائی تنگ دست تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم کئی صحابی کھانا کھا رہے تھے ہم نے سنا کہ وہ غذا اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔

وہ کھانا سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھ رہا تھا۔

حضرت اسید بن حضیر عبادؓ:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسید عباد نے چند معروضات پیش کیں۔ رات بہت تاریک تھی چنانچہ وہ اسی اندھیرے میں اپنے گھروں کو لوٹے ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ ان میں سے ایک لاٹھی روشن ہوگئی اور شمع کا کام دینے لگی جب ایک کا راستہ ختم ہو گیا اور دوسرے کو آگے جانا تھا تو دوسرے شخص کی لاٹھی روشن ہوگئی۔ اور دوسرا بھی اپنے گھر پہنچ گیا۔

حضرت جابرؓ:

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد کے وقت ایک رات مجھے میرے والد نے طلب کر کے فرمایا۔ کل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تم مجھے سب سے

زیادہ عزیز ہو۔ مجھ پر ایک آدمی کا قرضہ ہے اور وہ ادا کر دینا اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔
میں نے دیکھا کہ میدان احد میں سب سے پہلے میرے والد نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت سفینہؓ:

ابن منکدر سے روایت ہے کہ حضرت سفینہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ایک مرتبہ سرزمین روم میں راستہ بھول گئے۔ وہ راستہ تلاش کر رہے تھے کہ دشمنان اسلام نے انہیں گرفتار کر لیا۔

وہ قید سے فرار ہو گئے۔ راستہ میں انہیں ایک شیر نظر آیا۔ انہوں نے اس شیر کو کنیت سے پکار کر کہا۔ اے ابوالحارثؓ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں راستہ بھول گیا ہوں۔ شیر نے یہ سن کر ان کے سامنے دم ہلائی۔ اور ان کے برابر چلنے لگا۔ اسے جب کوئی آواز سنائی دیتی تو فوراً ادھر کا رخ کر لیتا اور کان کھڑے کر کے اِدھر اُدھر دیکھتا۔ جب خطرے کا احساس ختم ہو جاتا تو پھر آپؓ کے ساتھ چلنے لگتا۔ جب حضرت سفینہؓ اسلامی لشکر میں پہنچ گئے تو شیر واپس لوٹ گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا۔ تمہارے قیدی کا کیا حال ہے؟

میں نے عرض کیا۔ حضور اس کا ارادہ ہے کہ مجھے ایسی باتیں سکھائے جن سے مجھے فائدہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یاد رکھو جو کچھ اس نے کہا وہ ٹھیک ہے۔ لیکن تین راتوں سے تم جس سے باتیں کر رہے ہو جانتے ہو وہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں جانتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان ہے۔

حضرت ربیع بن حراشؓ:

حضرت ربیع بن حراشؓ کہتے ہیں کہ ہم چار بھائی تھے۔ ہمارے بڑے بھائی حضرت ربیعؓ پکے نمازی اور روزے دار تھے۔ سردیوں گرمیوں میں بھی وہ نفلیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ہم سب ان کے پاس جمع تھے اور ہم ایک آدمی کو ان کے لئے کفن کا کپڑا لینے بھیج چکے تھے کہ یکایک انہوں نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا کر کہا۔ اے برادران السلام علیکم! لوگوں نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام۔ اور پوچھا کہ تم موت کے بعد بھی بات کرتے ہو؟

حضرت ربیعؓ نے جواب دیا۔ ہاں تم سے جدا ہو کر جب پروردگار عالم سے ملا تو میں نے اسے غضب ناک نہیں دیکھا۔ اس نے مجھ پر رحمتوں کے بادل برسا کر جنت کی خوشبوئیں، جنت کی روزی، جنت کے لباس مرحمت فرمائے۔

سنو! حضرت ابوالقاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نماز پڑھنے کے منتظر ہیں۔ بس اب دیر مت لگاؤ اور جلدی کرو۔ یہ قصہ جب حضرت عائشہؓ کو سنایا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں۔

حضرت علاءبن حضرمیؓ:

سہم بن مجانب بیان کرتے ہیں کہ ہم علاء بن حضرمیؓ کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہو کر مقام دارین پہنچے۔ ہندوستانی مشک اور کستوری کی بحرین میں بہت بڑی منڈی ہے اور سمندر کے ساحل پر واقع ہے۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمیؓ نے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر کہا۔ اے اللہ تو جاننے والا ہے، تو قوت والا ہے، تو بہت بڑا ہے۔ ہم تیرے معمولی بندے ہیں، یہاں کھڑے ہیں اور اسلام کا دشمن سمندر کے اس سرے پر ہے۔ اللہ ان کو شکست دینے کے لئے ان کو راہ راست پر لانے کے لئے اور ان کو اسلام کا کلمہ پڑھانے کے لئے ہم کو ان تک پہنچادے۔

اس دعا کے بعد انہوں نے ہم سب کو سمندر میں اتار دیا۔ سمندر کا پانی ہمارے گھوڑوں کے سینوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ ہم سمندر پار ہو گئے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ:

حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبریلؑ کو دیکھا۔

حضرت سلمانؓ:

حضرت سلمانؓ اور حضرت ابودرداءؓ بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کے سامنے ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جو سبحان اللہ پڑھ رہا تھا۔

مندرجہ واقعات وکرامات بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ورنہ ہر صحابیؓ کی زندگی میں بے شمار خرق عادات موجود ہیں۔

سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ اور صحابیاتؓ کی کرامات اور خرق عادات اسلامی تاریخ میں ریکارڈ ہیں۔

یہ اعتراض بھی کہ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے مراقبے نہیں کئے محض غلط فہمی ہے۔ مراقبہ کا مطلب ہے سوچ، بچار، تفکر، تلاش، ذہنی یکسوئی کے ساتھ کسی بات پر غور کرنا، Concentration۔ جب ہم کسی بھی بات کی فضیلت اور کنہ کو تلاش کرتے ہیں تو اس کا مطلب بھی مراقبہ ہے۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور قرآنی آیات پر غور و فکر کرنے میں گزری ہے۔ غور و فکر میں جتنا وقت گزرتا تھا۔ وہ سب مراقبہ کی تعریف میں آتا ہے۔

مراقبہ دراصل ذہنی یکسوئی کے ساتھ اپنی روحانی صلاحیتوں اور غیب بین نظر کو بیدار اور متحرک کرنے کے لئے ایک طریقہ ہے۔

مراقبہ سے مراد مرتبہ احسان ہے۔

نور نبوت کے ذریعے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کو مرتبہ احسان حاصل تھا اور مرتبہ احسان کا حاصل ہونا بلاشبہ روحانیت یا تصوف ہے۔

صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے روحانی اجسام نور نبوت سے روشن اور منور تھے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور سیرت طیبہ پر غور کرتے تھے تو ان کے اندر انوار کا ذخیرہ ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ قرآنی آیات پر تفکر کرکے وہ خود کو اللہ سے قریب محسوس کرتے تھے۔

نمازاور تصوف

صلوٰۃ ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا ہے۔اس طریقہ میں بڑی اہمیت تفکر کو ہے۔صلوٰۃ میں اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق قائم ہو جاتا ہے جب بندہ اس تفکر کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے تو اللہ کی صفات میں ذہن مرکوز ہو جاتا ہے۔روحانی کیفیات میں تفکر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل مدت تک غار حرا میں اللہ کی نشانیوں پر تفکر فرمایا ہے۔تفکر کا مفہوم یہ ہے کہ ہر طرف سے ذہن ہٹا کر اللہ کی نشانیوں پر غور کیا جائے۔ارکان اسلام کی تکمیل کے بعد بندہ کا اللہ کے ساتھ رابطہ قائم رہتا ہے۔

صلوٰۃ کی اہمیت:

صلوٰۃ اس عبادت کا نام ہے جس میں اللہ کی بڑائی، تعظیم اور اس کی ربوبیت و حاکمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے، نماز ہر پیغمبر اور اس کی امت پر فرض ہے۔ نماز قائم کر کے بندہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔ نماز فواحشات اور منکرات سے روکتی ہے۔ صلوٰۃ دراصل اللہ سے تعلق قائم کرنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ مسلسل گہرائیوں کے ذریعہ سالک کو ذہنی مرکزیت قائم کرنے کی مشق ہو جاتی ہے اس لئے مراقبہ کرنے والے حضرات وخواتین جب نماز ادا کرتے ہیں تو آسانی سے ان کا دلی تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی بے آب وگیا زمین پر آباد کیا تو اس کی غرض یہ بیان کی:

"اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ صلوٰۃ (آپ کے ساتھ تعلق اور رابطہ) قائم کریں۔"

(سورۂ ابراہیم۔آیت نمبر ۳۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نسل کے لئے یہ دعا کی:

"اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میری نسل میں سے لوگوں کو صلوٰۃ (رابطہ) قائم کرنے والا بنا۔"

(سورۂ ابراہیم۔آیت نمبر ۴۰)

"حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیتے تھے۔"

(سورۂ مریم۔آیت نمبر ۵۵)

حضرت لوط علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اوران کی نسل کے پیغمبروں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"اور ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے اور صلوٰۃ قائم کرنے کی وحی کی۔"

(سورۂ انبیاء۔آیت نمبر ۷۳)

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی:

"اے میرے بیٹے صلوٰۃ قائم کر۔" (سورۂ لقمان۔آیت نمبر ۱۷)

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

"اور میری یاد کیلئے صلوٰۃ قائم کر (یعنی میری طرف ذہنی یکسوئی کے ساتھ متوجہ رہ)"۔

(سورۂ طٰہٰ۔آیت نمبر ۱۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اوران کے ساتھ بنی اسرائیل کو اللہ نے حکم دیا۔

"اور اللہ نے صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔" (سورۂ یونس۔آیت نمبر ۸۷)

عرب میں یہود اور عیسائی قائم الصلوٰۃ تھے۔

"اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو کھڑے ہو کر اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدہ (اللہ کے ساتھ سپردگی) کرتے ہیں۔"

"اور وہ لوگ جو حکم پکڑتے ہیں کتاب (اللہ کے بنائے پروگرام اور آسمانی قانون) کو اور قائم رکھتے ہیں صلوٰۃ ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکی کرنے والوں کے۔"

(سورۂ اعراف۔آیت نمبر ۱۷۰)

غیب کی دنیا:

بندہ جب اللہ سے اپنا تعلق قائم کرلیتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے گزر کر وہ غیب کی دنیا میں داخل ہوجاتا ہے۔

صلوٰۃ ذہنی مرکزیت (Concentration) کو بحال کر دیتی ہے۔ انسان ذہنی یکسوئی کے ساتھ شعوری کیفیات سے نکل کر لاشعوری کیفیات میں داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر طرف سے ذہن ہٹا کر شعوری دنیا سے نکل کر لاشعوری دنیا یعنی غیب کی دنیا سے آشنا ہو جائے۔

نماز میں خیالات کا ہجوم:

نماز میں خیالات سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

"صلوٰۃ قائم کرنے سے پہلے آرام دہ نشست میں قبلہ رخ بیٹھ کر تین مرتبہ درود شریف، تین بار کلمہ شہادت پڑھیں اور آنکھیں بند کر کے ایک سے تین منٹ تک یہ تصور قائم کریں کہ:

"میں عرش کے نیچے ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں اور میں اللہ کو سجدہ کر رہا ہوں"۔

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے اور ان حقائق و معارف کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے بوسیلہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمائے۔ قرآن مجید کا ہر لفظ انوار و تجلیات کا ذخیرہ ہے۔

بظاہر مضامین غیب عربی الفاظ میں ہیں لیکن ان الفاظ کے پیچھے نوری معانی کی وسیع دنیا موجود ہے۔ تصوف کے اساتذہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے شاگرد الفاظ میں موجود مخفی نور کو دیکھ لیں تاکہ قرآن حکیم اپنی پوری جامعیت اور معنویت کے ساتھ ان پر روشن ہو جائے۔

اللہ کا عرفان:

روحانی اساتذہ بتاتے ہیں کہ جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، چاہے نماز میں، تہجد کے نوافل میں یا صرف تلاوت کے وقت، نمازی یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کے ذریعے مجھ سے مخاطب ہیں اور میں اسی کی معرفت اس کلام کو سن رہا ہوں۔ تلاوت کے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ الفاظ کے نوری تمثلات ہمارے اوپر منکشف ہو رہے ہیں۔

بندہ جب ذہنی توجہ کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرتا ہے تو اسے انہماک نصیب ہو جاتا ہے۔ قرآنی آیات کو بار بار پڑھنے سے ملاءِ اعلیٰ سے ایک ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس قدر قلب کا آئینہ صاف ہوتا ہے اسی مناسبت سے معانی و مفاہیم کی نورانی دنیا اس کے اوپر ظاہر ہونے لگتی ہے۔

اللہ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے قرآن حکیم نے جس پروگرام کاتذکرہ کیا ہے اس میں دو باتیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔

"قائم کرو صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ"

(سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر ۴۳)

قرآنی پروگرام کے یہ دونوں اجزاء نماز اور زکوٰۃ، روح اور جسم کا وظیفہ ہیں۔ وظیفہ سے مراد وہ حرکت ہے جو زندگی کی حرکت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"جب تم نماز میں مشغول ہو تو یہ محسوس کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں یا یہ محسوس کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

روح کا وظیفہ:

نماز میں وظیفۂ اعضاء کی حرکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہنے کی عادت ہونی چاہئے۔ ذہن کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا روح کا وظیفہ ہے۔ اور اعضاء کا حرکت میں رہنا جسم کا وظیفہ ہے۔ قیام صلوٰۃ کے ذریعے کوئی بندہ اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

اللہ کو دیکھنا:

جس حد تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کسی امتی کا عمل ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اسے حضوری نصیب ہو جاتی ہے۔ قلب میں جلا پیدا کرنے کے لئے ہمیں خود کو ان چیزوں سے دور کرنا ہوگا جو ہمیں پاکیزگی، صفائی اور نورانیت سے دور کرتی ہیں۔ اس دماغ کو رد کرنا ہوگا جو ہمارے اندر نافرمانی کا دماغ ہے۔ اس دماغ سے آشنائی حاصل کرنا ہوگی جو جنت کا دماغ ہے اور جس دماغ پر تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔

نماز ایسا وظیفۂ اعضاء اور روحانی عمل ہے جس میں تمام جسمانی حرکات اور روحانی کیفیات شامل ہیں۔

نمازی اللہ کی طرف رجوع ہونے کی نیت کرتا ہے۔ پھر وضو کر کے پاک صاف ہوتا ہے۔ پاک جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔ قبلہ رخ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتا ہے۔ پھر ہاتھ باندھ لیتا ہے۔ قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے یعنی اللہ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اللہ کی حمد پڑھتا ہے اور اللہ کی صفات بیان کرتا ہے۔ پھر جھک جاتا ہے۔ تسبیح پڑھتا ہے میرا رب پاک اور عظیم ہے۔ پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے اے ہمارے رب ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔ پھر سجدے میں چلا جاتا ہے۔ جبین نیاز زمین پر رکھ کر اعلان کرتا ہے اے ہمارے رب تو ہی سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج کر سلام عرض کرتا ہے۔ نماز

میں ہاتھ دھونا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ دھونا، سر کا مسح کرنا وغیرہ سب جسمانی وظیفہ ہے۔ نماز میں کھڑے ہونا، جھکنا، سجدہ کرنا، دوزانوں بیٹھنا اور ادھر ادھر اُدھر دیکھنا یہ بھی جسمانی وظیفہ ہے۔ سب اعمال کا مقصد یہ ہے کہ جسم کے ہر عمل میں ذہن اللہ کے ساتھ وابستہ رہے۔ صلوٰۃ ایک ایسا عمل اور ایسا شغل ہے کہ جس کو پورا کرنے سے بندے کا ذہن اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل میں اللہ کو دیکھتا ہے۔ نماز بندہ اور اللہ کے درمیان ایک راستہ ہے۔ نماز میں مشغول ہو کر بندہ غیر خدا سے دور ہو کر خدا سے قریب ہو جاتا ہے۔ بندہ کے اندر جب یہ کیفیت مستحکم ہو جاتی ہے تو اسے مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا ہے۔ نماز مرتبہ احسان پر عمل کرنے کا مکمل پروگرام ہے۔

صوم اور تصوف

"ماہ رمضان جس میں نازل ہوا قرآن جس میں ہدایت ہے لوگوں کے واسطے اور راہ پانے کی کھلی نشانیاں ہیں۔"

(سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر ۱۸۵)

سوال یہ ہے کہ نزول قرآن کے سلسلے میں رمضان کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟ جبکہ وحی رمضان کے علاوہ بھی آتی رہی ہے۔ یہ تلاش کرنا بھی ضروری ہے کہ رمضان المبارک اور عام دنوں میں کیا فرق ہے اور ماہ رمضان میں انسانی تصورات اور احساسات میں کیا تبدیلی رونما ہو جاتی ہے؟ رمضان المبارک سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں، پہنچتا ہوں پکارتے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے۔"

(سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر ۱۸۶)

آیت کریمہ بتاتی ہے کہ بندہ اور اللہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی فاصلہ حائل نہیں ہے۔

روزہ کا مقصد:

زندگی تقاضوں کا نام ہے۔ یہ تقاضے ہی ہمارے اندر حواس بناتے ہیں۔ بھوک، پیاس، جنس، ایک دوسرے سے بات کرنے کی خواہش، آپس کا میل جول اور ہزاروں قسم کی دلچسپیاں یہ سب تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کا دارومدار حواس پر ہے۔ حواس اگر تقاضے قبول کر لیتے ہیں تو یہ تقاضے حواس کے اندر جذب ہو کر ہمیں مظاہراتی خدوخال کا علم بخشتے ہیں۔

رمضان کے علاوہ عام دنوں میں ہماری دلچسپیاں مظاہر کے ساتھ زیادہ رہتی ہیں۔ حصول معاش میں جدوجہد کرنا اور دنیاوی دوسرے مشاغل میں ہم گھرے رہتے ہیں۔

اس کے برعکس روزہ ہمیں ایسے نقطے پر لے آتا ہے جہاں سے مظاہر کی نفی شروع ہوتی ہے۔ مثلاً وقت معینہ تک ظاہری حواس سے توجہ ہٹا کر ذہن کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ ظاہری حواس کے علاوہ اور بھی حواس ہمارے اندر موجود ہیں جو ہمیں آزاد دنیا

(غیب کی دنیا) سے روشناس کرتے ہیں۔ روزہ زندگی میں کام کرنے والے ظاہری حواس پر ضرب لگا کر ان کو معطل کر دیتا ہے۔ بھوک پیاس پر کنٹرول، گفتگو میں احتیاط، نیند میں کمی اور چوبیس گھنٹے کسی نہ کسی طرح یہ کوشش کی جاتی ہے کہ مظاہر کی گرفت سے نکل کر غیب میں سفر کیا جائے۔ یہ تصور غالب رہتا ہے کہ ہم اللہ کے لئے بھوکے پیاسے ہیں۔

حدیث قدسی:

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"روزے کی جزا میں خود ہوں۔"

یعنی روزے دار کے اندر وہ حواس کام کرنے لگتے ہیں جن حواس سے انسان اللہ تعالیٰ کی تجلی کا دیدار کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والے حواس سب کے سب مظاہر ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے حواس سب کے سب غیب ہیں۔ مظاہر میں انسان زمان و مکان میں قید ہے اور غیب میں زمانیت اور مکانیت انسان کی پابند ہے۔ جو حواس ہمیں غیب سے روشناس اور متعارف کراتے ہیں قرآن پاک کی زبان میں ان کا نام "لیل" یعنی رات ہے۔

ارشاد ہے کہ:

"ہم داخل کرتے ہیں رات کو دن میں اور داخل کرتے ہیں دن کو رات میں۔"

(سورۂ آل عمران۔ آیت نمبر ۲۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"ہم ادھیڑ لیتے ہیں رات پر سے دن کو۔"

یعنی حواس ایک ہی ہیں۔ ان میں صرف درجہ بندی ہوتی ہے۔ دن کے حواس میں نہ زمان اور نہ ہی مکان کی پابندی ہے لیکن رات کے حواس میں مکانیت اور زمانیت کی پابندی نہیں ہے۔ رات کے یہی حواس غیب میں سفر کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور انہی حواس سے انسان برزخ، اعراف، ملائکہ اور ملاءِ اعلیٰ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس (۳۰) رات کا اور پورا کیا ان کو دس سے تب پوری ہوئی مدت تیرے رب کی چالیس (۴۰) رات۔"

(سورۂ اعراف۔ آیت نمبر ۱۴۲)

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس رات میں تورات (غیبی انکشافات) عطافرمائی۔اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے چالیس (۴۰) دن میں وعدہ پورا کیا، صرف رات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس (۴۰) دن اور چالیس (۴۰) رات کوہ طور پر قیام فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس دن اور چالیس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رات کے حواس غالب رہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو رات ہی رات ادب والی مسجد (مسجد الحرام) سے پرلی مسجد (مسجد الاقصیٰ) تک جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے وہی ہے سنتا دیکھتا۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔آیت نمبر ۱)

رات کے حواس (سونے کی حالت) میں ہم نہ کھاتے ہیں، نہ بات کرتے ہیں، اور نہ ہی ارادتاً ذہن کو دنیاوی معاملات میں استعمال کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ہم مظاہراتی پابندی سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔

روزے کا پروگرام ہمیں یہی عمل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔روزے میں تقریباً وہ تمام حواس ہمارے اوپر غالب ہو جاتے ہیں جن کا نام رات ہے۔

روزہ ترک کا نظام ہے:

"روزہ میرے لئے ہے اور روزہ کی جزا میں ہوں۔" (حدیث قدسی)

دراصل روزہ وہ نظام ہے جو "ترک" سے تعلق استوار کرتا ہے۔

روزہ دار اپنا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارتا ہے۔روزہ دار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے صاف ستھری زندگی، صحیح نظام الاوقات میں گزارتا ہے تو اللہ خود رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ خود ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ قریب ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس قسم کے پروگرام جس سے غیب کی دنیا کا انکشاف ہو خاص حضرات کے لئے مخصوص ہے۔اگر اس قسم کے پروگرام مخصوص لوگوں کے لئے ہوتے تو کتابوں میں اتنے زیادہ کامیاب خواتین وحضرات کے نام نہ لکھے جاتے۔صوفیاء کرام کے بیوی، بچے ہوتے ہیں۔صوفیاء خواتین کے شوہر ہوتے ہیں وہ دنیا کے سارے کام کرتے ہیں۔اور اسی طرح زندگی گزارتے ہیں جس طرح عام آدمی زندگی گزارتا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ یہ حضرات اللہ کے لئے "ترک" کی لذت سے واقف ہوتے ہیں اور ہم ترک کی لذت سے ناآشنا ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر اُمی کے لئے ترک ممکن ہے۔ جو بندہ صبح سے شام تک محض اللہ کے لئے بھوکا پیاسا رہتا ہے وہ ترک کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر روزہ چھوٹ جائے تو سارے دن یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی قیمتی چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں اللہ کے لئے پانی نہ پینا اور تمام حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا، بلاشبہ اللہ کیلئے ترک ہے۔ اور اس کی لذت سے ہر روزہ دار واقف ہے۔

لیلۃ القدر:

رمضان المبارک کے بیس (۲۰) روزوں میں ظاہری عمل اور ظاہری حواس کے ترک سے سالک اس قوت رفتار کے قریب ہو جاتا ہے جس سے غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

''ہم نے اس کو اتارا لیلۃ القدر میں اور تو نے کیا سمجھا کہ کیا ہے لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔ امان ہے وہ رات صبح کے طلوع ہونے تک۔''

(سورۃ القدر)

قرآن ایک دستور العمل ہے جو نوع انسانی کی رہنمائی کرتا ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے اور لیلۃ القدر رمضان میں آتی ہے۔ ایک ہزار مہینوں میں تیس 30 ہزار دن اور تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد لیلۃ القدر کی رات آنے تک روزہ دار کے ذہن کی رفتار ساٹھ ہزار گنا ہو جاتی ہے۔ ساٹھ ہزار گنا رفتار سے انسان حضرت جبرائیل علیہ السلام اور فرشتوں کو اللہ کے حکم سے دیکھ لیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایسے شخص سے مصافحہ کرتے ہیں۔

حج اور تصوف

جب بیت اللہ شریف کی تعمیر ہوگئی تو اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہوا:

اے ابراہیم! لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا "یا اللہ میری آواز کس طرح پہنچے گی یہاں ہم تین آدمیوں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے ابراہیم! آواز پہنچانا ہمارے ذمہ ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان کر دیا۔ اس آواز کو آسمانوں اور زمین میں اور اس کے درمیان جتنی بھی مخلوق ہے سب نے سنا۔ حج کا یہی وہ اعلان ہے جس کے جواب میں حاجی حضرات حج کے دوران لبیک اللھم لبیک کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس شخص نے خواہ وہ پیدا ہو چکا تھا یا ابھی عالم ارواح میں تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز سن کر لبیک کہا وہ حج ضرور کرتا ہے۔"

قرآن کریم اور حج:

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے:

"حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں پس جو شخص ان ایام میں اپنے اوپر حج مقرر کرے تو پھر نہ کوئی فحش بات جائز ہے اور نہ حکم عدولی درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا زیبا ہے اور جو نیک کام کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں۔"

(سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر ۱۹۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اس طرح کہ اس میں فحش بات اور حکم عدولی نہ ہو تو وہ ایسا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔"

(مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جب کسی حاجی سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اس سے اپنی مغفرت کے لئے دعا کراؤ''

ارکان حج کی حکمت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انہیں چہیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تجسس، تحقیق اور مشاہداتی عمل سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ''اللہ طلوع اور غروب ہونے والی ہستی نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ یقین ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتقل ہوا اور جب آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خواب سنایا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا ''آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کریں انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر منٰی کے مقام پر آئے اور ایک جگہ انہیں لٹا دیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا۔

آنکھیں بند کر لو اور خود بھی اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا نام لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیر دی۔ جب وہ اپنی دانست میں پیارے بیٹے کو ذبح کر چکے تو آواز آئی۔ ابراہیم! آنکھیں کھول دے۔ دیکھا کہ ایک تندرست دنبہ ذبح کیا ہوا سامنے پڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پکارا:

''اے ابراہیم! بے شک سچ کر دیا تو نے اپنے خواب کو تحقیق اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو۔''

(سورۃ الصّٰفّٰت: آیت نمبر ۱۰۴۔۱۰۵)

حج کے ارکان میں قربانی اور ہر سال بقرہ عید میں قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال قربانی اور ایثار کا مسلسل تواتر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اہل استطاعت پر واجب کر دیا ہے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سرزمین پر اللہ کا گھر تعمیر کرو تاکہ لوگ آئیں اور اپنے رب کے گھر کا طواف کریں۔"

آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ جس مقام پر شیطان نے آپ دونوں کو بہکانا چاہا تھا اور آپ دونوں نے اس پر کنکریاں ماری تھیں۔ حج کے رکن کی صورت میں آج بھی جاری ہے۔ اللہ کے ہر حکم میں بہت ساری حکمتیں چھپی ہوئی ہیں۔

کنکریاں مارنے کی حکمت:

حج کا ایک رکن شیطان کو کنکریاں مارنا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے لے کر چلے تو منیٰ کے مقام پر شیطان نے انہیں اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

آپ نے شیطان کو کنکریاں مار کر بھگا دیا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حج کے دوران شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ کنکریاں مارنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوئی رکاوٹ آئے تو اس کی مزاحمت کی جائے۔ ذہنی مزاحمت کے ساتھ جسمانی طاقت بھی استعمال کی جائے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم پورا ہو جائے اور شیطان اپنے وسوسوں میں مایوس اور نامراد ہو جائے۔

شک کا جال:

عمل کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب عمل کرنے کا وقت اور جگہ کا تعین کر لیا جائے۔ کسی کام کا خیال دماغ میں آتا ہے تو اس خیال کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے۔ مثلاً شک کی صورت ایک الجھے ہوئے جال جیسی ہوتی ہے۔ آدمی اگر جال میں پھنس جائے تو نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ آدمی جتنا جال سے نکلنا چاہتا ہے جال مزید الجھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم لطیف انوار کا ذخیرہ ہے۔ جبکہ ناسوتی کثیف روشنیاں عملی راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ شیطان کھلا دشمن ہونے کی وجہ سے آدمی کے نفس کو کثافت سے بھر دیتا ہے۔ "نفس" (مٹی کے عناصر کا مرکب) میں شک، وسوسہ، غرور و تکبر، حسد، نافرمانی اور غیر اخلاقی باتیں آتی رہتی ہیں۔

"نفس" دو راستوں پر سفر کرتا ہے۔ ایک ناسوتی۔ دوسرا غیبی دنیا کا راستہ۔ ناسوتی دنیا میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور شیطان کی انسپائریشن حکم الٰہی اور انسانی عقل کے درمیان شک بن جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شیطان کو کنکریاں مارنا شیطانی انسپائریشن کو رد کرنا ہے۔

سعی کی حکمت:

صفااور مروہ کے درمیان سات پھیرے لگانے کو سعی کہتے ہیں۔ یہ پھیرے حضرت بی بی ہاجرہ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں لگائے تھے۔بی بی ہاجرہ کی اس سعی کے نتیجے میں آب زم زم کا چشمہ ابل آیا۔حضرت بی بی ہاجرہ کا یہ عمل ممتا کی لازوال مثال ہے۔ماممتااللہ کی صفت ہے۔اللہ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔مخلوق کو محبت کے ساتھ پالتا ہے اوران کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے وسائل مہیا کرتا ہے۔ہر ماں ذیلی تخلیق کی ذمہ دار ہے جو دراصل اللہ کی صفات کا مظاہرہ ہے۔ ماں اپنے بچے سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور اپنے بچے کی پرورش اور کفالت کے لئے انتہاتک کوشش کرتی ہے۔

آب زم زم:

حضرت بی بی ہاجرہ نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی کے لئے بنیادی وسیلہ پانی کی فراہمی کے لئے تلاش کا فریضہ ادا کیا۔اوراس فرض میں اتنی مرکزیت قائم ہوگئی کہ قدرت نے آب زم زم کا چشمہ جاری کردیا۔بی بی ہاجرہ کی سعی کے نتیجے میں نمودار ہونے والا آب زم زم حضرت اسماعیل علیہ السلام اور توحید پرست لوگوں کے لئے حیات بن گیا۔اللہ پاک کی نعمتیں لامحدود ولازوال ہیں۔ حضرت بی بی ہاجرہ کی سعی کے نتیجے میں حاصل ہونے والا زم زم بھی لامحدود ولازوال ہے۔ہر سال حج میں ۲۵ لاکھ افراد اور پورے سال مزید لاکھوں عازمین عمرہ یہ پانی استعمال کرتے ہیں۔

طواف کی حکمت:

طواف ایک ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ شریف میں کی جاتی ہے۔خانہ کعبہ اللہ تعالی کی مرکزیت کا Symbol ہے۔ہر شئے اللہ تعالی کی جانب سے آرہی ہے اور اللہ تعالی کی جانب لوٹ جاتی ہے۔اللہ تعالی کی جانب سے آنے والی ہر شئے کی صفت کائنات کا شعور ہے اور کائنات کا علم لاشعور ہے۔اللہ تعالی کی ذات علیم ہے اور علم کا سورس اللہ ہے۔علم الٰہیہ کے انوار و تجلیات کا مظاہراتی سطح پر نزول کرنا کائنات کی نزولی حرکت ہے۔نزولی حرکت میں علم کی تجلی اپنے علوم کا مظاہرہ کرتی ہے۔

بیت اللہ شریف کے طواف میں یہ نیت ہوتی ہے کہ ہم اللہ کے گھر کا طواف کررہے ہیں۔طواف صعودی اور نزولی دونوں کیفیات پر مشتمل ہے۔صعودی حرکت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور نزولی حرکت یہ ہے کہ بندہ مقدس زمین پر جسمانی طور پر اللہ کے گھر کے اردگرد گھومتا ہے۔حجراسود کے سامنے تھوڑی دیر قیام کرنا، حجراسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنا اور خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانا طواف ہے۔

مشاہدۂ حق:

طواف کعبہ میں شعور ولاشعور میں روشنیوں کا ہجوم ہوتا ہے۔روشنیوں اور نور کا ذخیرہ ہو جانے کی وجہ سے روح حق کے مشاہدہ میں مصروف ہو جاتی ہے۔ طواف کرنے والے پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے۔بیت اللہ شریف پر ہر لمحہ اور ہر آن انوار و تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ فرشتے ہمہ وقت طواف کرتے رہتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کی ارواح طیبہ طواف میں مشغول رہتی ہیں۔ فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے انوار اور اولیاء کرام کی فراست کی روشنیاں ایسا ماحول بنا دیتی ہیں کہ طواف میں حاجی کے اوپر انوار کی بارش برستی ہے۔نور کی بارش اور تجلی کی لطافت کثیر تعداد میں لوگ محسوس کرتے ہیں اور اس سے پوری طرح فیضیاب اور متاثر ہوتے ہیں۔

حلق کرانے کی حکمت:

حلق کرانے کا مطلب ہے بال کٹوانا۔آدمی کے تمام اعمال وافعال کی بنیاد خیالات کے تانے بانے پر قائم ہے۔دماغ خیالات کو قبول کرتا ہے خیالات عالم غیب سے آتے ہیں۔عالم غیب لطیف روشنیوں کا عالم ہے۔عالم غیب سے آنے والی ہر انفارمیشن روشنی کی معین مقدار ہے۔

برقی انٹینا:

سر کے بال انٹینا کا کام کرتے ہیں۔ بال نہایت باریک نلکیوں کی طرح ہیں۔ برقی قوت ان نلکیوں کے اندر دور کرتی ہے۔ کنگھی کرتے وقت بالوں کی برقی قوت (کرنٹ) کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ بالوں میں کنگھی یا کنگھا پھیر کر چھوٹے چھوٹے کاغذ کے ٹکڑوں کے قریب کیا جائے تو کاغذ کنگھے پر اڑ کر چپک جاتے ہیں۔

غیب سے آنے والی اطلاعات برقی رو کے دوش پر بالوں کو گزرگاہ بناتی ہوئی جڑوں میں اتر جاتی ہے اور برقی روانرجی بن جاتی ہے اور یہ برقی توانائی حلق کرانے سے جسم مثالی میں جذب ہو جاتی ہے۔

مثبت خیالات کا سورس عالم بالا ہے جبکہ منفی خیالات کا سورس عالم اسفل ہے۔ناسوتی روشنیاں کثیف ہونے کی وجہ سے برقی رو میں رکاوٹ بنتی ہیں اور یہی رکاوٹ منفی خیالات بن جاتے ہیں۔

سعی کے بعد حلق کرایا جاتا ہے یا تھوڑے سے بال کاٹے جاتے ہیں۔ تو اس سے کثافت دور ہوتی ہے اور روشنی کا بہاؤ تیز ہو جاتا ہے-خیالات پاکیزہ اور لطیف ہو جاتے ہیں۔جب بندہ اللہ پاک کے حکم پر اپنے بال کٹواتا ہے تو ظاہر سے ملنے والی اطلاعات سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور عالم بالا سے آنے والی اطلاعات سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔

احرام باندھنے کی حکمت:

جس تنظیم میں یونیفارم ہوتی ہے اس تنظیم میں نظم وضبط کا معیار اعلیٰ ہوتا ہے جیسے فوج، پولیس۔اس کے علاوہ عوامی سطح پر نرسیں، ڈاکٹر وغیرہ اس کی مثال ہیں۔وردی پہن کر آدمی چست ہو جاتا ہے احرام بھی ایک یونیفارم کی طرح ہے۔

حج ایک ایسا پروگرام ہے جس میں بندہ کا دھیان تمام وقت اللہ تعالیٰ کی جانب لگائے رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔لباس سب سے زیادہ ذہن کو متوجہ رکھتا ہے اگر الگ الگ رنگ کے لباس ہوں تو ہر شخص کا ذہن دوسرے کے لباس کی تراش خراش دیکھنے میں مصروف ہو سکتا ہے۔سفید رنگ پاکیزگی کی علامت ہے پاکیزگی اللہ تعالیٰ کی صفت سبحان ہے۔

مقناطیسی توانائی:

خانہ کعبہ کے غلاف کا رنگ سیاہ ہے اور زائرین سفید کپڑے کا احرام باندھتے ہیں۔رنگوں سے مرکب روشنی ایک برقی مقناطیسی توانائی ہے۔روشنی ہر شئے میں سے گزر جاتی ہے کسی شئے میں سے گزرنے کے لئے اسے کسی وسیلے کی ضرورت پڑتی ہے۔ رنگ دراصل روشنی کی وہ خاصیت ہے جو اندھیرے (سیاہ) سے مل کر بنتی ہے۔

کالا رنگ ہمیں اس لئے نظر آتا ہے کہ وہ روشنی کی تمام لہروں کو جذب کر لیتا ہے۔سفید رنگ ہمیں اس لئے نظر آتا ہے۔یہ رنگ روشنی کی تمام لہروں کو منعکس کرتا ہے۔

خانہ کعبہ کے اوپر ہر وقت انوار و تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔خانہ کعبہ کا سیاہ رنگ پردہ ان کو اپنے اندر ذخیرہ کرتا رہتا ہے اور احرام کا سفید رنگ حجاج کے اوپر انوار کی لہروں کو منعکس کرتا ہے جس کی وجہ سے زائرین کا جسم مثالی روشنی اور نور سے مزین ہو جاتا ہے۔سفید رنگ لباس پاکیزگی کا احساس پیدا کرتا ہے۔

ارکان حج اور طواف کعبہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ظاہر و باطن، روح اور روح کے لباس، جسم کے لئے جب اللہ تعالیٰ مرکز بن جاتے ہیں تو اندر کی آنکھ چشم بینا بن جاتی ہے اور حاجی اور زائرین دیکھ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے۔

صوفیاء کا حج

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے مرشد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ صاحب کی ہمرکابی میں دو مرتبہ حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

میں نے ہمیشہ حضرت کا یہ معمول دیکھا کہ ہندوستان کے لوگ جب کوئی ہدیہ پیش کرتے تو اول تو حضرت بڑے اصرار سے اس کو یہ کہہ کر واپس کردیتے تھے کہ یہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ ان کی خدمت میں پیش کردیا جائے۔ مخصوص لوگوں کا پتہ بھی بتادیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے، یہاں بازار میں سے چیزیں خریدا کرو، تاکہ یہاں کے لوگوں کی خدمت ہو جائے۔

مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ کو بہت کم شعر پڑھتے سنا ہے۔ مگر جب مسجد الحرام میں حاضر ہوتے تھے تو والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھتے تھے:

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی

ایک بدو نے خواب میں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز قدموں سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ بدو نے ان سے پوچھا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خلیل احمد ہندی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ میں جا رہا ہوں۔“

یہ بدو مدینہ منورہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ اور اس نے وہاں موجود لوگوں کو اپنا خواب سنایا۔

شیخ اکبر ابن عربیؒ:

شیخ اکبر کہتے ہیں کہ ''میں جمعہ کی نماز کے بعد طواف کر رہا تھا۔ دیکھا! کہ ایک شخص طواف کر رہا ہے لیکن وہ کسی سے ٹکراتا نہیں ہے۔ میں نے سمجھ لیا یہ روح ہے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے آپس میں چند باتیں کیں۔'' یہ شخص شیخ احمد سیوطیؒ کی روح تھی۔''

حضرت بایزیدؒ:

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ حج کے وقت گھر دیکھا۔ دوسری مرتبہ گھر کو بھی دیکھا اور گھر والے کو بھی دیکھا۔ تیسری مرتبہ جب حج کے لئے گیا تو گھر کو نہیں دیکھا صرف گھر والے کو دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ:

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا معمول تھا کہ وہ ایک سال حج کیا کرتے تھے اور ایک سال جہاد کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ میں پانچ سو اشرفیاں لے کر حج کے ارادے سے چلا اور کوفہ میں جہاں اونٹ فروخت ہوتے ہیں، پہنچا تا کہ اونٹ خرید لوں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ کوڑے پر ایک بطخ مری پڑی ہے۔ اور ایک عورت اس کے پر نوچ رہی ہے۔ میں اس عورت کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ کیا کر رہی ہو؟ اس نے جواب دیا۔ جس کام سے تمہیں واسطہ نہیں اس کی تحقیق کیوں کرتے ہو؟ میں نے اصرار کیا تو اس نے بتایا میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ میرے چار بچے ہیں۔ آج چوتھا دن ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ ایسی حالت میں مردار حلال ہے۔ یہ بات سن کر مجھے شرم آگئی۔ میں نے پانچ سو اشرفیاں اس کی گود میں ڈال دیں اور حج کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

جب لوگ حج کر کے آئے تو حاجیوں نے بتایا کہ فلاں فلاں جگہ تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں حیرت میں تھا کہ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں۔ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عبداللہ تعجب نہ کر تو نے ایک مصیبت زدہ کی مدد کی ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ تیری طرف سے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جو تیری طرف سے حج کرے۔

شیخ حضرت یعقوب بصریؒ:

شیخ حضرت یعقوب بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حرم شریف میں کئی دن تک بھوکا رہا، زم زم پیتا رہا۔ جب ضعف زیادہ ہو گیا تو میں باہر نکلا ایک سڑا ہوا شلجم میں نے اٹھا لیا۔ خیال آیا کہ کئی دن تک بھوکا رہا اور سڑا ہوا شلجم ملا۔ میں نے پھینک دیا اور مسجد الحرام میں آکر بیٹھ گیا۔

اتنے میں ایک شخص آیا اس نے بتایا کہ ہم دس دن تک سمندر میں موت وزیست میں مبتلا رہے ہیں۔ ہماری کشتی ڈوبنے لگی تھی۔ تو ہم میں سے ہر شخص نے الگ الگ منت مانی۔ میں نے یہ نذر کی تھی کہ اگر میں زندہ سلامت پہنچ جاؤں تو یہ تھیلی اس شخص کو دونگا۔ مسجد الحرام میں جس شخص پر میری پہلی نظر پڑے گی۔ میں نے تھیلی لے کر کھولی تو اس میں سفید مصری، خشک روٹی، چھلے ہوئے بادام اور شکر پارے تھے۔ میں نے ہر ایک میں سے ایک ایک مٹھی لے لی باقی اس شخص کو واپس کر دی۔

حضرت ابوالحسن سراجؒ:

حضرت ابوالحسن سراجؒ کہتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا کہ میری نظر ایک حسین عورت پر پڑی۔ جس کا چہرہ چاند کی طرح تھا۔ میں نے کہا۔ سبحان اللہ ایسی حسین عورت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ معلوم ہوتا ہے اس کو کوئی غم نہیں ہے۔ اس نے میری بات سن کر کہا۔ واللہ! غموں میں جکڑی ہوئی ہوں۔ میرا دل فکروں اور آفتوں میں ہے۔ کوئی میرا ہمدرد نہیں ہے۔

میرے خاوند نے قربانی میں ایک بکری ذبح کی۔ میرے دو بچے کھیل رہے تھے اور ایک دودھ پیتا بچہ میری گود میں تھا۔ میں گوشت پکانے کے لئے اٹھی تو ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ میں تمہیں بتاؤں کہ ابا نے بکری کیسے ذبح کی تھی؟ اس نے دوسرے بھائی کو بکری کی طرح ذبح کر دیا پھر ڈر کر بھاگ گیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں ایک بھیڑیئے نے اسے کھالیا۔

باپ اس کی تلاش میں نکلا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے پیاس کی شدت سے مر گیا۔ میں دودھ پیتے بچے کو چھوڑ کر دروازے تک گئی کہ شاید خاوند کا کچھ پتہ مل جائے۔ تو وہ بچہ چولہے کے پاس چلا گیا۔ چولہے پر ہانڈی پک رہی تھی۔ بچے نے ہانڈی پر ہاتھ مارا۔ اس کا پورا جسم جل گیا۔ میری بڑی لڑکی جو خاوند کے گھر تھی اس کو جب اس سارے قصے کی خبر ملی تو وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گری اور مر گئی۔ مقدر نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔

میں نے پوچھا اتنی زیادہ مصیبتوں کے بعد تجھے صبر کیسے آیا؟ اس خوبصورت خاتون نے تین شعر پڑھے۔

میں نے صبر کیا کیونکہ صبر بہترین اعتماد ہے اس لئے بے صبری سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے ایسی مصیبتوں پر صبر کیا کہ اگر وہ پہاڑوں پر گریں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ میں نے اپنے آنسوؤں کو پی لیا اور میری آنکھیں خشک ہو گئیں۔ اب آنسو میرے دل پر گرتے ہیں۔ صبر کے ان آنسوؤں نے میرے دل کو مجلا کر دیا ہے اور اب اللہ میرے ساتھ ہے اس نے مجھے خوف اور غم سے آزاد کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن صالحؒ:

حضرت عبداللہ بن صالحؒ لوگوں سے بھاگ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرتے رہتے تھے مگر مکہ مکرمہ میں کافی عرصہ تک قیام کیا۔ سہیل بن عبداللہ نے پوچھا اس شہر میں آپ نے کافی عرصے قیام کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ایسا کوئی شہر نہیں دیکھا جس میں اس شہر سے زیادہ برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہوں۔ اس شہر میں صبح وشام فرشتے اترتے ہیں۔

فرشتے مختلف صورتوں میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ تمہیں خدا کی قسم کچھ دیکھے ہوئے عجائبات اور سناؤ۔ فرمایا، کوئی ولی کامل ایسا نہیں ہے جو ہر جمعہ کی شب یہاں نہ آتا ہو۔

حضرت جنید بغدادیؒ:

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تہجد کے لئے گیا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میرا معمول تھا کہ جب رات زیادہ ہو جاتی تو طواف کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا۔ وہ طواف کر رہی تھی اور اشعار پڑھ رہی تھی۔ ”میں نے عشق کو بہت چھپایا مگر وہ نہیں چھپ سکا۔ اب تو کھلم کھلا میرے پاس ڈیرہ ڈال دیا ہے۔ جب شوق بڑھتا ہے تو اس کے ذکر سے دل بے چین ہو جاتا ہے اور اگر میں اپنے محبوب سے قریب ہونا چاہتی ہوں تو وہ مجھ سے قریب ہو جاتا ہے۔ اور وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس میں فنا ہو جاتی ہوں اور پھر اسی کے لئے زندہ ہو جاتی ہوں۔ اور وہ مجھے کامیاب کرتا ہے حتیٰ کہ میں مست و بے خود ہو جاتی ہوں۔“

میں نے اس سے کہا تو ایسی بابرکت جگہ ایسے شعر پڑھتی ہے۔ وہ لڑکی میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی جنید! اس کے عشق میں بھاگی پھر رہی ہوں اور اسی کی محبت نے مجھے حیران اور پریشان کر رکھا ہے۔ اس کے بعد لڑکی نے پوچھا۔ جنید! تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا؟ میں نے جواب دیا۔ میں تو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں۔

آسمان کی طرف منہ کر کے اس نے کہا۔ سبحان اللہ آپ کی بھی کیا شان ہے۔ پتھر کی مانند بے شعور مخلوق پتھروں کا طواف کرتی ہے اور شعور والے گھر والے کا طواف کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے عشق و محبت میں سچے ہوتے تو ان کی اپنی صفات غائب ہو جاتیں۔ اور اللہ کی صفات ان میں بیدار ہو جاتیں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ فرط غم سے میں غش کھا کر گر گیا اور جب ہوش آیا تو وہ خاتون جا چکی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ:

خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ حاجی جسم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں لیکن صوفی (عارف) جب طواف کرتا ہے تو اس کا دل اور روح بھی طواف کرتی ہے۔

فرمایا۔ایک مدت تک میں خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتارہااوراب خانہ کعبہ کی تجلیات سے بہرہ مند ہوتاہوں۔

حضرت ابراہیم خواصؒ:

حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں پیاس سے اس قدر بے چین ہوا کہ چلتے چلتے پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو کر گرپڑا۔ کسی نے میرے منہ میں پانی ڈالا۔ میں نے آنکھیں کھولی تو دیکھاایک نہایت خوبصورت آدمی گھوڑے پر سوار ہے۔اس نے مجھے پانی پلایااور کہا کہ میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔

تھوڑی دیر چلے تھے اس نے مجھ سے پوچھا۔ یہ کون سی آبادی ہے؟ میں نے کہا یہ مدینہ منورہ آگیاہے۔ کہنے لگا،اتر جاؤاور روضہ اقدس پر حاضر ہوتو یہ عرض کردینا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی خضر نے سلام کہاہے۔

حضرت شیخ ابوالخیر اقطعؒ:

شیخ ابوالخیر اقطعؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ حاضر ہوااور پانچ دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ کوئی چیز چکھنے کی نوبت نہ آئی۔ قبراطہرپر حاضر ہوااور حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین پر سلام عرض کرکے منبر شریف کے پیچھے جاکر سوگیا۔ میں نے خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماہیں۔دائیں جانب حضرت ابو بکر صدیقؓ، بائیں جانب حضرت عمر فاروقؓ ہیں اور حضرت علیؓ سامنے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔دیکھ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں اٹھاتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میری آنکھ کھلی توآدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

حضرت احمد رضاخان بریلویؒ:

احمد رضاخان بریلویؒ دوران حج مدینہ منورہ حاضر ہوئے اس وقت دل میں یہ تمناابھری کہ کاش مجھے بیداری میں محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔

مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر دیر تک درود پڑھتے رہے لیکن مراد بر نہ آئی تو ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہ شریف میں پڑھ کر آنکھیں بند کر کے باادب انتظار میں کھڑے ہو گئے قسمت جاگ اٹھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

سلاسل کی دینی جدوجہد اور نظامِ تربیت

اللہ تعالیٰ کاارشادہے کہ :

”میری سنت میں تبدیلی ہوتی ہےاورنہ تعطل واقع ہوتاہے۔“

اپنی مشیئت کے تحت اللہ تعالیٰ نے اچھائی، برائی کا تصور قائم کرنے اور نیکی اور بدی میں امتیاز کرنے کے لئے پیغمبروں کے ذریعے احکامات صادر فرمائے۔سب پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کر کے نوعِ انسانی کو بتایاہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہی نجات کاراستہ ہے۔چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔اور دین کی تکمیل ہوچکی ہے۔اس لئے اللہ کی سنت جاری رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاءاولیاءاللہ کی جماعت نے اس بات کااہتمام کیاکہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور احکامات کاتسلسل قائم رہے۔ہر زمانے میں اولیاءاللہ خواتین وحضرات نے اس فرض کو پوراکیااور قیامت تک یہ سلسلہ قائم رہے گا۔

ہندوپاکستان، برما، ملائیشیا، انڈونیشیا، افریقہ، ایران، عراق، عرب، چین اور ہر ملک میں اولیاءاللہ نے تبلیغ کی، اللہ کی مخلوق کی خدمت کی، زمانے کے تقاضوں کے مطابق توحید کی دعوت دی۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں، اگر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت داتاگنج بخشؒ، شیخ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت بہاؤالدین زکریاؒ، بہاؤالحق نقشبندؒ، لعل شہباز قلندرؒ، شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ، قلندر باباؒاولیاءؒاور دوسرے مقتدر اہل باطن صوفیاءاسلام کی آبیاری نہ کرتے توآج دنیامیں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہ ہوتے۔صوفیاءکرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ووراثت کاحق پوراکرنے کے لئے اپناتن، من، دھن سب قربان کردیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطافرمایا اورانہیں کامران وکامیاب کیا۔

صوفیاء کرام یقینی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ بندہ اگر کچھ کرتا ہے تو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات واحکامات کے تحت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :

"میرا بندہ قرب نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہو جاتا ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے، مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے بولتا ہے۔"

یعنی ایسے بندے کے افعال واعمال اللہ کے تابع ہو جاتے ہیں۔

دوسوسلاسل:

دنیا میں تقریباً دوسو سلاسل ہیں۔ جو شریعت و طریقت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے عرفان ذات، تسخیر کائنات کے فارمولوں اور پیغمبرانہ طرز فکر کی تعلیم دیتے ہیں۔

ان سلسلوں کی قائم کردہ روحانی درسگاہوں میں سالک کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اللہ کو محیط دیکھ لے، سالک اللہ سے محبت کرتا ہے، اللہ کے پسندیدہ کام ڈر کر اور خوفزدہ ہو کر نہیں بلکہ اللہ کی محبت میں اس لئے کرتا ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہو جائے۔ اللہ کے ناپسندیدہ اعمال سے اس لئے اجتناب کرتا ہے کہ اللہ میرا کفیل ہے، میرا محافظ ہے اور میرا خالق ہے۔

قیام صلوۃ، عبادات اور مراقبوں کے ذریعہ اللہ کو اپنے اندر ڈھونڈتا ہے۔ سالک کی زندگی کا مقصد اللہ کا دیدار اور اللہ سے ہمکلامی ہے۔ سلسلہ کے اسباق پر مداومت کرکے اور مرشد کریم کی نسبت و محبت سے یہ عمل اس کا یقین بن جاتا ہے کہ میں اللہ کے پاس سے آیا ہوں اور مجھے اللہ کے پاس جانا ہے۔ خدمت خلق اور عفوودرگذر اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں۔

برصغیر میں جو سلاسل مشہور ہیں ان کے علاوہ اور بھی کئی سلسلے ہیں جو ساری دنیا میں رشد وہدایت اور ماورائی علوم کی تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً

*سلسلہ قادریہ *سلسلہ جنیدیہ *سلسلہ کبرویہ

*سلسلہ فردوسیہ *سلسلہ چشتیہ *سلسلہ شطاریہ

*سلسلہ سہروردیہ *سلسلہ نقشبندیہ *سلسلہ عظیمیہ

سلاسل کی معلوم تعداد دوسو بتائی جاتی ہے۔

*سلسلہ قادریہ:

امام سلسلہ قادریہ پیران پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ کو حضرت علی مرتضیٰؓ اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست فیض ملا۔ ۴۷۰ ہجری کو قصبہ گیلان میں پیدا ہوئے۔اسم گرامی عبدالقادر اور محی الدین لقب ہے۔

سلسلہ قادریہ آپ کے نام عبدالقادر سے منسوب ہے۔آپ کا شجرہ نسب سیدنا امام حسینؓ بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ سے ملتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا روحانی شجرہ شیخ حماد الیاسؒ اور ابوسعید المبارکؒ سے حضرت حسن بصریؒ، حضرت علیؓ اور رحمت اللعالمین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔

ریاضت وعبادت اور مشکل وکٹھن مراحل سے گزرنے کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ شیخ ابوسعید مبارک صبح کے وقت ایک کوٹھے میں بند کردیتے تھے اور اگلے روز عصر کے وقت کمرہ سے باہر نکالتے تھے۔کچھ عرصہ تک حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کمرہ سے آنے کے بعد احتجاج کرتے غصہ کرتے اور کہتے مجھے کیوں قید کیا ہوا ہے۔لیکن جب مرشد فرماتے عبدالقادر کمرہ میں چلو باہر رہنے کا وقت پورا ہوگیا تو خاموشی کے ساتھ کوٹھے میں چلے جاتے تھے۔مزاحمت نہیں کرتے تھے۔یہ ریاضت مسلسل تین سال تک جاری رہی۔ اس ہی طرح کے واقعات حضرت ابوبکر شبلیؒ اور امام غزالیؒ کی ریاضت وعبادات کے ہیں۔

ابوبکر شبلیؒ:

صوفیاء کے سرخیل حضرت جنید بغدادیؒ سے جب بغداد کے گورنر ابوبکر شبلی نے اہل تصوف کے گروہ میں داخل ہونے کی درخواست کی تو حضرت جنید نے فرمایا کہ آپ تصوف کے تقاضوں کو پورا کرسکیں گے۔ابوبکر شبلی نے کہا میں اس کے لئے تیار ہوں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کیونکہ تم بغداد کے گورنر رہ چکے ہو اور اس گورنری کا تکبر تمہارے اندر موجود ہے۔جب تک یہ تکبر نہیں نکل جاتا تم تصوف کے علوم نہیں سیکھ سکتے۔اور اس تکبر کو ختم کرنے کا پہلا سبق یہ ہے کہ تمہیں بغداد کی گلیوں میں بھیک مانگنا پڑے گی اور پھر اہل بغداد نے دیکھا کہ شبلی نے بغداد کی گلیوں میں بھیک مانگی۔

امام غزالیؒ:

امام غزالیؒ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے۔بڑے بڑے جید علماء ان کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔بیٹھے بیٹھے ان کو خیال آیا کہ خانقاہی نظام دیکھنا چاہئے کہ یہ لوگ کیا پڑھاتے ہیں۔پھر وہ اس تلاش وجستجو میں سات سال تک مصروف رہے۔اس سلسلہ میں انہوں نے دور دراز کا سفر بھی کیا۔ بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ کسی نے پوچھا۔ ''آپ ابوبکر سے بھی ملے ہیں؟''

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ : میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ جو فقراء نے اپنے بارے میں مشہور کر رکھی ہیں۔ لیکن پھر وہ حضرت ابو بکر شبلی سے ملاقات کے لئے عازم سفر ہو گئے جس وقت وہ سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کا لباس اور سواری میں گھوڑے اور زین کی قیمت ہزار اشرفی تھیں۔ شاہانہ زندگی بسر کرنے والے امام غزالی منزلیں طے کر کے ابو بکر شبلی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے گدڑی سی رہے تھے۔ امام غزالی حضرت ابو بکر شبلی کی پشت کی جانب کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابو بکر شبلیؒ نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر فرمایا کہ :

’’غزالی تو آگیا۔۔۔۔۔۔ تو نے بہت وقت ضائع کر دیا۔ میری بات غور سے سن! شریعت میں علم پہلے اور عمل بعد میں ہے۔ طریقت میں عمل پہلے اور علم بعد میں ہے۔ اگر تُو قائم ہو سکتا ہے تو میرے پاس قیام کر ورنہ واپس چلا جا۔‘‘

امام غزالیؒ نے ایک منٹ توقف کیا اور کہا میں آپ کے پاس قیام کروں گا۔ حضرت ابو بکر شبلیؒ نے فرمایا کہ سامنے کونے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ امام غزالی مسجد کے کونے میں جا کر کھڑے ہو گئے کچھ دیر بعد ابو بکر شبلی نے بلایا اور دعا سلام کے بعد اپنے گھر لے گئے۔

تین سال کی سخت ریاضت کے بعد امام غزالیؒ جب بغداد واپس پہنچے تو ان کے استقبال کے لئے پورا شہر اُمنڈ آیا۔ لوگوں نے جب ان کو صاف ستھرے عام لباس میں دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ انہوں نے کہا: ’’امام! شان و شوکت چھوڑ کر تم کو کیا ملا ہے؟‘‘ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ :

’’اللہ کی قسم! اگر میرے اوپر یہ وقت نہ آتا اور میرے اندر سے بہت بڑا عالم ہونے کا زعم ختم نہ ہوتا تو میری زندگی برباد ہو جاتی۔‘‘

سلسلہ قادریہ میں درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ذکر خفی اور ذکر جلی دونوں اشغال کثرت سے کئے جاتے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے آفاقی قوانین کے رازہائے سربستہ کا انکشاف فرمایا ہے۔ قدرت کے قوانین کے استعمال کا ایسا طریقہ پیش کیا ہے اور ان قوانین کو سمجھنے کی ایسی راہ متعین فرمائی جہاں سائنس ابھی تک نہیں پہنچ سکی۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بتایا کہ زمین و آسمان کا وجود اس روشنی پر قائم ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا نور فیڈ کرتا ہے۔ اگر نوع انسانی کا ذہن مادے سے ہٹ کر اس روشنی پر مرکوز ہو جائے تو انسان یہ سمجھنے کے قابل ہو جائے گا کہ اس کے اندر عظیم الشان ماورائی صلاحیتیں ذخیرہ کر دی گئی ہیں۔ جن کو استعمال کر کے نہ صرف یہ کہ وہ زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا سکتا ہے بلکہ ان کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور لہروں کو حسب منشاء استعمال کر سکتا ہے۔ پوری کائنات اس کے سامنے ایک نقطہ بن کر آجاتی ہے اس مقام پر انسان مادی وسائل کا محتاج نہیں رہتا۔ وسائل اس کے سامنے سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نظام تکوین میں ممثل کے درجے پر فائز ہیں اور نظامت کے امور میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیر حضوری ہیں۔

رجال الغیب اور تکوینی امور میں خواتین وحضرات کا بڑے پیر صاحبؒ سے ہر وقت واسطہ رہتا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں بڑے پیر صاحبؒ کا یہ مقام ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج تک ان کی کوئی درخواست نامنظور نہیں فرمائی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے پیر صاحبؒ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے مزاج شناس ہیں کہ وہ ایسی کوئی بات کرتے ہی نہیں جو حضور ﷺ کی طبیعت اور مزاج مبارک کے خلاف ہو۔ سیدنا شیخ عبدالقادر پیران پیر دستگیرؒ کی تمام کرامات کو مختصر سے وقت میں سمیٹ لینا ممکن نہیں ہے۔

تین کرامات سائنسی توجیہہ کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔

جنس کی تبدیلی:

ایک شخص نے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ’’یا شیخ! میں فرزند ارجمند کا خواستگار ہوں۔‘‘

شیخ نے فرمایا:

’’میں نے دعا کی ہے اللہ تمہیں فرزند عطا کرے گا۔‘‘

اس کے ہاں لڑکے کے بجائے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ لڑکی کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔

شیخ نے فرمایا:

’’اس کو کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے جا اور دیکھ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔‘‘

گھر جا کر دیکھا تو لڑکی لڑکا بن گیا تھا۔ اس کرامت کی علمی توجیہہ یہ ہے۔

عورت اور مرد کی تخلیق:

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

’’اور ہم نے تخلیق کیا ہر چیز کو جوڑے دوہرے۔‘‘

Equation یہ ہے کہ ہر فرد دو پرت سے مرکب ہے۔ ایک پرت ظاہر اور غالب رہتا ہے اور دوسرا پرت مغلوب اور چھپا ہوا رہتا ہے۔ عورت بھی دو رخ سے مرکب ہے اور مرد بھی دو رخ سے مرکب ہے۔ عورت میں ظاہر رخ وہ ہے جو صنف لطیف کے خدوخال میں نظر آتا ہے اور باطن رخ وہ ہے جو ظاہر آنکھوں سے مخفی ہے۔ اسی طرح مرد کا ظاہر رخ وہ ہے جو مرد کے خدوخال میں نظر آتا ہے اور باطن رخ وہ ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس کی تشریح یہ ہوئی کہ مرد بحیثیت مرد کے جو نظر آتا ہے وہ اس کا ظاہر رخ ہے

عورت بحیثیت عورت کے جو نظر آتی ہے وہ اس کا ظاہر رخ ہے۔Equation یہ بنی کہ مرد کے ظاہر رخ کا متضاد باطن رخ عورت، مرد کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اور عورت کے ظاہر رخ کے ساتھ اس کا متضاد باطن رخ مرد چپکا ہوا ہے۔

جنسی تبدیلی کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ باطن رخ میں اس طرح تبدیلی واقع ہو جاتی ہے کہ مرد کے اندر اس کا باطن رخ عورت غالب ہو جاتا ہے اور ظاہر رخ مغلوب ہو جاتا ہے۔ نتیجہ میں کوئی مرد عورت بن جاتی ہے اور کوئی عورت مرد بن جاتا ہے۔

صاحب بصیرت اور صاحب تصرف بزرگ چونکہ اس قانون کو جانتے ہیں اس لئے تخلیقی فارمولے میں ردو بدل کر سکتے ہیں۔وزیر حضوری پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو کائنات میں جاری وساری تخلیقی قوانین کا علم حاصل ہے۔انہوں نے تصرف کر کے لڑکی کے اندر باطن رخ مرد کو غالب کر دیا اور وہ لڑکی سے لڑکا بن گیا۔

عیسائی اور مسلمان:

ایک روز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک محلہ سے گزرے وہاں ایک عیسائی اور ایک مسلمان دست و گریبان تھے۔پوچھا۔

"کیوں لڑ رہے ہو؟"

مسلمان نے کہا:

"یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عیسائی سے دریافت کیا:

"تم کس دلیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دیتے ہو؟"

عیسائی نے کہا:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔"

بڑے پیر صاحبؒ نے فرمایا:

"میں نبی نہیں ہوں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔اگر میں مردہ زندہ کر دوں تو تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ گے؟"

عیسائی نے کہا:

''بے شک میں مسلمان ہو جاؤں گا۔''

اس کے بعد حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا۔۔۔مجھے کوئی پرانی قبر دکھاؤ۔

عیسائی، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو پرانے قبرستان میں لے گیا اور ایک پرانی قبر کی طرف اشارہ کرکے کہا:

''اس قبر کے مردہ کو زندہ کرو۔''

حضرت غوث پاکؒ نے فرمایا:

''قبر میں موجود یہ شخص دنیا میں موسیقار تھا۔ اگر تم چاہو تو یہ قبر میں سے گاتا ہوا باہر نکلے گا۔'' عیسائی نے کہا:

''ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔''

حضرت شیخؒ قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''قم باذن اللہ''

قبر پھٹ گئی اور مردہ گاتا ہوا قبر سے باہر آگیا اور عیسائی حضرت شیخؒ کی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

علمی توجیہہ:

اس کرامت کی علمی توجیہہ یہ ہے کہ ہم جسے آدمی کہتے ہیں وہ گوشت پوست کے پنجرہ سے بنا ہوا پتلا ہے اس پتلے کی حیثیت اسی وقت تک برقرار ہے جب تک کہ پتلے کے اندر روح ہے۔ روح نکل جائے تو ہم اس کو زندہ آدمی نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔''

روح اللہ کا امر ہے۔

سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے امر رب کی تعریف یہ فرمائی ہے:

''اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔'' اس کی Equation یہ بنی۔۔۔۔۔آدمی پتلا ہے، پتلا خلاء ہے۔۔۔۔۔۔خلاء میں روح ہے، روح امر رب ہے اور امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' اور وہ چیز مظہر بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کو روح اور تخلیقی فارمولوں کا علم عطا کیا ہے۔ حضرت شیخؒ نے اسرار و رموز الٰہیہ کے اس فارمولے کے مطابق جب فرمایا:

قم باذن اللہ

تو مردہ قبر سے باہر نکل آیا۔

لوح محفوظ پر تبدیلی:

ایک ولی سے ولایت چھن گئی جس کی وجہ سے لوگ اسے مردود کہنے لگے۔ بے شمار اولیاءاللہ نے اس کا نام لوح محفوظ پر اشقیاء کی فہرست میں لکھا ہوا دیکھا۔ وہ بندہ نہایت سراسیمگی اور مایوسی کے عالم میں پیران پیر دستگیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو رو کر اپنی کیفیت بیان کی۔ حضرت غوث پاکؒ نے اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: ''اسے میں نے تمہارے سپرد کیا، جو چاہے کرو۔''

آپؒ نے اسے سر دھونے کا حکم دیا اور اس کا نام بدبختوں کی فہرست سے دھل گیا۔

اس کرامت کی توجیہہ یہ ہے:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ورثتاً علوم اور اختیارات منتقل ہوئے ہیں۔ یہ علوم اور اختیارات ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں اپنے بندے کو دوست رکھتا ہوں اور میں اس کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں، پھر وہ میرے ذریعے سنتا ہے، میرے ذریعے بولتا ہے اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتا ہے۔''

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ علم لدنی کے حامل بندے ہیں جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو اس کا نام اشقیاء کی فہرست سے نکل کر سعید روحوں میں درج ہو گیا۔

ماہ ربیع الثانی ۱۶۷ھ کے شروع میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سخت علیل ہو گئے اور ۹ ربیع الثانی کو نوے سال سات ماہ کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ دوران علالت صاحبزادہ کو نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امید نہ رکھنا، تقویٰ اور عبادت کو شعار بنانا، توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کرنا۔

سلسلہ چشتیہ:

سلسلہ چشتیہ میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت ''الا اللہ'' پر زور دیا جاتا ہے بلکہ سلسلہ کے اراکین الا اللہ کے الفاظ کو ادا کرتے وقت سر اور جسم کے بالائی حصے کو ہلاتے ہیں اور ان حضرات پر سماع کے وقت ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے

امام حضرت ممشاد دینوریؒ ہیں۔ اور ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ خواجہ غریب نواز کے ذریعے خوب پھیلا اور مقبول ہوا۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ:

حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، غریب نواز کی ولادت سنجر صوبہ سیستان ایران میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ۱۱۴۱ء ہے۔ سلجوقیہ خاندان کے حکمران سلطان سنجر نے گیارہویں صدی عیسوی میں اس شہر کو آباد کیا تھا۔ خواجہ غریب نواز کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید غیاث الدین اور والدہ کا نام ماہ نور تھا۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی عمر تیرہ برس کی تھی تو حسن بن صباح کے فدائیوں نے سنجر پر حملہ کر کے اسے تاراج کر دیا۔۔۔۔۔ نامور علماء اور مشائخ کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ خواجہ غریب نواز کے والد خاندان کے افراد کے ساتھ خراسان میں نیشاپور منتقل ہو گئے۔ سفر کی سختی اور مصائب و آلام نے سید غیاث الدین کی صحت پر برا اثر ڈالا۔

حالات اور صحت کی خرابی کی وجہ سے دو سال میں ان کا انتقال ہو گیا اور ایک سال کے بعد والدہ ماجدہ ماہ نور بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ خواجہ غریب نواز ان لگاتار حوادث اور صدموں کی وجہ سے زیادہ وقت خاموش رہنے لگے۔

ایک روز ایک درویش ابراہیم قندوزی تشریف لائے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے انہیں سائے میں بٹھایا۔ درویش بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اپنے تھیلے سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا، دانتوں سے چبایا اور خواجہ صاحبؒ کو دے دیا۔ آپؒ نے بلا تکلف کھلی کا ٹکڑا کھا لیا۔

سترہ سال کی عمر میں آپ نے سمرقند کے عالم دین مولانا حسام الدین بخاری کی شاگردی اختیار کی اور دو سال تک ان سے تفسیر، حدیث فقہ کے علوم پڑھے۔ ۲۰ سال کی عمر میں ریاضی فلکیات اور علم طب میں مہارت حاصل کی۔

حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ:

حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ نے اپنے شاگرد حضرت ابو اسحاقؒ کو وسط ایشیائی ریاستوں میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ ان ریاستوں میں آتش پرست بہت بڑی تعداد میں رہتے تھے۔

امام سلسلہ حضرت ممشاد دینوریؒ نے رخصت کے وقت سلسلہ کی اجازت و خلافت عطا کی اور اس نئے سلسلے کا نام چشتیہ رکھا۔

لفظ چشتی نے آتش پرستوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا اور تبلیغ اسلام کے لئے حضرت ممشاد دینوریؒ کی حکمت سے بہت فائدہ ہوا۔ چشتیہ بزرگوں کی جدوجہد سے بے شمار آتش پرست مسلمان ہو گئے چونکہ چشتی کے لفظ سے آتش پرست بخوبی واقف تھے اس لئے انہوں نے ان بزرگوں کو اپنے لئے اجنبی محسوس نہیں کیا۔

چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے خدمت، اخلاق اور سخاوت کے ذریعہ لوگوں کو اپنے قریب کر لیا اور ان تک اسلام کی روشنی پھیلائی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب سلسلہ چشتیہ کے بزرگ خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر ۱۸ برس تھی۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ نے بیعت کرنے کے بعد آپ کو خانقاہ میں پانی بھرنے کی ذمہ داری سونپ دی۔

دن مہینوں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے۔ کم و بیش ۲۲ سال خواجہ صاحب یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ جب خواجہ معین الدینؒ کی عمر ۴۰ سال ہوئی تو ایک روز حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے آپ کو بلایا اور پوچھا۔ ''تمہارا کیا نام ہے؟''

خواجہ صاحب نے عرض کی۔ حضور اس خادم کا نام معین الدین ہے۔

معین الدین چشتیؒ اپنی تصنیف ''انیس الارواح'' میں تحریر کرتے ہیں:

''مرشد کریم نے ارشاد فرمایا۔ دو رکعت نماز ادا کرو۔ میں نے ادا کی۔ پھر فرمایا قبلہ رو بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ حکم دیا! سورۃ بقرہ پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ فرمان ہوا کہ اکیس مرتبہ درود شریف پڑھ۔ میں نے پڑھا۔ پھر مرشد کریم کھڑے ہو گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی جانب منہ کر کے فرمایا۔ تجھے خدا سے ملا دوں۔ پھر فرمایا۔ آسمان کی طرف دیکھ۔ میں نے دیکھا۔ پوچھا کہاں تک دیکھتا ہے۔ عرض کیا، عرش اعظم تک۔ فرمایا زمین کی طرف دیکھ۔ میں نے دیکھا۔ دریافت فرمایا کہاں تک دیکھتا ہے۔ عرض کیا تحت الثریٰ تک۔ پھر فرمایا سورہ اخلاص پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ فرمایا۔ آسمان کی طرف دیکھ۔ میں نے دیکھا۔ پوچھا اب کہاں تک دیکھتا ہے۔

عرض کیا۔ حجاب عظمت تک۔ فرمایا آنکھیں بند کر۔ میں نے بند کر لیں۔ فرمایا کھول۔ میں نے کھول دیں۔ پھر مجھے اپنی دو انگلیاں دکھا کر پوچھا کیا دیکھتا ہے؟۔۔۔ میں نے عرض کیا۔ مجھے اٹھارہ ہزار عالمین نظر آ رہے ہیں۔ پھر سامنے پڑی ہوئی اینٹ اٹھانے کا حکم دیا۔۔۔ میں نے اینٹ اٹھائی تو مٹھی بھر دینار برآمد ہوئے۔۔۔ فرمایا۔ یہ فقراء میں تقسیم کر دے۔۔۔ میں نے دینار تقسیم کر دیئے۔''

خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں:

''رخصت کرتے وقت مرشد کریم نے مجھے اپنے سینہ سے لگایا۔ سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا تجھے خدا کے سپرد کیا۔ اور عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔''

سلسلۂ چشتیہ کی خدمات:

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے مرشد کریم سے رخصت ہونے کے بعد مختلف شہروں اور ملکوں سے ہوتے ہوئے حرم شریف کا سفر اختیار کیا۔ راستہ میں اصفہان شہر میں خواجہ بختیار کاکیؒ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بیعت کی درخواست کی۔

جو خواجہ غریب نوازؒ نے قبول فرمائی۔ دونوں حضرات مکہ معظمہ پہنچے اور حج کیا پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مسجد نبوی میں آپ مسلسل مراقبہ اور مشاہدہ میں مشغول رہے۔ ایک روز آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے معین الدینؒ تو میرے دین کا معین ہے۔ میں نے ولایت ہندوستان تجھے عطا کی۔ وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر چلا جا۔ تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق افروز ہوگا۔''

دربار رسالت ﷺ کی اس بشارت سے خواجہ غریب نوازؒ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ اجمیر کے بارے میں آپؒ کچھ نہیں جانتے تھے کہ اجمیر کس ملک میں ہے؟ میں وہاں کیسے پہنچوں؟ سفر کے لئے کون سا راستہ اختیار کروں۔ اس ہی سوچ میں آنکھ لگ گئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمیر کے بارے میں باخبر کیا۔

اجمیر کے ارد گرد قلع و کوہستان بھی دکھائے اسی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواجہ معین الدینؒ کو جنت کا ایک انار عطا فرمایا اور آپ کو سفر کے لئے رخصت کر دیا۔

فوراً آپؒ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ ۱۱۸۹ء میں آپ مدینہ منورہ سے بغداد پہنچے کچھ عرصہ قیام کر کے افغانستان کے راستے لاہور پہنچے اور لاہور میں حضرت سید علی ہجویریؒ کے مزار پر چالیس روز مراقبہ میں مشغول رہے۔

راگ اور سُر:

لاہور سے ملتان تشریف لائے۔ خواجہ صاحب نے ملتان میں تقریباً پانچ سال قیام فرمایا۔ ملتان میں سنسکرت اور دیگر مقامی زبانیں سیکھیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کیا، وہاں کی ثقافت کا جائزہ لیا۔ مذہب اور عقائد کو گہری نظر سے دیکھا۔ ہندوؤں میں موسیقی کی مذہبی اہمیت کو سمجھتے ہوئے آپ نے راگ اور سُر کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور ساز بجانا سیکھا پھر اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت اجمیر کا فرماں رواں پرتھوی راج تھا۔

خواجہ غریب نواز اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ہرے بھرے علاقے میں ٹھہر گئے لیکن مقامی حکام نے آپ کو اس جگہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی۔انہوں نے کہا یہ جگہ راجہ کے اونٹوں کے لئے مخصوص ہے۔خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔"اچھا اونٹ بیٹھتے ہیں تو بیٹھیں۔" اس کے بعد آپ نے اناساگر کے کنارے ایک جگہ کو منتخب فرمایا۔

شام کے وقت اونٹ آکر میدان میں بیٹھ گئے لیکن اگلے دن صبح اونٹ بیٹھے ہی رہے۔بہت کوشش کر کے انہیں اٹھایا گیا لیکن وہ نہیں اٹھے۔داروغہ نے اس واقعہ کی اطلاع اپنے افسران کو پہنچائی۔ان لوگوں نے بھی کوشش کی لیکن اونٹ نہیں اٹھے۔بالآخر یہ معاملہ پرتھوی راج تک پہنچ گیا۔اسے بھی حیرت ہوئی جب اسے پتہ چلا کہ کوئی مسلمان سادھو یہاں آئے تھے اور انہوں نے اس جگہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا تھا تو راجہ نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جاکر اس سادھو فقیر سے معافی مانگو۔سپاہی حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔خواجہ غریب نوازؒ مسکرائے اور ازراہ شفقت گردن کے اشارے سے معاف کر دیا۔سپاہی اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ اونٹ کھڑے تھے۔مندر کے پنڈت یہ کرامت دیکھ کر خواجہ غریب نوازؒ کے گرویدہ ہو گئے۔ان پنڈتوں اور سادھوؤں میں سے جو افراد تلاش حق کا جذبہ رکھتے تھے ان میں سے شادی دیو اور راجے پال نے اسلام قبول کر لیا۔

لفظ اجمیر۔۔۔آجا۔میر،سے بنا ہے۔آجا سورج کو اور میر پہاڑ کو کہتے ہیں۔

اندر کی آنکھ:

ایک سادھو خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔سادھو گیان دھیان سے اس مقام پر پہنچ گیا تھا کہ جہاں نظر آئینہ ہو جاتی ہے۔مقابل آدمی ایسا نظر آتا ہے جیسے ٹیلی ویژن کی اسکرین پر تصویر نظر آتی ہے۔

سادھو نے مراقبہ کیا۔اس نے دیکھا کہ خواجہ صاحبؒ کا سارا جسم بقعۂ نور ہے لیکن دل میں ایک سیاہ دھبہ ہے۔سادھو نے جب خواجہ صاحب سے مراقبہ کی کیفیت بیان کی تو خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔تو سچ کہتا ہے۔

سادھو یہ سن کر حیرت کے دریا میں ڈوب گیا اور کہا چاند کی طرح روشن آتما پر یہ دھبہ اچھا نہیں لگتا۔کیا میری شکتی سے یہ دھبہ دور ہو سکتا ہے؟

خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔"ہاں" تو چاہے تو یہ سیاہی دھل سکتی ہے۔

سادھو نے بھیگی آنکھوں اور کپکپائے ہونٹوں سے عرض کیا۔

"میری زندگی آپ کی نذر ہے۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا:

''اگر تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو یہ دھبہ ختم ہو جائے گا۔ سادھو کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی لیکن چونکہ وہ اپنے اندر سے مٹی کی کثافت دھو چکا تھا اس لئے وہ اللہ کے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ''آتما کی آنکھ سے اندر دیکھ۔'' سادھو نے دیکھا تو روشن دل سیاہ دھبے سے پاک تھا۔

سادھو نے خواجہ غریب نوازؒ کے آگے ہاتھ جوڑ کر بنتی کی۔ مہاراج اس انہونی بات پر سے پردہ اٹھایئے۔ خواجہ اجمیریؒ نے فرمایا۔ ''وہ روشن آدمی جس کے دل پر تو نے سیاہ دھبہ دیکھا تھا تو خود تھا۔ لیکن اتنی شکتی کے بعد بھی تجھے روحانی علم حاصل نہیں ہوا۔'' وہ علم یہ ہے کہ آدمی کا دل آئینہ ہے اور ہر دوسرے آدمی کے آئینے میں اسے اپنا عکس نظر آتا ہے تو نے جب اپنی روشن آتما میرے اندر دیکھی تو تجھے اپنا عکس نظر آیا۔ تیرا ایمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر نہیں تھا اس لئے تیرے دل پر سیاہ دھبہ تھا اور جب تو نے کلمہ پڑھ لیا تو تجھے میرے آئینے میں اپنا عکس روشن نظر آیا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشائخ چشت کی خانقاہیں اسلامی جدوجہد کا مرکز بنی رہیں۔ یہ خانقاہیں تقویٰ، دین، خدمت خلق، توکل اور روحانی علوم حاصل کرنے کی یونیورسٹیاں تھیں۔ ان خانقاہوں میں طالب علم کو ایسی فضا اور ایسا ماحول میسر آجاتا تھا کہ وہاں تزکیۂ باطن اور تہذیب نفس کیلئے خود بخود انسانی ذہن متوجہ ہو جاتا تھا۔

حصول علم کا مرکز حضرت بابا فرید گنج شکرؒ تھے۔ لیکن اس تعلیم کو حسن و خوبی اور منظم جدوجہد کے تحت حضرت بابا نظام الدین اولیاءؒ نے معراج کمال تک پہنچادیا۔ پچاس سال تک یہ خانقاہیں ارشاد و تلقین کا مرکز بنی رہیں۔ ملک ملک سے لوگ پروانہ وار آتے تھے۔ اور ان کی خدمت میں حاضر باش ہو کر عشق الٰہی اور دین اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کا جذبہ لے کر رخصت ہوتے تھے۔ ان خانقاہوں کا دروازہ امیر و غریب، شہری، دیہاتی، بوڑھے جوان اور بچوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے جلیل القدر خلیفہ برہان الدین کو چار سو ساتھیوں کے ساتھ تعلیم کے لئے دکن روانہ کیا۔ خلیفہ برہان الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر دکن کو اسلامی، دینی اور روحانی علوم سے فیضیاب کیا۔

*سلسلہ سہروردیہ:

سلسلہ سہروردیہ شیخ عبدالقاہر سہروردیؒ سے منسوب ہے۔ اس سلسلے کے خانوادے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ سلسلہ میں تین سال کے مجاہدات کے بعد مرشد دیکھتا ہے کہ قلب کے اندر کتنی سکت پیدا ہوئی اور تزکیہ نفس میں کیا مقام حاصل ہوا ہے۔ تزکیہ نفس اور قلب مصفٰی اور مجلیٰ ہونے کے بعد فیض منتقل کیا جاتا ہے۔ سلسلہ سہروردیہ میں سانس بند کر کے اللہ ھو کا ورد کرایا جاتا ہے اور ذکر جلی اور خفی دونوں کرائے جاتے ہیں۔

بہاؤالدین زکریاملتانیؒ:

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا قریشی تھے۔ان کے جد امجد کمال الدین علی شاہ تھے۔کمال الدین شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور مکہ معظمہ سے رخصت ہو کر ملتان میں سکونت اختیار کی۔کمال الدین علی شاہ کے بیٹے کا نام وجیہہ الدین محمد تھا۔وجیہہ الدین محمد کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی بیٹی سے ہوئی۔شیخ بہاؤالدین زکریاؒ مولانا وجیہہ الدین کے بیٹے ہیں۔

بہاؤالدین زکریاؒ ۱۸ سال کی عمر میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔مکہ سے مدینہ منورہ چلے گئے۔شیخ بہاؤالدین زکریا ۲۱ سال کے ہوئے تو والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔اس کے بعد آپ نے قرآن حفظ کیا اور خراسان چلے گئے۔سات سال تک علمائے ظاہر اور علمائے باطن سے اکتساب فیض کیا۔شب و روز جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ریاضت و مجاہدہ اور مراقبہ میں مشغول رہے۔مدینہ منورہ کی نورانی فضاؤں سے معمور ہو کر بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے بغداد شریف آ گئے۔بغداد میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں ایک عرصہ حاضر باش رہے۔ اذکار و اسباق میں استقامت اور دلجمعی کے ساتھ مشغول رہے۔ مرشد کریم نے خرقہ خلافت عطا فرمایا۔شجرہ طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی سے شروع ہو کر خواجہ حبیب عجمی۔حضرت امام حسن۔حضرت امام علی اور سرور کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔

مرشد کریم کے حکم سے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی ملتان کے لئے عازم سفر ہوئے۔ان کے ساتھ پیر بھائی شیخ جلال الدین تبریزی بھی تھے۔دونوں بزرگ بغداد پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، فریدالدین عطارؒ نے پوچھا کہ بغداد میں کون سا درویش مشغول بحق ہے۔جلال الدین خاموش رہے۔جب یہ بات بہاؤالدین کو معلوم ہوئی تو انہوں نے شیخ جلال الدین سے کہا۔تم نے اپنے مرشد کا نام کیوں نہیں لیا۔انہوں نے جواب دیا کہ شیخ فریدالدین کی عظمت کا مرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا۔یہ سن کر شیخ بہاؤالدین کو بہت ملال ہوا۔

شیخ الاسلام:

سفر میں دونوں حضرات الگ الگ ہو گئے۔شیخ بہاؤالدین زکریا ملتان آ گئے اور جلال الدین تبریزی خراسان چلے گئے۔اور کچھ عرصے بعد جلال الدین تبریزی دہلی چلے گئے۔

اس وقت سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا حکمران تھا۔اللہ والوں سے محبت و عقیدت رکھتا تھا۔حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی آمد کی خبر سلطان کو ملی تو وہ آپ کے استقبال کے لئے شہر پناہ کے دروازہ پر حاضر ہوا گھوڑے سے اتر کر آپ کو تعظیم دی۔نجم الدین صغریٰ اس وقت شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھا۔اس نے سلطان کی عقیدت اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی بے انتہا پذیرائی دیکھی تو اس کے اندر حسد کی آگ بھڑک گئی۔

بغض و عناد کے تحت اس نے ایک گھناؤنی سازش تیار کی اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر تہمت لگادی۔ گوہر نامی ایک طوائف کو اس گھناؤنی سازش میں شریک کیا اور سلطان التمش کے دربار میں مقدمہ پیش کردیا۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو گوہر نے سچ سچ بتا دیا کہ یہ ساری سازش شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کی بنائی ہوئی ہے۔

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے صوفیاء کے بارے میں یہ مشہور کردیا ہے کہ ان کے پاس نذر و نیاز اور فاتحہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب روحانی بزرگوں پر تارک الدنیا ہونے کا لیبل لگادیا جائے گا تو ان کے پاس روحانی افکار کے حصول اور معاشرتی مسائل کے حل کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ ظاہر پرستوں کو معلوم نہیں ہے کہ کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، غیر ضروری دلچسپیوں میں وقت ضائع نہ کرنا۔۔۔۔۔ تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے۔ ہم روزہ رکھتے ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسلام فقر و فاقہ کا مذہب ہے۔

روزہ کے فوائد اس بات کے شاہد ہیں کہ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا روح کی بالیدگی کے وظائف ہیں۔

تبلیغی سرگرمیاں:

سہروردیہ سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی تبلیغی کوششوں کا اپنا ایک الگ نہج تھا۔ اس منظم روحانی تحریک کے ذریعے سندھ، ملتان اور بلوچستان کے علاقوں میں ہزاروں افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی تعلق قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور بے شمار خواتین و حضرات حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت زکریا ملتانیؒ نے ایک اعلیٰ درسگاہ قائم کی تھی۔ اس درسگاہ میں بہت اچھے مشاہرہ پر اساتذہ کا تقرر کیا گیا تھا۔ طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے لئے بہترین ہوسٹل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا احساس پیدا کرنا اس درسگاہ کی پالیسی تھی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جو شخص جس علاقے میں فرائض انجام دینے کی درخواست کرتا۔ اس علاقے کی زبان و ثقافت کی تعلیم کا بندوبست کردیا جاتا تھا۔ اس غرض کے لئے اسے دو برس مزید ٹریننگ دی جاتی تھی۔

دو برس بعد معلمین کو مناسب سرمایہ فراہم کردیا جاتا تھا تاکہ معلم اس سرمایہ سے کاروبار کرے اور کاروبار کے ساتھ تبلیغ کا فریضہ انجام دے۔

حضرت زکریا ملتانیؒ اساتذہ کو یہ ہدایت فرماتے تھے۔ "سامان کم منافع پر فروخت کرنا لین دین میں سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل کرنا۔ ناقص اشیاء فروخت نہ کرنا، خریداروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ جب تک لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہو اسلام کی تعلیمات پیش نہ کرنا"۔ اس کے بعد آپؒ اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت فرماتے تھے۔

دین پھیلانے والے تاجر:

تاجروں کے روپ میں اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانے والے یہ پاکیزہ بندے چین، فلپائن، جاوا، سماٹرا اور دیگر علاقوں تک پھیل گئے۔ یہ حضرات بڑے بڑے شہروں میں ایگزی بیشن منعقد کرتے، صنعتی نمائش کا اہتمام کرتے تھے۔

پیشہ وارانہ دیانت، صفائی، ستھرائی، حسن سلوک کی وجہ سے ہر شخص ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ ان کے اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر لوگ ان سے محبت کرنے لگتے تھے اور خدارسیدہ لوگ نہایت دلنشین انداز میں قلبی سکون کا راز ان لوگوں کے گوش گزار کرتے تھے اور اسلام قبول کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب سے آشنا ہو جاتے تھے۔ مشرق بعید کے بے شمار جزائر میں کروڑوں مسلمان ان ہی روحانی بزرگوں کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے تربیت یافتہ شاگردوں اور بزرگوں نے ساتویں صدی ہجری میں دین کی ظاہری اور روحانی تبلیغ کے لئے ساری دنیا میں مراکز قائم کئے۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے مختلف علاقوں میں جماعتیں روانہ کیں۔ آپؒ کے تربیت یافتہ شاگردوں نے کشمیر سے راس کماری اور گوادر سے بنگال کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا۔

حضرت زکریا ملتانیؒ کی فلاحی خدمات:

حضرت زکریا ملتانیؒ مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی تربیت کا الگ الگ اہتمام فرماتے تھے۔ یہ روحانی تحریک Scientific اور جدید خطوط پر استوار تھی۔ قدرت نے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کو فلاحی ذہن عطا کیا تھا۔ آپؒ نے جنگلوں کو آباد کروایا، کنویں کھدوائے، نہریں تعمیر کروائیں اور زراعت پر بھرپور توجہ دی۔ انہیں ہر وقت عوام کی خوشحالی کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت ان کے لئے سرمایۂ آخرت تھی۔

آپ عوام الناس کے خادم تھے اور عوام آپ سے محبت کرتے تھے۔ یہی حسن اخلاق اور محبت تھی کہ لوگ جوق در جوق مراقبوں میں شریک ہوتے تھے۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عرفان کیلئے ایمانداری اور خلوص نیت کو زندگی کا معیار بنا لیا تھا۔ روح کی تقویت کیلئے درود شریف اور اذکار کی محفلیں سجتی تھیں۔ لوگ خود غرضی اور خود پرستی کے ہولناک عذاب سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کرتے تھے۔

شیخ زکریا ملتانیؒ ڈولی میں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آواز سنی۔

اے اہل ملتان! میرا سوال پورا کرو ورنہ میں ملتان شہر الٹ دوں گا۔ حضرت نے ڈولی رکوا کر کچھ دیر توقف کیا۔ اور کہاروں سے کہا۔ چلو۔۔۔ دوسری آواز پر کہاروں سے کہا۔ ڈولی زمین پر رکھ دو۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔۔۔ چلو کچھ نہیں۔۔۔ تیسری آواز پر کہاروں سے فرمایا ڈولی کندھوں سے اتار دو۔۔۔ اور ڈولی سے باہر آ کر کہا۔۔۔ اس فقیر کا سوال جس قدر جلد ممکن ہو پورا کر دو۔

لوگوں نے پوچھا۔۔۔یا حضرت آپ نے دو مرتبہ ڈولی رکوائی اور کچھ نہیں فرمایا۔۔۔تیسری دفعہ فرمایا کہ جتنی جلد ممکن ہو فقیر کا سوال پورا کردو۔۔۔اس کے پس منظر میں کیا حکمت ہے؟

فرمایا۔۔۔پہلی دفعہ فقیر نے سوال کیا تو میں نے اس کی استعداد دیکھی۔مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔دوسری مرتبہ میں نے اس کے مرشد کریم کی استعداد پر نظر ڈالی۔وہاں بھی کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔تیسری دفعہ آواز کا میرے دل پر اثر ہوا۔

میں نے توجہ کی تو----دیکھا کہ اس فقیر کے سلسلہ کے دادا پیر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار اقدس میں باادب کھڑے ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ایک روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ ایک نورانی چہرہ بزرگ آئے اور ایک سر بمہر خط حضرت صدرالدین کو دے کر چلے گئے۔انہوں نے خط والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر دیا۔

والد بزرگوار نے فرمایا۔بزرگ سے میرا اسلام کہو۔اور عرض کرو کہ آدھے گھنٹہ کے بعد آئیں۔حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے امانتیں واپس کیں۔بیٹوں سے کہا کہ درود شریف پڑھیں۔آواز سنائی دی،"دوست بدست دوست رسید" یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدرالدین دوڑے ہوئے حجرے میں گئے۔دیکھا کہ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔تدفین کے بعد صاحبزادہ کو خیال آیا کہ وہ کون بزرگ تھے جن سے ابا نے کہا تھا آدھے گھنٹہ بعد آنا۔صاحبزادے کو خط کی تلاش ہوئی۔تکئے کے نیچے رکھے ہوئے خط میں تحریر تھا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضوری میں طلب فرمایا ہے۔میرے لئے کیا حکم ہے۔

فرشتہ عزرائیل۔"

*سلسلہ نقشبندیہ:

اس سلسلے میں مراد مرید کو سامنے بٹھا کر توجہ کرتا ہے اور مرید کا قلب جاری ہو جاتا ہے اور حضرات ذکر خفی زیادہ کرتے ہیں اور مراقبہ میں سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں۔

ان کے ہاں مرشد اپنے مریدوں سے الگ نہیں بیٹھتا بلکہ حلقے میں ان کے شریک ہوتا ہے۔یہ سلسلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے شروع ہوا اور حضرت بہاؤالدین نقشبند کے نام سے منسوب ہے۔حضرت بہاؤالدین ۴ محرم ۷۱۸ھ کو بلخ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول دوشنبہ بوقت شب وفات پائی۔

خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی ولادت سے پہلے جب خواجہ محمد ساسی باباان کے گھر کے پاس سے گزرتے تھے تو کہتے تھے کہ مجھے یہاں سے کسی مرد حق آگاہ کی خوشبو آتی ہے۔ایک دن اینٹ اور گارے سے بنے ہوئے اس گھر سے علم و عرفان کی روشنیاں طلوع

ہو نگی۔ حضرت بہاؤالدین نقشبند کے دادانے آپ کو خواجہ محمد سماسی بابا کی گود میں ڈال دیا۔ آپ نے نوزائیدہ بچہ کو گود میں لے کر فرمایا۔ یہ میرا فرزند ہے۔ یہ بچہ بڑا ہو کر زمانے کا پیشوا ہو گا۔

حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے شعور کا ادراک ہوا تو دادانے مجھے سماسی باباکی خدمت میں بھیج دیا۔ باباسماسی نے میرے اوپر شفقت فرمائی۔ میں نے شکرانے کے طور پر دو رکعت ادا کی۔ نماز میں میرے اوپر سرشاری طاری ہوگئی اور بے اختیار یہ دعا نکلی۔ ''یاالٰہی! مجھ کو اپنی امانت اٹھانے کی قوت عطافرما۔''

صبح کو باباسماسی کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ اے فرزند! دعااس طرح مانگنی چاہئے۔ ''یاالٰہی! جو کچھ تیری رضا ہے اس ضعیف بندے کو اس پر اپنے فضل و کرم سے قائم رکھ''۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو اپنا دوست بنالیتا ہے تو اس کو بوجھ اٹھانے کی سکت بھی عطافرماتا ہے۔

دل کی نگرانی کرنی چاہئے:

ایک روز کھانا تناول کرنے کے بعد آپ نے مجھے کچھ روٹیاں عنایت کیں۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے تو خوب سیر ہو کر کھانا کھایا ہے۔ میں اتنی روٹیوں کا کیا کروں؟ کچھ دیر بعد آپ نے مجھے ایک دوست کے گھر چلنے کے لئے کہا۔ راستے میں میرے دل میں پھر وہی خیال آیا کہ روٹیوں کا کیا کرنا ہے۔ حضرت میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دل کی نگرانی کرنی چاہئے تاکہ اس میں کوئی وسوسہ داخل نہ ہو۔ جب ہم اس دوست کے گھر پہنچے تو وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حضرت کے سامنے دودھ پیش کیا۔ حضرت سماسی بابانے ان سے کھانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے سچ کہہ دیا کہ آج روٹی نہیں کھائی۔ حضرت نے فرمایا۔

روٹیاں پیش کر دو۔ اس واقعہ کے بعد حضرت کی عزت و توقیر اور عقیدت میرے اندر بہت زیادہ ہوگئی۔

ایک دن فرمایا۔ جب استاد شاگرد کی تربیت کرتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ شاگرد بھی استاد کی تعلیمات کو قبول کرے۔

خواجہ محمد باباسماسی نے خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ اگرچہ ظاہری اسباب میں طریقت کے آداب سید امیر کلال سے سیکھے مگر حقیقتاً آپ اویسی ہیں اور آپ نے خواجہ عبدالخالق نجدوانی کی روح سے فیض پایا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نجا کے مزارات میں سے تین متبرک مزاروں پر حاضر ہوا۔ میں نے ہر قبر پر ایک چراغ جلتا ہوا دیکھا۔ چراغ میں پورا تیل اور بتی ہونے کے باوجود چراغ کی لو کو اونچا کرنے کے لئے بتی کو حرکت دی جارہی تھی۔ لیکن باباسماسی کے مزار کے چراغ کی لو کو مسلسل روشن دیکھ کر میں نے چراغ کی لو پر نظر جمادی۔

اویسی فیض:

میں نے دیکھا کہ قبلہ کی طرف کی دیوار پھٹ گئی اور ایک بہت بڑا تخت نمودار ہوا دیکھا کہ سبز پردہ لٹکا ہوا ہے اس کے قریب ایک جماعت موجود ہے۔ میں نے ان لوگوں میں باباسماسی کو پہچان لیا۔ میں جان گیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اس جہان سے گزر چکے ہیں۔ان میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ تخت پر خواجہ عبدالخالق نجدوانی جلوہ افروز ہیں اور یہ ان کے خلفاء کی جماعت ہے اور ہر خلیفہ کی طرف اشارہ کر کے ان کے نام بتائے۔ یہ خواجہ احمد صدیق ہیں، یہ خواجہ اولیاء کلاں ہیں، یہ خواجہ دیوگری ہیں، یہ صاحب خواجہ محمود الخیر فقتوی ہیں اور یہ خواجہ علی راستی ہیں، جب وہ شخص خواجہ محمد باباسماسی پر پہنچا تو کہا یہ تیرے شیخ ہیں اور انہوں نے تیرے سر پر کلاہ رکھا ہے اور تجھے کرامت بخشی ہے۔اس وقت اس نے کہا کان لگا اور اچھی طرح سن کہ حضرت خواجہ بزرگ ایسی باتیں فرمائیں گے کہ حق تعالٰی کے راستے میں تیرے لئے مشعل راہ بنیں گیں۔

میں نے درخواست کی کہ میں حضرت خواجہ کو سلام اور ان کے جمال مبارک کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ یکایک میرے سامنے سے پردہ اٹھ گیا۔ میں نے نور علی نور بزرگ کو دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور وہ باتیں جو ابتدائی طور پر سلوک اور اس کے درمیان اور اس کی انتہا سے تعلق رکھتی ہیں، مجھے سکھائیں۔

انہوں نے فرمایا۔ جو چراغ تجھے دکھائے گئے ہیں ان میں تیرے لئے ہدایت اور اشارہ ہے کہ تیرے اندر روحانی علوم سیکھنے کی استعداد موجود ہے اور تیرے لئے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اسرار و رموز سکھائیں گے لیکن استعداد کی بتی کو حرکت دینا ضروری ہے تاکہ چراغ کی روشنی تیز ہو جائے۔

دوسری مرتبہ بتایا کہ ہر حال میں امر و نہی کا راستہ اختیار کرنا۔ احکام شریعت کی پابندی کرنا۔ ممنوعات شرعیہ سے اجتناب کرنا۔ سنت والے طریقوں پر پوری طرح عمل کرنا۔ بدعات سے دور رہنا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ہمیشہ اپنا راہنما بنائے رکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے اخبار و آثار یعنی ان کے اقوال و افعال کی تلاش ہو اور جستجو میں رہنا۔ تیرے اس حال یعنی مشاہدے کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ کل علی الصبح تو فلاں جگہ جائے گا اور فلاں کام کرے گا۔ ان لوگوں نے فرمایا۔ اب تو جانے کا قصد کر اور جناب سید امیر کلالؒ کی خدمت میں حاضر ہو۔ ان حضرات کے فرمانے کے بموجب میں حضرت امیر کلالؒ کی خدمت میں پہنچا۔ تو حضرت امیرؒ نے خاص مہربانیاں فرمائیں۔ مجھے ذکر کی تلقین کی اور خفیہ طریقہ پر نفی اثبات کے ذکر میں مشغول فرمادیا۔

شیخ قطب الدین نامی ایک بزرگ نے بتایا کہ میں چھوٹی عمر میں تھا کہ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ فلاں کبوتر خانے سے کبوتر خرید کر لے آؤ۔ ان کبوتروں میں سے ایک کبوتر بہت خوبصورت تھا۔ میں نے یہ کبوتر باورچی خانے میں نہیں دیا۔ کھانا تیار ہونے کے بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ نے مہمانوں میں کھانا تقسیم کیا تو مجھے کھانا نہیں دیا اور فرمایا انہوں نے اپنا حصہ زندہ کبوتر لے لیا ہے۔

صوفیاء کرام کی دینی خدمات:

دہلی بھارت میں حضرت خواجہ باقی باﷲ کا مزار ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت خواجہ باقی باﷲ کے خلیفہ ہیں۔ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد بزرگوار نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہاں اندھیرے میں گھرا ہوا ہے۔ بندر، ریچھ اور سور آدمیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ آپ کے سینہ مبارک سے نور کا جھماکہ ہوا اور اس میں سے ایک تخت ظاہر ہوا اس تخت پر ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ ان کے سامنے ظالم، بے دین اور ملحد لوگوں کو ہلاک کیا جارہا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے والد نے یہ خواب حضرت شاہ کمال کیتھلؒ سے بیان کیا تو شاہ کمال صاحب نے یہ تعبیر دی کہ آپ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس سے اللہ کے دین میں شامل کی ہوئی بدعتیں اور خرافات ختم ہو جائیں گی۔ مجدد صاحب کا نام احمد، لقب بدرالدین ہے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ کی ستائیسویں پشت سے ملتا ہے۔

ہندوستان میں آپ نے کفر و شرک کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ نے ہزاروں مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی اور اپنے دور کے طاقتور بادشاہ اکبر کی ملحدانہ سرگرمیوں کا نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔

اکبر نے کفر والحاد کو یہاں تک پھیلا دیا تھا کہ کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کے بجائے اکبر خلیفتہ اللہ کا حکم جاری کر دیا تھا۔ حضرت مجددؒ نے نا صرف ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا بلکہ ان کی بیخ کنی کے لئے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اکبر و جہانگیر کے قائم کردہ دین الٰہی کا خاتمہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے مجدد الف ثانیؒ کو کامیاب و کامران کیا۔

چنگیز خانی طوفان نے جب دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر دیا۔ شہر ویران ہو گئے، لوگوں کو قتل کر کے ان کے سروں کے مینار بنا دیئے گئے، بغداد کی آٹھ لاکھ آبادی میں سے چار لاکھ قتل و غارتگری کی بھینٹ چڑھ گئی، علم و حکمت کی کتابوں کا ذخیرہ آگ کی بھٹیوں میں جھونک دیا گیا، علماء اور فضلاء اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے۔ اس وقت بھی اس سرکش طوفان کا صوفیاء نے مقابلہ کیا۔ ان لوگوں نے اسلام دشمن لوگوں کی اس طرح تربیت کی کہ اسلام کے دشمن شمع اسلام بن گئے۔

سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ، ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تشریف لے گئے، تگودار خان شکار سے واپس آرہا تھا کہ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر از راہ تمسخر پوچھا:

اے درویش تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟ اس بیہودہ اور ذلت آمیز سوال پر بزرگ برہم نہیں ہوئے، شگفتہ لہجہ کے ساتھ تحمل سے فرمایا:

''میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرلوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔

تگودار خان اس غیر متوقع اور انا کی گرفت سے آزاد جواب سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بزرگ کو اپنا مہمان بنالیا اور درویش کے حلم و بردباری اور اخلاق سے متاثر ہو کر اس نے درپردہ اسلام قبول کر لیا لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے تگودار خان نے درویش کو رخصت کر دیا۔ وفات سے پہلے درویش نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ تگودار خان کے پاس جائے اور اس کو اپنا وعدہ یاد دلائے۔ صاحب زادے تگودار خان کے پاس پہنچے اور اپنے آنے کی غایت بیان کی۔ تگودار خان نے کہا تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں لیکن فلاں سردار تیار نہیں ہے اگر وہ بھی مسلمان ہو جائے تو مشکل آسان ہو جائے گی۔

صاحب زادے نے جب اس سردار سے گفتگو کی تو اس نے کہا۔ میری ساری عمر میدان جنگ میں گزری ہے۔ میں علمی دلائل کو نہیں سمجھتا میرا مطالبہ ہے کہ آپ میرے پہلوان سے مقابلہ کریں۔ اگر آپ نے اسے پچھاڑ دیا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

درویش زادے، لاغر، دبلے اور جسمانی لحاظ سے کمزور تھے۔ تگودار خان نے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا لیکن درویش کے بیٹے نے سردار کا چیلنج منظور کر لیا۔ مقابلے کے لئے جگہ اور تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ مقررہ دن مخلوق کا اژدہام یہ عجیب و غریب دنگل دیکھنے کے لئے میدان میں جمع ہو گیا۔ ایک طرف نحیف اور کمزور ہڈیوں کا ڈھانچہ لاغر جسم تھا اور دوسری طرف گرانڈیل اور فیل تن پہلوان تھا۔

تگودار خان نے کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو لیکن درویش مقابلہ کرنے کے لئے مصر رہا اور جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں آئے تو درویش زادے نے اپنے حریف کو زور سے طمانچہ مارا اور وہ پہلوان اس تھپڑ کو برداشت نہ کر سکا۔ اس کی ناک سے خون کا فوارہ ابلا اور پہلوان غش کھا کر زمین پر گر گیا۔ سردار حسب وعدہ میدان میں نکل آیا۔ اس نے درویش زادے کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اعلان کر کے اپنا نام احمد رکھا۔ ہلاکو خان کا چچازاد بھائی بھی شیخ شمس الدین باخوریؒ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

قسطنطنیہ کی تاریخ اسلام کا ایک لافانی باب ہے۔ حضرت شمس الدین، سلطان محمدؒ کے مرشد کریم تھے۔ انہی کی ترغیب اور بشارت سے سلطان محمد نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ ہم تاریخ کے صفحات جتنے زیادہ پلٹتے ہیں اہل تصوف اور روحانی لوگوں کا ایک قافلہ ہمارے سامنے آتا ہے جو دین اسلام کو پھیلانے میں ہمہ تن مصروف نظر آتا ہے۔

*سلسلہ عظیمیہ:

سلسلہ عظیمیہ جذب اور سلوک دونوں روحانی شعبوں پر محیط ہے۔اس سلسلے میں روایتی پیری مریدی اور مخصوص لباس اور کوئی وضع قطع نہیں ہے۔ صرف خلوص کے ساتھ طلب روحانیت کا ذوق اور شوق ہی طالب کو سلسلے کے ساتھ منسلک رکھتا ہے۔ سلسلے میں مریدین کو دوست کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

تعلیم و تربیت کے لئے سخت ریاضتوں، چلوں اور مجاہدوں کے بجائے ذکر واذکار آسان ہیں۔ تعلیم کا محور غار حرا میں عبادت (مراقبہ) ہے۔ تفکر اور خدمت خلق کو اساس قرار دیا گیا ہے۔

سلسلہ عظیمیہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منظوری سے 1960ء میں قائم ہوا۔

امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ ۱۸۹۸ء قصبہ خورجہ ضلع بلند شہر بھارت میں پیدا ہوئے۔ والدین نے محمد عظیم نام رکھا۔ والد گرامی کا نام بدیع الدین مہدی شیر دل اور والدہ ماجدہ کا نام سعیدہ بی بی تھا۔ شاعری میں برخیاؔ تخلص ہے۔

تاریخ وفات ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ء ہے۔ مزار شریف شادمان ٹاؤن نارتھ ناظم آباد کراچی میں مرجع خاص و عام ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطریق اویسیہ حسن اخریٰ کے نام سے مخاطب فرمایا۔ عالم تکوین اور عوام و خواص میں قلندر بابا اولیاءؒ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ پورا نام حسن اخریٰ محمد عظیم برخیا المعروف قلندر بابا اولیاءؒ ہے۔

حضرت امام حسن عسکریؒ کے خاندان کے سعید فرزند ہیں۔ مرتبۂ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی و سماوی اور حاملان عرش میں قلندر بابا اولیاءؒ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نظام تکوین کے اعلیٰ منصب صدر والصدور کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس دنیا اور دوسری لاشمار دنیاؤں میں چار تکوینی شعبے کام کر رہے ہیں۔

قانون ۲)علوم ۳)اجرام سماوی ۴)نظامت

ان شعبوں کے ہیڈ چار ابدال ہوتے ہیں۔ نظامت کے عہدہ پر فائز ابدال حق کو صدر الصدور کہتے ہیں۔ صدر الصدور کو Veto Power حاصل ہوتی ہے۔ ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ اس وقت صدر الصدور ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قلندر کا مقام عطا کرتا ہے تو اسے زمان و مکان کی قید سے آزاد ہونے کا اختیار دے دیتا ہے۔ اور تکوینی امور کے تحت سارے ذی حیات اس کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ کے یہ نیک بندے غرض، ریا، طمع، حرص اور لالچ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اس لئے جب مخلوق ان کی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہے تو وہ اس کو سنتے ہیں اور اس کا تدارک بھی کرتے

ہیں کیونکہ قدرت نے انہیں اسی کام کیلئے مقرر کیا ہے۔ یہی وہ پاکیزہ اور قدسی نفس حضرات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ میرے ذریعہ بولتے ہیں اور میرے ذریعہ چیزیں پکڑتے ہیں۔''

پہلا مدرسہ:

قلندر بابا اولیاءؒ نے قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم محلہ کے مکتب میں حاصل کی اور بلند شہر میں ہائی اسکول تک پڑھا اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔

تربیت:

باباتاج الدین ناگپوریؒ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے نانا ہیں۔ آپ ۹ سال تک رات دن باباتاج الدین کی خدمت میں حاضر باش رہے۔

دوران تعلیم ایسا دور بھی آیا کہ قلندر بابا اولیاءؒ جذب و مستی اور عالم استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ اکثر اوقات خاموش رہتے اور گاہے گاہے گفتگو بھی بے ربط ہو جایا کرتی تھی لیکن جذب و کیفیت کی یہ مدت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی۔

روزگار:

سلسلہ معاش قائم رکھنے کے لئے مختلف رسائل و جرائد کے ادارت و صحافت اور شعراء کے دیوانوں کی اصلاح اور ترتیب و تدوین کرتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی تشریف لے آئے اور اردو ڈان میں سب ایڈیٹر کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک رسالہ نقاد میں کام کرتے رہے۔ کچھ رسالوں کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ کئی مشہور کہانیوں کے سلسلے بھی قلم بند کئے۔

بیعت:

۱۹۵۲ء میں قطب ارشاد حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ نے رات کو تین بجے سامنے بٹھا کر قلندر باباؒ کی پیشانی پر تین پھونکیں ماریں۔ پہلی پھونک میں عالم ارواح منکشف ہوا، دوسری پھونک میں عالم ملکوت و جبروت اور تیسری پھونک میں عرش معلیٰ کا مشاہدہ ہوا۔

مقام ولایت:

حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ نے قطب ارشاد کی تعلیمات تین ہفتے میں پوری کر کے خلافت عطا فرما دی۔ اس کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روح پر فتوح نے قلندر بابا اولیاءؒ کی روحانی تعلیم شروع کی اور پھر یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت و نسبت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں پیشی ہوئی اور اسرار و رموز کا علم حاصل ہوا۔

اخلاق:

ابتداء ہی سے آپ کی طبیعت میں سادگی اور شخصیت میں وقار تھا۔ پریشانی میں دل جوئی کرنا، دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور دوسرے کے درد کو اپنا درد سمجھنا اور دوسرے شخص کی توقع سے زیادہ اس کا دکھ بانٹنا آپ کی صفت تھی۔

کشف و کرامات:

حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے بہت ساری کرامات صادر ہوئیں ہیں جو کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاءؒ'' میں شائع ہوئی ہیں۔

تصنیفات:

قلندر بابا اولیاءؒ نے تین کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

۱۔ علم و عرفان کا سمندر

۲۔ رباعیات قلندر بابا اولیاءؒ

۳۔ لوح و قلم

کشف و کرامات اور ماورائی علوم کی توجیہات پر مستند کتاب ''تذکرہ تاج الدین باباؒ'' رعبایات میں فرماتے ہیں:

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا

اک شہر تھا شہر سے ویرانہ ہوا

گردُوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیم

میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

***

آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بیکار

اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار

دستہ جو ہے کوزہ کو اٹھانے کے لئے

یہ ساعدِ سیمیں سے بناتا ہے کمہار

***

باغوں میں جو قمریاں ہیں سب مٹی ہیں

پانی میں جو مچھلیاں ہیں سب مٹی ہیں

آنکھوں کا فریب ہے یہ ساری دنیا

پھولوں میں جو تتلیاں ہیں سب مٹی ہیں

***

آنا ہے ترا عالم روحانی سے

حالت تری بہتر نہیں زندانی سے

واقف نہیں میں وہاں کی حالت سے عظیمؔ

واقف ہوں مگر یہاں کی ویرانی سے

***

حضور قلندر بابا اولیاءؒ اپنی کتاب لوح و قلم کے پہلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''میں یہ کتاب پیغمبر اسلام سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ حکم سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے بطریق اویسیہ ملا ہے۔''

کتاب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سماعت میں نے دی ہے، بصارت میں نے دی ہے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ اطلاع میں نے دی ہے (یعنی اطلاعات کا سورس اللہ تعالیٰ ہیں) ہم عام حالات میں جس قدر اطلاعات وصول کرتے ہیں ان کی نسبت تمام دی گئی اطلاعات کے مقابلے میں صفر سے ملتی جلتی ہے۔ وصول ہونے والی اطلاعات اتنی محدود ہیں کہ ان کو نا قابل ذکر کہیں گے۔ اگر ہم وسیع تر اطلاعات حاصل کرنا چاہیں تو اس کا ذریعہ بجز علوم روحانی کے کچھ نہیں ہے اور علوم روحانی کے لئے ہمیں قرآن حکیم سے رجوع کرنا پڑے گا۔

یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہئے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے رہتے ہیں ان میں سے بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے عالم لاہوت، عالم جبروت، عالم ملکوت اور ارض و سماوات کے نقشے بنا کر دیئے ہیں۔ قلندر بابا اولیاءؒ کی سرپرستی میں روحانی ڈائجسٹ کا پہلا شمارہ دسمبر ۱۹۷۸ء کو منظر عام پر آیا۔ روحانی ڈائجسٹ کے بیشتر ٹائٹل، جزوی تبدیلی کے ساتھ انہی نقشوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ مردم شماری کے حساب سے مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ بڑا المیہ ہے کہ خواتین کی اتنی بڑی تعداد کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ جبکہ خواتین و حضرات کی علمی استعداد اور صلاحیتوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ سلسلہ عظیمیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے پھیلانے میں خواتین کو بھرپور شریک ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔

سلسلۂ عظیمیہ کی خدمات:

سلسلہ عظیمیہ کی کاوشوں سے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ماورائی علوم اور روحانی طرز فکر عام ہو رہی ہے۔ امام سلسلہ عظیمیہ نے عوام وخواص کو بتایا ہے کہ ہر شخص روحانی علوم کو باآسانی سیکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد خواتین و حضرات کی زندگی پرسکون ہو جاتی ہے۔

سلسلہ عظیمیہ کی شب و روز جدوجہد سے پاکستان، ہندوستان، برطانیہ، ہالینڈ، فرانس، ڈنمارک، روس، متحدہ عرب امارات میں ''مراقبہ ہال'' کے نام سے خانقاہی نظام قائم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام الناس کو روحانی علوم سے آشنا کرنے کے لئے سلسلہ عظیمیہ نے لائبریریوں کا نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ الیکٹرانک ٹیکنالوجی کا سہارا لے کر علمی، سائنسی، قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطابق روحانی علوم کو آڈیو اور ویڈیو میں ریکارڈ کیا ہے۔

تاکہ سائنسی ترقی کے اس دور میں زیادہ سے زیادہ لوگ مستفیض ہوتے رہیں۔ تقریروں اور تحریروں کے ساتھ ساتھ Print Media کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ خانوادۂ سلسلہ عظیمیہ نے اپنے مرشد کریم قلندر بابا اولیاءؒ کے مشن کو پھیلانے، عوام

وخواص میں اس کی جڑیں مستحکم کرنے کے لئے پرنٹ میڈیا کو استعمال کیا ہے۔ رسائل و جرائد اور اخبارات میں مسلسل ۳۲ سال سے روحانی علوم کی اشاعت جاری ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

''میری سنت میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔''

الحاد، بت پرستی، شرک اور زمین پر فساد ختم کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے پیغمبروں کا سلسلہ قائم کیا۔ روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے۔

قرآن کریم کی تصدیق کے مطابق رسالت اور نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔ اللہ کے ارشاد کے مطابق دین کی تکمیل ہو چکی ہے لیکن دین کی تکمیل کے بعد بھی تبلیغ وارشاد اس لئے ضروری ہے کہ دنیا آباد ہے۔ اور اس آبادی میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ دنیا قیامت تک قائم رہے گی۔ نبوت کے فیضان کو جاری رکھنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث علماء باطن اولیاء اللہ نے دینی اور روحانی مشن کو تا قیامت لوگوں تک پہنچانے کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اور ایک وقت ایسا آجائے گا کہ نوع انسانی قرآنی احکامات کو سمجھ کر اللہ کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرلے گی اور دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے گی۔

آج کی دنیا سمٹ کر ایک کمرے کے برابر ہو گئی ہے۔ چھ مہینوں کا سفر ایک دن میں اور دنوں کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ زمان و مکان کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

سائنسی انکشافات:

بظاہر سائنس کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک کوئی بات Vision نہ بنے اور دلائل کے ساتھ اسے ثابت نہ کیا جائے تو وہ بات قابل قبول نہیں ہے۔

اس سے قطع نظر کہ سائنس کا یہ دعویٰ کتنا غلط اور کتنا صحیح ہے۔ سلسلۂ عظیمیہ نے کوشش کی ہے کہ ذہنی وسعت کے مطابق سائنسی انکشافات کو سامنے رکھ کر خواتین و حضرات کو ایسی تعلیمات دی جائیں جن تعلیمات سے وہ ظاہری دنیا کے ساتھ ساتھ غیب کی دنیا سے نہ صرف آشنا ہو جائیں بلکہ غیب کی دنیا اور غیب کی دنیا میں آباد مخلوقات کا مشاہدہ بھی کر لیں۔

دینی جدوجہد:

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سلسلۂ عظیمیہ نے درس وتدریس کا نظام ترتیب دیا ہے۔ جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ تین سال پر محیط ہے اور دوسرا حصہ بھی تین سال پر محیط ہے۔

طالبات وطلباء یہ چھ سالہ کورس پڑھ کر وہ Knowledge حاصل کر لیتے ہیں جس نالج کی بنیاد قرآن کریم، احادیث اور غیب ہے۔ چونکہ ایک سازش کے تحت اور فاسد ذہن رکھنے والے لوگوں کے منصوبوں کے مطابق خانقاہی نظام کو متنازعہ فیہ بنادیا گیا ہے۔ اس لئے خانقاہی نظام کو سلسلہ عظیمیہ نے ''مراقبہ ہال'' کے نام سے متعارف کروایا ہے۔

۲۰۰۳ء تک دنیا میں ۸۰ مراقبہ ہال قائم ہوئے ہیں۔ ان مراقبہ ہالز میں ایسا ماحول Create کیا جاتا ہے جہاں کی فضا سکون و اطمینان کی لہروں کے ارتعاش پر قائم ہے۔ ذکر واذکار کی محفلیں ہوتی ہیں۔ مراقبے کئے جاتے ہیں۔ نماز، روزہ اور عبادت وریاضت میں ذہنی یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔ سلسلۂ عظیمیہ کا Aim اللہ کی مخلوق کی خدمت کر کے اپنی ذات کا عرفان اور عرفانِ الٰہی حاصل کرنا ہے۔

ذکر اذکار

تصوف میں تزکیہ نفس ایسا عمل ہے جس پر تصوف کی بنیاد قائم ہے۔ تزکیہ نفس اور قلبی طہارت کے لئے اہل روحانیت نے اسباق مقرر کئے ہیں۔ یہ اسباق قرآنی آیات اور اسماءالٰہیہ سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ان کے ورد سے انسان کے اندر پاکیزگی اور نور کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ کسی آیت یا اسم الٰہی کے ورد سے روح میں بالیدگی بڑھ جاتی ہے اور سالک کے اندر باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اسے ایسی بصیرت مل جاتی ہے جس سے وہ حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے۔

اسم اعظم:

لوح محفوظ کا قانون بتاتا ہے کہ ازل سے ابد تک صرف لفظ کی کارفرمائی ہے اور حال، مستقبل کا درمیانی وقفہ لفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا لفظ ہے۔ آسمانی کتابیں اور آخری کتاب قرآن اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے الفاظ کی تشریحات ہیں۔ ''لفظ'' قرآنی آیات کی تمثیلات اور اسماءالٰہیہ کا مظاہرہ ہے۔ اسم کی مختلف طرزوں سے نئی نئی تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اسم ہی پوری کائنات کو کنٹرول کرتا ہے۔ لفظ یا اسم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ہر قسم کے اسم کا ایک سردار ہوتا ہے۔ وہی سردار اسم اپنے قسم کے تمام اسماء کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ سردار اسم بھی اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور اس ہی سردار اسم کو اسم اعظم کہتے ہیں۔

اسماء نور اور روشنی ہیں۔ ایک طرز کی جتنی روشنیاں ہیں ان کو کنٹرول کرنے والا اسم بھی انہی روشنیوں کا مرکب ہے اور یہ اسماء کائنات میں موجود اشیاء کی تخلیق کے اجزاء ہیں۔ مثلاً نوع انسانی کے اندر کام کرنے والے تقاضوں اور حواس کو جو اسم کنٹرول کرتا ہے یہی اسم نوع انسانی کے لئے اسم اعظم ہے۔

جنات کی نوع کے لئے الگ اسم اعظم ہے۔ نباتات کیلئے الگ، جمادات کے لئے الگ اور نوع ملائکہ کے لئے الگ اسم اعظم ہے۔

گیارہ ہزار حواس:

انسان کے اندر تقاضوں اور جذبات کی تکمیل کیلئے جو حواس کام کرتے ہیں ان کی مجموعی تعداد تقریباً گیارہ ہزار ہے۔ ان گیارہ ہزار کیفیات یا تقاضوں کے اوپر ہمیشہ ایک اسم غالب رہتا ہے۔ یہی وہ اسماء ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا

ہے۔اسم ذات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ جو کامل طرزوں کے ساتھ اپنے اندر تخلیقی قدریں رکھتا ہے۔

''اللہ نورالسموات والارض'' (سورۂ نور۔آیت نمبر ۳۵)

اور یہی اللہ کا نور لہروں کی شکل میں نباتات، جمادات، حیوانات، انسان، جنات اور فرشتوں میں زندگی اور زندگی کی تمام تحریکات پیدا کرتا ہے۔پوری کائنات میں قدرت کا یہ فیضان جاری ہے کہ کائنات میں ہر فرد نور کی ان لہروں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔

کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔پے در پے جو خیالات ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور آبادیوں سے ہمیں موصول ہوتے رہتے ہیں۔نور کی یہ لہریں ایک لمحہ میں روشنی کا روپ دھار لیتی ہیں۔روشنی کی یہ چھوٹی بڑی لہریں ہم تک بے شمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ہم ان ہی تصویر خانوں کا نام واہمہ، خیال، تصور اور تفکر رکھ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لوگو! مجھے پکارو میں سنوں گا۔ مجھ سے مانگو، میں دوں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا تذکرہ اپنے ناموں سے کیا ہے۔

''اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔پس ان اچھے ناموں سے اسے پکارتے رہو۔''

(سورۃ اعراف۔آیت نمبر ۱۸۰)

''ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو اور صبح اور شام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔''

(سورۃ احزاب۔آیت نمبر ۴۱۔۴۲)

چھپا ہوا خزانہ:

اللہ تعالیٰ کا ہر اسم ایک چھپا ہوا خزانہ ہے۔جب لوگ اللہ کا نام ورد زبان کرتے ہیں تو ان کے اوپر رحمتوں اور برکتوں کی بارش برستی ہے۔عام طور پر اللہ کے ننانوے نام مشہور ہیں۔اس بیش بہا خزانے سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر نام کی تاثیر اور پڑھنے کا طریقہ الگ الگ ہے۔

کسی اسم کی بار بار تکرار سے دماغ اس اسم کی نورانیت سے معمور ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کے اسم کے انوار دماغ میں ذخیرہ ہوتے رہتے ہیں۔اسی مناسبت سے بگڑے ہوئے کام بنتے چلے جاتے ہیں اور حسب دلخواہ نتائج مرتب ہوتے رہتے ہیں۔لیکن

جس طرح اثرات مرتب ہوتے ہیں اسی طرح گناہوں کی تاریکی ہمارے اندر روشنی کو دھندلا دیتی ہے۔ کوتاہیوں اور خطاؤں سے آدمی کثافتوں اور اندھیروں سے قریب ہو جاتا ہے۔

جب کوئی بندہ جانتے بوجھتے گناہوں اور خطاؤں کی زندگی کو زندگی کا مقصد قرار دے لیتا ہے تو وہ قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر بن جاتا ہے۔

"مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

(سورۃ بقرہ۔ آیت نمبر ۷)

اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قانون قدرت کے تحت فعال اور متحرک ہے۔ ہر صفت اپنے اندر طاقت اور زندگی رکھتی ہے۔ جب ہم کسی اسم کا ورد کرتے ہیں تو اس اسم کی طاقت اور تاثیر کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ اگر مطلوبہ فوائد حاصل نہ ہوں تو ہمیں اپنی کوتاہیوں اور پُرخطا طرز عمل کا جائزہ لینا چاہئے۔ نیکی اور برائی دونوں اعمال و افعال کے تابع ہیں۔ دونوں میں انسانی ذہن انسانی زبان اور ہاتھ پیر استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً ایک آدمی گالی دیتا ہے۔ یہ برائی ہے لیکن گالی دینے میں زبان استعمال ہوتی ہے اسی طرح دوسرا آدمی میٹھے بول بولتا ہے۔ لوگوں کی فلاح و بہبود کیلئے ذہن استعمال کرتا اور احکامات بھی صادر کرتا ہے۔ اس رویہ میں بھی زبان کا عمل دخل ہے۔ علیٰ ہذالقیاس سوچ تصورات، جذبات اور اچھے برے احساسات کا تعلق انسانی رویوں پر قائم ہے۔

اگر طرز فکر اور رویوں میں خلوص و ایثار ہے، اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہے اور سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطابق اخلاق حسنہ پر عمل ہے تو یہ سب اعمال، اعمال صالحہ ہیں۔ اللہ کی نشانیوں پر غور کرنا، اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنا اور رسولوں کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی تعلیم کو لازمی پکڑو اور ذکرالٰہی کرو۔ اس عمل سے آسمانوں میں تمہارا ذکر ہوگا اور زمین میں تمہارے لئے نور ہوگا۔

تفکر:

قرآن حکیم کی تلاوت کا مفہوم یہ ہے کہ ارشادات ربانی پر تفکر کیا جائے اور اللہ کے احکامات کے مطابق فرمانبرداری کی جائے۔قرآن حکیم میں جہاں اللہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کثرت سے ذکر کرو۔

"اے اہل ایمان! تم اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔"

(سورۃ احزاب۔آیت نمبر ۴۱)

"اے اہل ایمان! جب کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔"
(سورۃ انفال۔آیت نمبر ۴۵)

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں کی کہ اس میں معذور آدمی کا عذر قبول نہ فرمایا ہو۔مگر ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے کہ جس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔کوئی اللہ کے ذکر سے معذور نہیں البتہ مغلوب الحال کا معاملہ الگ ہے اور فرمایا اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، رات ہو یا دن، ذکر دل سے ہو یا زبان سے، خشکی میں یا سمندر میں ہو۔بندہ خوشحال ہو یا غریب الحال ہو، تندرست ہو یا بیمار ہو۔جس حال میں بھی ہو بندہ کو چاہئے کہ اللہ کا ذکر کرتا رہے۔

جس ذکر میں روح اور قلب شامل ہو جائیں اس ذکر کی بڑی اہمیت ہے۔ذکر اس طرح کیا جائے کہ کسی دوسرے کو اس کا علم نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ذکر خفی کو ملائکہ کاتبین نہیں سن سکتے اسے جلی ذکر پر ستر گنا زیادہ فضیلت ہے۔ذکر خفی سالک کو دکھاوے سے محفوظ رکھتا ہے۔

ذکر الٰہی اور ذکر کثیر کے لئے قرآن حکیم میں متعدد آیتیں ہیں۔کہیں اسم ذات کے ذکر کی تاکید ہے، کہیں ذکر قلبی کی تلقین کی گئی ہے۔

" اور یاد کرتے رہتے اپنے رب کو صبح شام گداز دل کے ساتھ اور خفی آواز میں اور ذکر سے غافل نہ رہتے۔"

(سورۃ اعراف۔آیت نمبر ۲۰۵)

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب شیطان کی طرف سے ان کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں۔ سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں یعنی جب متقی لوگوں کو شیطان کی طرف سے وسوسہ اور پریشانی آتی ہے اور وہ ان کے دل پر پردہ ڈال دیتا ہے تو اس وقت وہ لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل پر سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شیطان کا فتنہ ذکر الٰہی سے دفع ہو جاتا ہے۔

اولیاء اللہ ہر دور میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر خفی یا جلی ذکر کرتے رہے ہیں اس محفل کو حلقہ ذکر کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں انفرادی اور اجتماعی دونوں کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ شامل رکھئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت محض اس کے لئے کرتے ہیں۔"

(سورۂ کہف۔ آیت نمبر ۲۸)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اجتماعی ذکر کا حکم دیا ہے۔

ذاکرین اور فرشتے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ملائکہ اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں چنانچہ ملائکہ ذاکرین کو آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے تو ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر میں نہیں ہے وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ ایک ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو۔ سنو! مجالس ذکر کو لازم پکڑو۔"

مجالس ذکر کی تلاش اور ان میں فرشتوں کا شامل ہونا عمل خیر کی بشارت ہے۔ ذکر کی مجالس اللہ کی خوشنودی، دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ اللہ کے ذکر سے رحمت کا نزول اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔

"نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے۔"

(سورہ طٰحٰہ۔آیت نمبر ۱۴)

نماز میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا رابطہ قائم ہو جائے کہ بندہ اللہ کو دیکھ لے یا اسے توحید و ایمان کا یہ کمال حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جس طرح باپ دادا کو یاد کرتے ہو کہ محبت بھی ہوتی ہے اور ہمت بھی اسی طرح اللہ کو یاد کرو بلکہ اپنے باپ دادا کو یاد کرنے سے بھی زیادہ۔"

(سورۂ بقرہ۔آیت نمبر ۲۰۰)

"یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں خشیت اور عاجزی کے ساتھ آہستہ آواز سے ہر صبح و شام اور تمہارا شمار غافلوں میں نہ ہو۔"

(سورۃ آدل عمران۔آیت نمبر ۱۹۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وہ شخص جس کا سینہ اسلام کے لئے اللہ نے کھول دیا ہے۔۔تاریک بد نصیبوں کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے؟ وہ تو اپنے پروردگار کی طرف سے نور ہے۔ خرابی ہے ان سنگدل لوگوں کو جن کے قلوب سخت اور زنگ آلود ہیں۔اللہ کے ذکر کی طرف سے۔"

حضرت زکریا علیہ السلام بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ضعف میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

"تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تین دن کسی آدمی سے کلام نہ کرو گے، مگر اشارہ کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرتے رہنا۔"

(سورۃ آل عمران۔آیت نمبر ۴۱)

غازی اور مجاہدین:

غازی اور مجاہدین کو بھی ذکر کی تاکید کی گئی ہے:

"اے ایمان والو! جب کافروں کے ساتھ جنگ کیا کرو تو پیر جمائے رکھو اور اللہ کا ذکر بہت کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔"

(سورۃ الانفال۔آیت نمبر ۴۵)

صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں ایسا ماحول Create کیا جاتا ہے کہ جس میں وہاں رہنے والے طلباء و طالبات نور نبوت اور نور الٰہی سے سیر اب ہوتے ہیں۔ صوفیاء کرام تھیوری کے طور پر جو اسباق یعنی درود و وظائف شاگردوں کو پڑھواتے ہیں وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ چیز مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک ذکر الٰہی کروں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''مجالس ذکر پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے وہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے اور ان پر اللہ کی رحمت سایہ کر لیتی ہے اور اللہ انہیں یاد کرتا ہے۔''

روحانی اسکول اور کالجوں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر ذکر کرایا جاتا ہے تاکہ سالکین کے لطائف رنگین ہوں اور ان کے اوپر اللہ کا رنگ غالب آ جائے۔ طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، وضو بے وضو، ہر حال میں اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ ہر سلسلہ میں کسی نہ کسی اسم کا ورد کرایا جاتا ہے مثلاً سلسلہ عظیمیہ کا ورد ''یا حی یا قیوم'' ہے۔ چلتے پھرتے، وضو بغیر وضو اٹھتے بیٹھتے، پاکی ناپاکی ہر حال میں سالکین کو ''یا حی یا قیوم'' پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

جب کوئی بندہ جلی یا خفی ذکر کرتا ہے اس کے اندر Vibration کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ اس کے حواس ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

قانون:

قانون یہ ہے کہ ہر بندے کے اندر دو طرح کے حواس کام کرتے ہیں۔ ایک طرح کے حواس اسے ظاہری دنیا سے نہ صرف قریب کرتے ہیں بلکہ ظاہری دنیا میں قید کر دیتے ہیں۔ دوسری طرح کے حواس بندے کے اندر غیب بین اور اللہ سے قربت کے حواس ہیں،

جب بندہ اپنے باطنی حواس میں ہوتا ہے تو اس کے اوپر اللہ کی صفات محیط ہو جاتی ہیں۔

اس بات کو آسان الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب آدمی کا انہماک دنیا میں ہوتا ہے تو مادی عناصر میں سڑاند اور تعفن میں انہماک ہوتا ہے حالانکہ وہ اس سڑاند اور تعفن کو محسوس نہیں کرتا لیکن اگر وہ عناصر کا تجزیہ کرے اور عناصر کی کنہ کو تلاش کرے تو اس کے علم میں یہ بات آ جاتی ہے کہ دنیا کی ہر شئے سڑاند اور تعفن سے بنی ہوئی ہے۔ انسان جو غذا کھاتا ہے وہ بھی سڑاند ہے اور

انسان جس قطرے سے بن کر عالمِ وجود میں آیا ہے وہ بھی سڑاند ہے، آدمی جب مر جاتا ہے اس کا سارا جسم تعفن اور سڑاند میں تبدیل ہو جاتا ہے۔۔۔اس کے برعکس دوسرا جسم جو روشنی اور نور سے بنا ہوا ہے۔اتنا لطیف ہے کہ عالم بالا کی سیر کرتا ہے اور خود کو فرشتوں کی مجالس میں دیکھتا ہے۔

صوفی جب ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو روشنی اور نور سے بنے ہوئے جسم میں نورانی کرنٹ دوڑ جاتا ہے۔خوشی کی لہریں اس کے اوپر سے خوف اور غم دور کر دیتی ہیں۔

مراقبہ

ذہنی مرکزیت:

تمام طرف سے ذہن ہٹا کر کسی ایک نقطہ پر توجہ مرکوز کرنے کا نام مراقبہ ہے۔عام مشاہدہ ہے کہ جب تک توجہ مرکوز نہ ہو ہم کوئی کام احسن طریقہ پر نہیں کر سکتے۔بچے اس لئے الف۔ب۔ج۔سیکھ لیتے ہیں کہ ان کی توجہ استاد کے بولے ہوئے الفاظ پر مرکوز ہوتی ہے۔اسی طرح ایک منشی حساب اس وقت صحیح کرتا ہے جب اس کی توجہ اِدھر اُدھر نہ بھٹکے۔بصورت دیگر وہ کبھی حساب صحیح نہیں کرتا۔کسی بھی شعبہ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کی توجہ اس کام کی طرف قائم رہے۔

جس طرح دنیا کے تمام امور کے لئے ذہنی مرکزیت ضروری ہے اسی طرح دینی امور میں ذہنی مرکزیت نہ ہو تو خیالات کی یلغار رہتی ہے۔خیالات کی یلغار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ نماز میں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ نمازی نے کونسی سورۃ کس کس رکعت میں تلاوت کی ہے۔

عرفان:

مشائخ اور صوفیاء مراقبہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اپنے شاگردوں کو مراقبے کی تلقین کرتے ہیں۔تصوف کی تعریف یہ ہے کہ شریعت اور طریقت پر دلجمعی، یقین اور مداومت سے عمل کیا جائے۔عرفان ذات کے لئے شریعت تھیوری (Theory) ہے اور تصوف پریکٹیکل (Practical) ہے۔بندہ جب اسلام کے ارکان پورے کرتا ہے تو یہ عمل دین کی تھیوری ہے اور جب مسلمان ارکان کی حکمت پر غور کر کے حقیقت تلاش کر لیتا ہے تو یہ عمل پریکٹیکل ہے۔پریکٹیکل میں سالک رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے والوں کو اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرنے والے فرشتوں کو دیکھتا ہے اور اللہ کا فضل اس کے اوپر محیط ہو جاتا ہے۔یہی "الصلوٰۃ المعراج المومنین" کا مفہوم ہے۔نمازی دیکھتا ہے کہ میں اللہ کو سجدہ کر رہا ہوں اور اللہ میرے سامنے ہے۔

مراقبہ کی تعریف:

مراقبہ کی تعریف مختلف طریقوں سے بیان کی جاتی ہے۔

تمام خیالات سے ذہن کو آزاد کر کے ایک نقطہ پر مرکوز کر دیا جائے۔

۲) جب مفروضہ حواس کی گرفت انسان کے اوپر سے ٹوٹ جائے تو انسان مراقبہ کی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔

۳) جب انسان اپنے اوپر بیداری میں خواب کی حالت طاری کر لے تو وہ مراقبہ میں چلا جاتا ہے۔

۴) یہ بات بھی مراقبہ کی تعریف میں آتی ہے کہ انسان دور دراز کی باتیں دیکھ اور سن لیتا ہے۔

۵) شعوری دنیا سے نکل کر لاشعوری دنیا میں جب انسان داخل ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت بھی مراقبہ کی ہے۔

۶) مراقبہ میں بندہ کا ذہن اتنا زیادہ یکسو ہو جاتا ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔

۷) ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ مراقب یہ دیکھتا ہے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔

انسان کی روح میں ایک روشنی ایسی ہے جو اپنی وسعتوں کے لحاظ سے لامتناہی حدوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس لامتناہی روشنی کی حد بندی کرنا چاہیں تو پوری کائنات کو اس لامحدود روشنی میں مقید تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ روشنی موجودات کی ہر چیز کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے احاطے سے باہر کسی وہم، خیال یا تصور کا نکل جانا ممکن نہیں ہے۔ روشنی کے اس دائرے میں جو کچھ واقع ہوا تھا یا بحالت موجود وقوع میں ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب ذات انسانی کی نگاہ کے بالمقابل ہے۔

چراغ کی لو:

اس روشنی کی ایک شعاع کا نام ''باصرہ'' ہے۔ یہ شعاع کائنات کے پورے دائرے میں دور کرتی رہتی ہے۔

کائنات ایک دائرہ ہے اور یہ روشنی ایک چراغ ہے۔ اس چراغ کی لو کا نام باصرہ ہے۔ جہاں اس چراغ کی لو کا عکس پڑتا ہے وہاں ارد گرد اور قرب و جوار کو چراغ کی لو دیکھ لیتی ہے۔ اس چراغ کی لو میں جس قدر روشنیاں ہیں ان میں درجہ بندی ہے۔ کہیں لو کی روشنی بہت ہلکی، کہیں ہلکی، کہیں تیز اور کہیں بہت تیز پڑتی ہے۔ جن چیزوں پر لو کی روشنی بہت ہلکی پڑتی ہے ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا تواہم پیدا ہوتا ہے۔ تواہم لطیف ترین خیال کو کہتے ہیں۔ جو صرف ادراک کی گہرائیوں میں محسوس کیا جاتا ہے۔

جن چیزوں پر لو کی روشنی ہلکی پڑتی ہے۔ ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا خیال رونما ہوتا ہے۔ جن چیزوں پر لو کی روشنی تیز پڑتی ہے۔ ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا تصور قدرے نمایاں ہو جاتا ہے اور جن چیزوں پر لو کی روشنی بہت تیز پڑتی ہے ان چیزوں تک ہماری نگاہ پہنچ کر ان کو دیکھ لیتی ہے۔

وہم، خیال اور تصور کی صورت میں کوئی چیز انسانی نگاہ پر واضح نہیں ہوتی اور نگاہ اس چیز کی تفصیل کو نہیں سمجھ سکتی۔

شہود:

شہود کسی روشنی تک خواہ وہ بہت ہلکی ہو یا تیز ہو، نگاہ کے پہنچ جانے کا نام ہے۔ شہود ایسی صلاحیت ہے جو ہلکی سے ہلکی روشنی کو نگاہ میں منتقل کر دیتی ہے تاکہ ان چیزوں کو جواب تک محض تواہم تھیں، خدوخال، شکل وصورت، رنگ اور روپ کی حیثیت میں دیکھا جاسکے۔ روح کی وہ طاقت جس کا نام شہود ہے وہم کو خیال کو یا تصور کو نگاہ تک لاتی ہے اور ان کی جزئیات کو نگاہ پر منکشف کر دیتی ہے۔

بصارت:

شہود میں برقی نظام بے حد تیز ہو جاتا ہے اور حواس میں روشنی کا ذخیرہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس روشنی میں غیب کے نقوش نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ مرحلہ شہود کا پہلا قدم ہے۔ اس مرحلے میں سارے اعمال باصرہ نگاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی صاحب شہود غیب کے معاملات کو خدوخال میں دیکھتا ہے۔

سماعت:

قوت بصارت کے بعد شہود کا دوسرا مرحلہ سماعت کا حرکت میں آنا ہے۔ اس مرحلہ میں کسی ذی روح کے اندر کے خیالات آواز کی صورت میں صاحب شہود کی سماعت تک پہنچنے لگتے ہیں۔

شامہ اور لمس:

شہود کا تیسرا اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ صاحب شہود کسی چیز کو خواہ اس کا فاصلہ لاکھوں برس کے برابر ہو، سونگھ سکتا ہے اور چھو سکتا ہے۔

ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی طویل شب بیداری کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ ''یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میں آسمان میں فرشتوں کو چلتے پھرتے دیکھتا تھا۔'' آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم شب بیداری کو قائم رکھتے تو فرشتے تم سے مصافحہ بھی کرتے۔''

دور رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعہ میں شہود کے مدارج کا تذکرہ موجود ہے۔ فرشتوں کو دیکھنا باصرہ سے تعلق رکھتا ہے اور مصافحہ کرنا، لمس کی قوتوں کی طرف اشارہ ہے جو باصرہ کے بعد بیدار ہوتی ہے۔

شہود کے مدارج میں ایک ایسی کیفیت وہ ہے جب جسم اور روح کی واردات وکیفیات ایک ہی نقطہ میں سمٹ آتی ہیں اور جسم روح کی تحریکات سے براہ راست متاثر ہوتا ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ:

صوفیاء کے حالات میں اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔ مثلاً ایک قریبی شناسا نے حضرت معروف کرخیؒ کے جسم پر نشان دیکھ کر پوچھا کہ کل تک تو یہ نشان موجود نہیں تھا۔ آج کیسے پڑ گیا۔ حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا۔ ''کل رات نماز میں ذہن خانہ کعبہ کی طرف چلا گیا، خانہ کعبہ میں طواف کے بعد جب چاہ زمزم کے قریب پہنچا تو میرا پاؤں پھسل گیا اور میں گر پڑا۔ مجھے چوٹ لگی اور یہ اسی چوٹ کا نشان ہے۔''

ایک بار اپنے مرشد کریم ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے جسم پر زخم کا غیر معمولی نشان دیکھ کر میں (خواجہ شمس الدین عظیمی) نے اس کی بابت دریافت کیا۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے بتایا۔ ''رات کو روحانی سفر کے دوران دو چٹانوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے چٹان میں نکلی ہوئی ایک نوک جسم میں چبھ گئی تھی۔''

جب شہود کی کیفیات میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے تو روحانی طالب علم غیبی دنیا کی سیر اس طرح کرتا ہے کہ وہ غیب کی دنیا کی حدود میں چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور وہ سارے کام کرتا ہے جو دنیا میں کرتا ہے۔

سیر یا معائنہ:

صوفی جب مراقبہ کے مشاغل میں پوری طرح انہماک حاصل کر لیتا ہے تو اس میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ زمان کے دونوں کناروں ازل اور ابد کو چھو سکتا ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کے تحت اپنی قوتوں کا استعمال کر سکتا ہے۔ وہ ہزاروں سال پہلے کے یا ہزاروں سال بعد کے واقعات دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے کیونکہ ازل سے ابد تک درمیانی حدود میں جو کچھ پہلے سے موجود تھا یا آئندہ ہوگا اس وقت بھی موجود ہے۔ شہود کی اس کیفیت کو تصوف میں سیر یا معائنہ کہتے ہیں۔

تصوف کا طالب علم ''سالک'' جب اپنے قلب میں موجود روشنیوں سے واقف ہو جاتا ہے اور شعوری حواس سے نکل کر لاشعوری حواس میں داخل ہو جاتا ہے تو اسے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں وہ ان باتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے جو حقیقت میں چھپی ہوئی ہیں۔ صوفی پر عالم امر (روحانی دنیا) کے حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ کائنات کی ساخت میں کس قسم کی روشنیاں اور روشنیوں کو سنبھالنے کے لئے انوار کس طرح استعمال ہوتے ہیں۔ پھر اس کے ادراک پر دہ تجلی منکشف ہو جاتی ہے جو روشنیوں کو سنبھالنے والے انوار کی اصل ہے۔

مراقبہ کے فوائد:

مراقبہ کرنے والے بندے کو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱)خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

۲)روحانی علوم منتقل ہوتے ہیں۔

۳)اللہ تعالیٰ کی توجہ اور قرب حاصل ہوتا ہے۔

۴)منتشر خیالی سے نجات مل جاتی ہے۔ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

۵)اخلاقی برائیوں سے ذہن ہٹ جاتا ہے۔

۶)مسائل حل ہوتے ہیں۔پریشانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۷)مراقبہ کرنے والا بندہ بیمار کم ہوتا ہے۔

۸)مراقبہ کے ذریعے بیماریوں کا علاج قدرت کا سربستہ راز ہے۔

۹)اللہ تعالیٰ پر یقین مستحکم ہو جاتا ہے۔

۱۰)اپنے خیالات دوسروں کو منتقل کئے جا سکتے ہیں۔

۱۱)صاحب مراقبہ روحانی طور پر جہاں چاہے جا سکتا ہے۔

۱۲)مراقبہ کرنے والوں کو نیند جلدی اور گہری آتی ہے۔وہ فوراً سو جاتے ہیں۔

۱۳)فراست میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۴)کسی بات یا مضمون کو بیان کرنے کی اعلیٰ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۵)صاحب مراقبہ بندہ عفو ودرگذر سے کام لیتا ہے۔دل نرم اور گفتگو لطیف ہو جاتی ہے۔

۱۶)بلا تخصیص مذہب وملت اللہ کی مخلوق کو دوست رکھتا ہے اور خدمت کر کے خوش ہوتا ہے۔

۱۷) ”ماں“ سے والہانہ محبت کرتا ہے، باپ کا احترام کرتا ہے، بڑوں کے سامنے جھکتا ہے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے۔

۱۸)مراقبہ کرنے والا بندہ سخی اور مہمان نواز ہوتا ہے۔

۱۹)اپنے پرائے سب کے لئے دعا کرتا ہے۔

۲۰)مراقبہ کرنے والے کی روح سے عام لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔

۲۱)تواضع اور انکساری کی عادت بن جاتی ہے۔

۲۲)صاحب مراقبہ سالک کو پراگندہ خیالات بوجھ اور وقت کا ضیاع نظر آتے ہیں اور وہ ہر حال میں ان سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔انبیاءاور اولیاءاللہ کی روحوں سے امداد کا طالب ہوتا ہے اور اس کی بے قراری کو قرار آجاتا ہے۔

۲۳)نماز میں حضوری ہو جاتی ہے۔رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے فرشتوں کو صف بہ صف دیکھتا ہے۔

۲۴)آسمانوں کی سیر کرتا ہے اور جنت کے باغات اس کی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔

۲۵)کشف القبور کے مراقبے میں اس دنیا سے گزرے ہوئے لوگوں کی روحوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

۲۶)سچے خواب نظر آتے ہیں۔

۲۷)شریعت وتصوف پر کاربند انسان کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔

مراقبہ کی اقسام:

مراقبہ کی بے شمار اقسام میں سے چند یہ ہیں:

۱)صلوٰۃ قائم کرنا۔

۲)روزہ میں توجہ الی اللہ قائم کرنا۔

۳)حج بیت اللہ میں دیدار الٰہی حاصل کر کے اللہ کی طرف متوجہ رہنا۔

۴)تصور شیخ کا مراقبہ۔

۵)نیلی روشنیوں کا مراقبہ۔

۶)مرتبہ احسان کا مراقبہ

۷)پھولوں کا مراقبہ

۸)مراقبہ مشاہدۂ قلب

۹)عرش کے تصور کا مراقبہ

۱۰)بیت المعمور کا مراقبہ

۱۱)جنت کا مراقبہ

۱۲)اپنی روح کے مشاہدے کا مراقبہ

۱۳)دل میں سیاہ نقطے کا مراقبہ

۱۴)مراقبہ معائنہ

۱۵)مراقبۂ موت

۱۶)مراقبۂ نور

۱۷)مراقبۂ استرخاء

۱۸)مراقبۂ ہاتف غیبی

۱۹)مراقبۂ کشف القبور

۲۰)مراقبۂ تفہیم

۲۱)مراقبۂ ذات

۲۲)مراقبۂ توحید الٰہی

۲۳)بیماریوں کے علاج کے لئے، بیماریوں کی مناسبت سے مراقبے تجویز کئے جاتے ہیں

۲۴)مراقبۂ سیر انفس وآفاق

مختلف رنگوں کی روشنیوں کے مراقبے:

۱۔ نیلی روشنی کا مراقبہ

۲۔ سبز روشنی کا مراقبہ

۳۔ زرد روشنی کا مراقبہ

۴۔ سرخ روشنی کا مراقبہ

۵۔ جامنی روشنی کا مراقبہ

۲۶) یہ چاروں مراقبے کھلی آنکھوں سے کئے جاتے ہیں:

۱۔ مراقبہ سورج بینی

۲۔ مراقبہ چاند بینی

۳۔ مراقبہ دائرہ بینی

۴۔ مراقبہ شمع بینی

مراقبہ کرنے کا آداب:

۱) مراقبہ کرنے کی جگہ ایسی ہونی چاہئے جہاں گرمی ہو نہ سردی۔ ماحول معتدل ہو۔

۲) شور و غل اور ہنگامہ نہ ہو اور ماحول پُر سکون ہو۔

۳) مراقبہ جہاں کیا جائے وہاں مکمل اندھیرا ہو۔ اگر ایسا ہونا ممکن نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اندھیرا ہونا چاہئے۔

۴) مراقبہ بیٹھ کر کیا جائے۔

۵) لیٹ کر مراقبہ کرنے سے نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور مراقبہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

۶) مراقبہ کے لئے نشست ایسی ہونی چاہئے جس میں آسانی سے بیٹھ کر مراقبہ کیا جا سکے۔

۷) ارکان اسلام کی پابندی کی جائے۔

۸) غصہ سے گریز کیا جائے۔

۹) بڑوں کا احترام کریں اور بچوں سے پیار سے پیش آئیں۔

۱۰) نشہ سے بچا جائے۔

۱۱) ذکر اذکار کی مجالس میں شریک ہوں۔

۱۲) مراقبہ باوضو کیا جائے۔

۱۳)وقت مقرر کر کے مراقبہ کرنا چاہئے۔

۱۴)کھانے کے ڈھائی گھنٹے یا اس سے زیادہ وقفہ گزرنے کے بعد مراقبہ کیا جائے۔کھانا بھوک رکھ کر آدھا پیٹ کھانا چاہئے۔

۱۵)زیادہ سے زیادہ وقت باوضو رہنے کی کوشش کی جائے مگر بول وبراز نہ روکیں۔تاکہ طبیعت بھاری نہ ہو۔

۱۶)چلتے پھرتے وضو بغیر وضو دن میں یاحی یاقیوم کا ورد کیا جائے۔اور رات کو اہتمام کے ساتھ پاک صاف جگہ،پاک صاف پوشاک پہن کر اور عمدہ قسم کی خوشبو لگا کر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔

مراقبہ کے لئے بہترین اوقات:

۱)تہجد کے وقت

۲)فجر کی نماز سے پہلے یا بعد میں

۳)ظہر کی نماز کے بعد

۴)عشاء کی نماز کے بعد

مراقبہ کس طرح کیا جائے:

۱)مراقبہ کی بہترین نشست یہ ہے کہ سالک نماز کی طرح بیٹھے۔

۲)آلتی پالتی مار کر بیٹھا جائے۔

۳)دونوں زانوں پر ہاتھ رکھ کر حلقہ بنالیا جائے۔کپڑا یا پٹکا بھی کمر اور ٹانگوں پر باندھا جاسکتا ہے۔

۴)مراقبہ میں مرشد سے رابطہ قائم ہونا ضروری ہے۔

۵)آنکھیں بند ہوں اور نظر دل کی طرف متوجہ ہو۔

۶)نماز کی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھا جائے۔آنکھوں کی پتلیاں اوپر کی طرف ہوں۔

۷)ناک کی نوک پر نظر جمائی جائے۔

۸)کمر اور گردن سیدھی رہنی چاہئے۔لیکن سیدھا رکھنے میں کمر اور گردن میں تناؤ نہ ہو۔

۹)سانس آنے جانے میں ہم آہنگی ہو۔سانس دھونکنی کی طرح نہ لیا جائے۔

۱۰)مراقبہ خالی پیٹ کیا جائے۔

۱۱)نیند کا غلبہ ہو تو نیند پوری کرلی جائے پھر مراقبہ کیا جائے۔

۱۲)مراقبہ کے ذریعے لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ دوسرے کسی آدمی کو ماورائی چیزیں دکھائی جاسکتی ہیں۔ مطلب براری کے لئے لوگوں کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ سب استدراج کے دائرے میں شمار ہوتا ہے اور استدراج شرعاً ناجائز ہے۔ اور بالآخر آدمی خسارہ میں رہتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ خلاف شرع باتوں سے لازماً اجتناب کرنا چاہئے۔

۱۳)مراقبہ سے پہلے اگر کچھ پڑھنا ہو تو وہ پڑھ کر شمال رخ آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائے (اگر مغرب کی طرف منہ کیا جائے تو شمال سیدھے ہاتھ کی طرف ہوگا۔ کسی بھی رخ منہ کرکے مراقبہ کیا جاسکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ شمال رخ منہ رہے)۔ ذہن اس طرف متوجہ رکھا جائے جس چیز کا مراقبہ کیا جارہا ہے۔

۱۴)مراقبہ کے دوران خیالات آتے ہیں۔ خیالات میں الجھنا نہیں چاہئے ان کو گزر جانے دیں اور پھر ذہن کو واپس اسی طرف متوجہ کرلیں جس چیز کا مراقبہ کیا جارہا ہو۔ کم سے کم ۱۵ سے ۲۰ منٹ مراقبہ کے لئے کافی ہیں۔ زیادہ دیر بھی مراقبہ کیا جاسکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ جس وقت دل چاہا مراقبہ کے لئے بیٹھ گئے یا تمام کام چھوڑ کر مراقبہ ہی کرتے رہیں۔

۱۵)مراقبہ تخت یا فرش پر کرنا چاہئے۔ کرسی، صوفے، گدے یا کسی ایسی چیز پر بیٹھ کر مراقبہ نہیں کرنا چاہئے جس سے ذہنی سکون میں خلل پڑنے کا امکان ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر امتی یہ بات جانتا ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں طویل عرصے تک مراقبہ کیا ہے۔

دنیاوی معاملات، بیوی بچوں کے مسائل، دوست احباب سے عارضی طور پر رشتہ منقطع کرکے یکسوئی کے ساتھ کسی گوشے میں بیٹھ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا ''مراقبہ'' ہے۔

''اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو۔ اور سب سے قطع تعلق کرکے اس ہی کی طرف متوجہ رہو۔''

(سورۃ المزمل۔ آیت نمبر ۸)

صاحب مراقبہ کے لئے ضروری ہے کہ جس جگہ مراقبہ کیا جائے وہاں شور وغل نہ ہو اندھیرا ہو۔ جتنی دیر کسی گوشے میں بیٹھا جائے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ذہن کو مقصود کی طرف متوجہ رکھا جائے۔

پرہیز واحتیاط:

۱)مٹھاس کم سے کم استعمال کی جائے۔

۲) کسی قسم کا نشہ نہ کیا جائے۔

۳) کھانا آدھا پیٹ کھایا جائے۔

۴)ضرورت کے مطابق نیند پوری کی جائے اور زیادہ دیر بیدار رہے۔

۵)بولنے میں احتیاط کی جائے، صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے۔

۶)عیب جوئی اور غیبت کو اپنے قریب نہ آنے دے۔

۷) جھوٹ کو اپنی زندگی سے یکسر خارج کردے۔

۸)مراقبہ کے وقت کانوں میں روئی رکھے۔

۹)مراقبہ ایسی نشست میں کرے جس میں آرام ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ کمر سیدھی رہے۔اس طرح سیدھی رہے کہ ریڑھ کی ہڈی میں تناؤ نہ ہو۔

۱۰)مراقبہ کرنے سے پہلے ناک کے دونوں نتھنوں سے آہستہ آہستہ سانس لیا جائے اور سینہ میں روکے بغیر خارج کر دیا جائے۔سانس کا یہ عمل سکت اور طاقت کے مطابق استاد کی نگرانی میں پانچ سے اکیس بار تک کریں۔

۱۱)سانس کی مشق شمال رخ بیٹھ کر کی جائے۔

مرتبہ احسان کا مراقبہ:

پانچ وقت نماز ادا کرنے سے پہلے مراقبہ میں بیٹھ کر یہ تصور قائم کیا جائے کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔آہستہ آہستہ یہ تصور اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ نماز میں خیالات کی یلغار نہیں رہتی۔

جب کوئی بندہ اس کیفیت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو اس کے اوپر غیب کی دنیا کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ بتدریج ترقی کرتا رہتا ہے۔

مراقبہ موت:

مادی جسم فنا ہونے کے بعد زندگی ختم نہیں ہوتی۔ ''انسانی انا'' موت کے بعد مادی جسم کو خیر باد کہہ کر روشنی کا نیا جسم بنا لیتی ہے۔

مراقبہ موت کی مشق میں مہارت حاصل کر لینے کے بعد کوئی شخص مادی حواس کو مغلوب کر کے اپنے اوپر روشنی کے حواس کو غالب کر سکتا ہے اور جب چاہتا ہے مادی حواس میں واپس آجاتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مر جاؤ مرنے سے پہلے'' اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں رہتے ہوئے مادی حواس کو اس طرح مغلوب کر لیا جائے کہ آدمی موت کے حواس سے واقف ہو جائے یعنی انسان مادی حواس میں رہتے ہوئے موت کے بعد کی دنیا کا مشاہدہ کر لے۔

قبر میں دروازہ:

روحانی راستہ کے مسافر ایک صوفی نے کشف القبور کے مراقبہ میں جو دیکھا وہ اس طرح بیان کرتا ہے:

''ایک پرانی قبر کے سرہانے جب میں نے مراقبہ کیا تو میں نے دیکھا کہ میری آنکھوں کے سامنے اسپرنگ کی طرح چھوٹے اور بڑے دائرے آنا شروع ہو گئے۔ یہ دائرے نہایت خوش رنگ تھے۔ پھر ایک دم اندھیرا ہو گیا اور خلاء میں روشنی نظر آئی اور ایک بہت بڑی چہار دیواری میں قلعہ کی طرح دروازہ نظر آیا۔۔۔میری روح اس دروازے میں داخل ہو گئی۔۔۔دروازہ میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ یہاں پورا شہر آباد ہے۔ بلند و بالا عمارتیں ہیں۔ لکھوری اینٹوں کے مکان اور چکنی مٹی سے بنے ہوئے کچے مکان بھی ہیں۔ دھوبی گھاٹ بھی ہے اور ندی نالے بھی۔ جنگل بیابان بھی ہیں اور پھولوں پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور باغات بھی۔ یہ ایک ایسی بستی ہے جس میں محلات کے ساتھ ساتھ پتھر کے زمانے کے غاروں میں رہنے والے آدم زاد بھی ہیں۔ یہاں اس زمانے کے لوگ بھی ہیں جب آدم بے لباس تھا۔ وہ ستر پوشی کے علم سے بے خبر تھا۔

ان میں سے ایک صاحب نے آگے بڑھ کر مجھ سے پوچھا۔

''آپ نے اپنے جسم پر کپڑوں کا یہ بوجھ کیوں ڈال رکھا ہے؟ صورت شکل سے تو آپ ہماری نوع کے فرد نظر آتے ہیں۔''

یہ اس زمانے کے مرے ہوئے لوگوں کی دنیا (اعراف) ہے جب زمین پر انسانوں کے لئے کوئی معاشرتی قانون رائج نہیں تھا اور لوگوں کے ذہنوں میں ستر پوشی کا کوئی تصور نہیں تھا۔

یہ عظیم الشان شہر جس کی آبادی اربوں کھربوں سے متجاوز ہے، لاکھوں کروڑوں سال سے آباد ہے۔ اس شہر میں گھوم کر لاکھوں سال کی تہذیب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ایسے لوگ بھی آباد ہیں جو آگ کے استعمال سے واقف نہیں اور ایسے لوگ بھی آباد ہیں جو پتھر کے زمانے کے لوگ کہے جاتے ہیں۔ اس عظیم الشان شہر میں ایسی بستیاں بھی موجود ہیں جس میں آج کی سائنس سے بہت زیادہ ترقی یافتہ قومیں رہتی ہیں۔ جنھوں نے اس ترقی یافتہ زمانے سے زیادہ طاقتور ہوائی جہاز اور میزائل بنائے تھے۔ امتداد زمانہ نے جن کا نام اڑن کھٹولہ وغیرہ رکھ دیا۔ اس شہر میں ایسی دانشور قوم بھی آباد ہے جس نے ایسے فارمولے ایجاد کر لئے تھے جن سے کشش ثقل ختم ہو جاتی ہے اور ہزاروں ٹن چٹانوں کا وزن کشش ثقل ختم کر کے چند کلو گرام ہو جاتا ہے۔ لاکھوں سال پرانے اس شہر میں ایسی قومیں بھی محو استراحت یا مبتلائے رنج و آلام ہیں جنھوں نے ٹائم اسپیس کو Less کر دیا تھا اور زمین پر رہتے ہوئے اس بات سے واقف ہو گئے تھے کہ آسمان پر فرشتے کیا کر رہے ہیں اور زمین پر کیا ہونے والا ہے۔ وہ اپنی ایجادات کی مدد سے ہواؤں کا رخ پھیر دیتے تھے اور طوفانوں کے جوش کو جھاگ میں تبدیل کر دیتے تھے۔ اسی ماورائی خطہ میں ایسے قدسی نفس لوگ بھی موجود ہیں جو جنت میں اللہ کے مہمان ہیں اور ایسے شقی بھی جن کا مقدر دوزخ کا ایندھن بننا ہے۔

یہاں کھیت کھلیان بھی ہیں اور بازار بھی۔ ایسے کھیت کھلیان جن میں کھیتی تو ہو سکتی ہے لیکن ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔

یسے بازار ہیں جن میں دکانیں تو ہیں لیکن خریدار کوئی نہیں۔

ایک صاحب دکان لگائے بیٹھے ہیں اور دکان میں طرح طرح کے ڈبے رکھے ہوئے ہیں ان میں سامان کچھ نہیں ہے۔ یہ شخص اداس اور پریشان نظر آتا ہے۔

میں نے پوچھا۔ ''بھائی تمہارا کیا حال ہے؟''

بولا: ''میں اس بات سے غمگیں ہوں کہ مجھے پانچ سو سال بیٹھے ہوئے ہو گئے ہیں۔ میرے پاس ایک گاہک بھی نہیں آیا ہے۔'' تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص دنیا میں سرمایہ دار تھا۔ منافع خوری اور چور بازاری اس کا پیشہ تھا۔

برابر کی دکان میں ایک اور آدمی بیٹھا ہوا ہے، بوڑھا آدمی ہے۔ بال بالکل خشک الجھے ہوئے، چہرے پر وحشت اور گھبراہٹ ہے۔ سامنے کاغذ اور حساب کتاب کے رجسٹر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ ایک کشادہ اور قدرے صاف دکان ہے۔ یہ صاحب کاغذ قلم لئے رقموں کی میزان دے رہے ہیں اور جب رقموں کا جوڑ کرتے ہیں تو بلند آواز سے عدد گنتے ہیں۔ کہتے ہیں ''دو اور دو سات، سات اور دو دس، دس اور دس انیس''۔ اس طرح پوری میزان کر کے دوبارہ ٹوٹل کرتے ہیں تاکہ اطمینان ہو جائے۔ اب اس طرح میزان دیتے ہیں۔ ''دو اور تین پانچ، پانچ اور پانچ سات، سات اور نو بارہ''۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مرتبہ جب میزان کی جانچ کرتے ہیں تو میزان غلط ہوتی ہے اور جب دیکھتے ہیں کہ رقموں کا جوڑ صحیح نہیں ہے تو وحشت میں چیختے ہیں، چلاتے ہیں۔ بال نوچتے ہیں اور خود کو کوستے ہیں۔ بڑبڑاتے ہیں اور سر کو دیوار سے ٹکراتے ہیں اور پھر دوبارہ میزان کرنے میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ میں نے بڑے میاں سے پوچھا۔

"جناب! آپ کیا کر رہے ہیں۔ کتنی مدت سے آپ اس پریشانی میں مبتلا ہیں؟"

بڑے میاں نے غور سے دیکھا اور کہا:

"میری حالت کیا ہے کچھ نہیں بتا سکتا، چاہتا ہوں کہ رقموں کی میزان صحیح ہو جائے مگر تین ہزار سال ہو گئے ہیں کم بخت یہ میزان صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ میں زندگی میں لوگوں کے حسابات میں دانستہ ہیر پھیر کرتا تھا، بد معاملگی میرا اشعار تھا۔

علماء سوء سے تعلق رکھنے والے ان صاحب سے ملئے۔ داڑھی اتنی بڑی جیسے جھڑ بیر کی جھاڑی۔ چلتے ہیں تو داڑھی کو اکٹھا کر کے کمر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں، اس طرح جیسے پٹکا لپیٹ لیا جاتا ہے۔ چلنے میں داڑھی کھل جاتی ہے اور اس میں الجھ کر زمین پر اوندھے منہ گر جاتے ہیں۔ سوال کرنے پر انہوں نے بتایا۔ "دنیا میں لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے میں نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور داڑھی کے ذریعے بہت آسانی سے سیدھے اور نیک لوگوں سے اپنی مطلب براری کر لیا کرتا تھا۔"

فرشتے کہتے ہیں:

وہ دیکھئے سامنے بستی سے باہر ایک صاحب زور، زور سے آواز لگا رہے ہیں۔ "اے لوگو! آؤ میں تمہیں اللہ کی بات سناتا ہوں۔ اے لوگو! اور سنو، اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔" کوئی بھی آواز پر کان نہیں دھرتا البتہ فرشتوں کی ایک ٹولی ادھر آنکلتی ہے۔

"ہاں سناؤ! اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔"

ناصح فوراً کہتا ہے۔ "بہت دیر سے پیاسا ہوں مجھے پہلے پانی پلاؤ، فرشتے کھولتے ہوئے پانی کا ایک گلاس منہ کو لگا دیتے ہیں۔ ہونٹ جل کر سیاہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ پانی پینے سے انکار کرتا ہے تو فرشتے یہی ابلتا اور کھولتا ہوا پانی اس کے منہ پر انڈیل دیتے ہیں۔ فرشتے ہنستے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں۔ "مردود کہتا تھا۔ آؤ اللہ کی بات سناؤں گا۔ دنیا میں بھی اللہ کے نام کو بطور کاروبار استعمال کرتا تھا۔ یہاں بھی یہی کر رہا ہے۔" جھلسے اور جلے ہوئے منہ سے ایسی وحشت ناک آوازیں اور چیخیں نکلتی ہیں کہ انسان کو سننے کی تاب نہیں۔

ٹانگوں میں انگارے:

اس عظیم الشان شہر میں ایک تنگ اور تاریک گلی ہے۔ گلی کے اختتام پر کھیت اور جنگل ہیں۔ یہاں ایک مکان بنا ہوا ہے۔ مکان کیا ہے بس چار دیواری ہے۔ اس مکان پر کسی ربر نما چیز کی جالی دار چھت پڑی ہوئی ہے۔

دھوپ اور بارش سے بچاؤ کا کوئی سہارا نہیں ہے۔اس مکان میں صرف عورتیں ہیں، چھت اتنی نیچی ہے کہ آدمی کھڑا نہیں ہوسکتا۔ماحول میں گھٹن اور اضطراب ہے۔ایک صاحبہ ٹانگیں پھیلائے بیٹھی ہیں۔ عجیب اور بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ٹانگوں سے اوپر کا حصہ معمول کے مطابق ہے اور ٹانگیں دس فٹ لمبی ہیں۔

اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر میں نے ان سے پوچھا۔ ''محترمہ! آپ کیسی ہیں؟ آپ کی ٹانگیں اتنی لمبی کیوں ہیں؟''۔انہوں نے بتایا کہ میں دنیائے فانی میں جب کسی کے گھر جاتی تھی،ایک گھر کی بات دوسرے گھر جا کر سناتی تھی اور خوب لگائی بجھائی کرتی تھی۔ اب حال یہ ہے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ٹانگوں میں انگارے بھرے ہوئے ہیں۔ہائے میں جل رہی ہوں اور کوئی نہیں جو مجھ پر ترس کھائے۔

غیبت:

کشف القبور کے مراقبہ میں، میں نے دیکھا کہ چہرے پر ڈر اور خوف نمایاں، چھپتے چھپاتے دبے پاؤں یہ شخص ہاتھ میں چھری لئے جارہا ہے۔اف خدایا! اس نے سامنے کھڑے ہوئے آدمی کی پشت میں چھری گھونپ دی اور بہتے ہوئے خون کو کتے کی طرح زبان سے چاٹنے لگا۔تازہ تازہ اور گاڑھا خون پیتے ہی خون کی قے ہوگئی۔ نحیف اور نزار زندگی سے بیزار کراہتے ہوئے کہا۔ ''کاش عالم فانی میں یہ بات میری سمجھ میں آجاتی کہ غیبت کا انجام یہ ہوتا ہے۔''

یتیموں کا مال:

شکل وصورت میں انسان ڈیل ڈول کے اعتبار سے دیو۔ قد تقریباً 20 فٹ، جسم بے انتہا چوڑا، قد کی لمبائی اور جسم کی چوڑائی کی وجہ سے کسی کمرے یا کسی گھر میں رہنا ناممکن۔بس ایک کام ہے کہ اضطراری حالت میں مکانوں کی چھت پر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر گھوم رہے ہیں۔بیٹھ نہیں سکتے، لیٹ بھی نہیں سکتے۔ایک جگہ قیام کرنا بھی بس کی بات نہیں ہے۔اضطراری کیفیت میں اس چھت سے اُس چھت پر اور اُس چھت سے اس چھت پر مسلسل چھلانگیں لگا رہے ہیں۔ کبھی روتے ہیں اور کبھی بے قرار ہوکر اپنا سر پیٹتے ہیں۔

پوچھا: ''حضرت یہ کس عمل کی پاداش ہے؟ آپ اس قدر غمگیں اور پریشان کیوں ہیں؟''

جواب دیا۔ ''میں نے دنیا میں یتیموں کا حق غصب کرکے بلڈنگیں بنائی تھیں۔یہ وہی بلڈنگیں اور عمارتیں ہیں۔آج ان کے دروازے میرے اوپر بند ہیں۔لذیذ اور مرغن کھانوں نے میرے جسم میں ہوا اور آگ بھر دی ہے۔ہوا نے میرے جسم کو اتنا بڑا کردیا ہے کہ گھر میں رہنے کا تصور میرے لئے انہونی بات بن گئی ہے۔آہ! آہ! یہ آگ مجھے جلا رہی ہے۔ میں جل رہا ہوں۔ میں بھاگنا چاہتا ہوں مگر فرار کی تمام راہیں ختم ہوگئی ہیں۔

ملک الموت اور ایک عورت کا مکالمہ:

میں نے مراقبہ موت میں دیکھا کہ کھیت کے کنارے ایک کچا کوٹھا بنا ہوا ہے۔ کوٹھے کے باہر چہار دیواری ہے۔ چہار دیواری کے اندر صحن ہے۔ صحن میں ایک گھنا درخت ہے۔ غالباً یہ درخت نیم کا ہے۔ اس درخت کے نیچے بہت سے لوگ جمع ہیں۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا ایک عورت کھڑی ہے اور ایک صاحب سے الجھ رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ تم میرے خاوند کو نہیں لے جاسکتے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے معاملات ہیں۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں اسی طرح ہوتا ہے۔ عورت نے ''ہائے'' کہہ کر زور سے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر مارے اور زار و قطار رونے لگی۔

میں آگے بڑھا اور پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ آپ اس عورت کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔'' ان صاحب نے کہا۔ ''مجھے غور سے دیکھو اور پہچانو کہ میں کون ہوں؟''

میں نے مراقبہ کیا تو مراقبہ میں دیکھا کہ یہ حضرت ملک الموت ہیں۔ میں نے بڑے ادب سے سلام کیا اور مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے مصافحہ کیا۔ جس وقت میں نے ان سے ہاتھ ملائے تو محسوس ہوا کہ پورے جسم میں بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا ہے۔ کئی جھٹکے بھی لگے ان جھٹکوں کی وجہ سے میں کئی کئی فٹ اوپر اچھل گیا۔ آنکھوں میں سے چنگاریاں نکلتی نظر آئیں۔

میں نے پوچھا۔ ''اس عورت کے خاوند کا کیا معاملہ ہے؟''

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے کہا: ''یہ صاحب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ یہ عورت ان کی بیوی ہے اور یہ بھی اللہ کی برگزیدہ بندی ہے۔ دنیا میں ان کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے یہ ہدایت ہے کہ اگر ہمارا بندہ خود آنا چاہے تو روح قبض کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بندہ راضی برضا ہے اور اس دنیا سے سفر کرنے کے لئے بیقرار ہے۔ لیکن بیگم صاحبہ کا اصرار ہے کہ میں اپنے شوہر کو نہیں جانے دوں گا تاوقتیکہ ہم دونوں پر ایک ساتھ موت وارد ہو۔''

اس احاطہ میں مٹی اور پھونس کے بنے ہوئے ایک کمرے کے اندر ملک الموت میرا ہاتھ پکڑ کر لے گیا۔ وہاں ایک خوبصورت بزرگ بھورے رنگ کے کمبل پر لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ کمبل زمین پر بچھا ہوا ہے۔ سرہانے چمڑے کا ایک تکیہ رکھا ہوا ہے۔

کہیں کہیں سے سلائی ادھڑی ہوئی ہے اس میں سے کھجور کے پتے دکھائی دے رہے ہیں۔ داڑھی گول اور چھوٹی ہے۔ لمبا قد اور جسم بھرا ہوا ہے، پیشانی کھلتی ہوئی، آنکھیں بڑی بڑی اور روشن ہیں۔ پیشانی سے سورج کی طرح شعاعیں نکل رہی ہیں۔

حضرت ملک الموت نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ''السلام علیکم یاعبداللہ!''

میں نے بھی ملک الموت کی تقلید میں: ''السلام علیکم یاعبداللہ۔ کہا۔''

حضرت عبداللہ (غالباً ان کا نام عبداللہ ہی ہوگا) نے ملک الموت سے پوچھا۔

''ہمارے خالق کا کیا حکم لائے ہو؟''

ملک الموت نے سر جھکا کر عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔'' ملک الموت دو زانو ہو کر ان بزرگ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ بزرگ خوشی خوشی عاجزی کے ساتھ لیٹ گئے۔ جسم نے ایک جھرجھری لی اور اس برگزیدہ ہستی کی روح پرواز کر گئی۔

فرشتہ آسمان میں اڑ گیا۔ اتنا اونچا، اتنا اونچا کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مراقبۂ نور:

تصوف کے مطابق کائنات کی تخلیق کا بنیادی عنصر ''نور'' ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

(سورۂ نور۔ آیت نمبر ۳۵)

نور اس خاص روشنی کو کہتے ہیں جو خود بھی نظر آتی ہے اور دوسری روشنیوں کو بھی دکھاتی ہے۔ روشنی، لہریں، رنگ، ابعاد یہ سب نور کی گوناگوں صفات ہیں۔ نور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بیک وقت ماضی اور مستقبل دونوں میں سفر کرتا ہے اور ماضی و حال کا آپس میں رابطہ قائم رکھتا ہے۔ مگر یہ ربط قائم نہ رہے تو کائنات کا رشتہ ماضی سے منقطع ہو جائے گا۔

ماضی اور حافظہ:

اس کی ایک مثال حافظہ ہے۔ جب ہم اپنے بچپن یا گذرے ہوئے کسی لمحے کو یاد کرتے ہیں تو ہمارا ماضی نور کے ذریعے حال میں وارد ہو جاتا ہے اور ہمیں بچپن کے واقعات یاد آ جاتے ہیں۔

جنات، ملائکہ اور دوسری مخلوقات کے حواس بھی نور پر قائم ہیں۔ روحانیت میں نور سے تعارف حاصل کرنے کے لئے مراقبہ نور کرایا جاتا ہے۔ مراقبہ نور کئی طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

طالب علم تصور کرتا ہے کہ ساری کائنات اور اس کی مخلوقات نور کے وسیع و عریض سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ وہ خود کو بھی نور کے سمندر میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے۔

۲) عرش کے اوپر سے نور کا دھارا ساری دنیا پر برس رہا ہے۔ صاحب مراقبہ پر بھی نور برستا ہوا محسوس کرتا ہے۔

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس نور کی مثال طاق کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہے۔''

(سورۂ نور۔آیت نمبر ۳۵)

روحانی طالب علم اس آیت میں دی گئی مثال کے مطابق تصور کرتا ہے کہ چراغ کی نورانی شعاعوں سے اس کا پورا جسم منور ہو رہا ہے۔

اسمائے الٰہیہ کا مراقبہ:

اسی طرح قرآن کریم یا اسمائے الٰہیہ کے انوار و تجلیات کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ کوئی آیت یا اسم اسماء الٰہیہ کا ورد کر کے اس کے معنی اور مفہوم کو دل میں اچھی طرح جا گزیں کر کے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر اللہ کی کونسی صفت یا صفات موجود ہیں۔ مراقبہ کرتے کرتے، سالک کے اندر ایسا استغراق پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر شئے میں اسے نور اور روشنی نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہر شئے نور اور روشنی کے غلاف میں بند ہے۔

صوفی جب قرآن پاک کی آیت کے مطابق مراقبہ میں یہ تصور کرتا ہے کہ:

''اللہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو۔''

(سورۃ حدید۔آیت نمبر ۴)

تو یہ تصور اس قدر پختہ اور گہرا ہو جاتا ہے کہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، تنہائی میں، لوگوں کے ساتھ ملاقات میں، مصروفیت میں، فراغت میں، بندہ کا ذہن اللہ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''مراقبہ کے ذریعے علم تصوف کا حصول یہ ہے کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور یہ دیکھنا مشاہدۂ قلب ہے۔''

روشنیوں کی اصل:

مذاہب عالم نے کسی نہ کسی طرح ایک نظر نہ آنے والی روشنی کا تذکرہ کیا ہے۔ ایسی روشنی جو ساری روشنیوں کی اصل ہے اور تمام موجودات میں موجود ہے۔ انجیل میں ہے:

''خدا نے کہا روشنی اور روشنی ہو گئی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادئ سینا میں سب سے پہلے جھاڑی میں روشنی کا مشاہدہ کیا اور اسی روشنی کی معرفت اللہ کے کلام سے مشرف ہوئے۔ ہندومت میں اسی روشنی کا نام ''جوت'' ہے۔

عالم اعراف

کشف القبور:

مرنے کے بعد آدمی ملکوتی دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔انسانی انا دوسری دنیا میں بھی زندگی کے شب و روز پورے کرتی ہے۔ مرنے کے بعد زندگی کو اعراف کی زندگی کہتے ہیں۔اس زندگی کا دار و مدار دنیا کے اعمال پر ہے۔اگر انتقال کے وقت کوئی شخص سکون سے لبریز اور ذہنی پراگندگی اور کثافت سے آزاد ہے تو اعراف کی کیفیات میں بھی سکون اور اطمینان قلب کا غلبہ ہو گا لیکن اگر کوئی شخص اس دنیا سے بے سکونی، ضمیر کی خلش اور ذہنی گھٹن لے کر اعراف میں منتقل ہوتا ہے تو وہاں بھی گھٹن، پریشان، بے چین اور بے سکون رہے گا۔

کشف القبور کا مراقبہ اس شخص کی قبر پر کیا جاتا ہے جس سے اعراف میں ملاقات کرنا مقصود ہو۔کشف القبور کے مراقبے کے ذریعے مرحوم یا مرحومہ سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

جب کشف القبور کا مراقبہ کسی صوفی یا ولی اللہ کے مزار پر کیا جاتا ہے تو اس سے مقصد ان کی زیارت اور روحانی فیض کا حصول ہوتا ہے۔

کشف القبور کے مراقبہ کا طریقہ یہ ہے:

قبر کے پیروں کی طرف بیٹھ جائے۔

ناک کے ذریعے آہستہ آہستہ سانس اندر کھینچے اور جب سینہ بھر جائے تو روکے بغیر آہستگی سے باہر نکال دے۔یہ عمل گیارہ مرتبہ کرے۔

اس کے بعد 100 دفعہ درود شریف اور 100 دفعہ ''یا باعث'' پڑھ کر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میں قبر کے اندر ہوں۔

کچھ دیر بعد ذہن کو قبر کے اندر گہرائی کی طرف لے جائے گویا قبر ایک گہرائی ہے اور توجہ اس میں اترتی جارہی ہے۔اس تصور کو مسلسل قائم رکھنے سے باطنی نگاہ متحرک ہو جاتی ہے اور مرحوم شخص کی روح سامنے آجاتی ہے۔ذہنی سکت اور قوت کی مناسبت سے مسلسل مشق اور کوشش کے بعد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ یہ مراقبہ مرشد کریم کی نگرانی کے بغیر نہ کیا جائے کیونکہ شعور کے سامنے ایک دم روح آجانے سے ذہن پلٹ سکتا ہے۔اور آدمی پر دیوانگی طاری ہوسکتی ہے۔

کشف القبور کی صلاحیت کو زیادہ تر اولیاءاللہ کے مزارات پر فیض کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

جنت کا باغ:

ایک صوفی نے سہون شریف میں لعل شہباز قلندر کے مزار پر مراقبہ کیا۔اس نے دیکھا کہ اس کے اندر سے روح کا ایک پرت نکلااور قبر کے اندر اتر گیا۔

لحد میں صاحب قبر موجود تھے۔ قبر کے بائیں طرف دیوار میں ایک کھڑکی یا چھوٹادروازہ ہے قلندر صاحب نے فرمایا۔''جاؤ! یہ دروازہ کھول کر اندر کی سیر کرو تم وہاں جاسکتے ہو۔''

صوفی نے دروازہ کھولا تو ایک باغ نظر آیا۔ایسا خوبصورت باغ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔اس باغ میں ایسے پرندے دیکھے جن کے پروں سے روشنی نکل رہی ہے۔ایسے پھول دیکھے جن کا تصور نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ پھولوں میں ایک خاص اور عجیب بات یہ نظر آئی کہ ایک ایک پھول میں کئی کئی سو رنگوں کا امتزاج ہے اور یہ رنگ محض رنگ نہیں بلکہ ہر رنگ روشنی کا ایک قمقمہ ہے۔ ہوا چلتی ہے تو یہ رنگ اور روشنیوں سے بنے ہوئے پھول ایسا سماں پیدا کرتے ہیں کہ ہزاروں رنگ برنگے روشن قمقمے درختوں کی شاخوں پر جھول رہے ہیں۔

جنت کے انگور:

درختوں میں ایک خاص یہ بات نظر آئی کہ ہر درخت کا تنااور شاخیں، پتے، پھل اور پھول ایک دائرے میں تخلیق کئے گئے ہیں۔ جس طرح برسات میں سانپ کی چھتری زمین میں سے اگتی ہے۔اسی طرح گول اور بالکل سیدھے تنے کے درخت ہیں۔ ہوا جب درختوں اور پتوں سے ٹکراتی ہے تو ساز بجنے لگتے ہیں۔ان سازوں میں اتنا کیف ہے کہ آدمی کا دل وجدان سے معمور ہو جاتا ہے۔اس باغ میں انگور کی بیلیں ہیں۔انگوروں کا رنگ گہرا گلابی یا گہرا نیلا ہے۔ بڑے بڑے خوشوں میں ایک ایک انگور اس فانی دنیا کے بڑے سیب کے برابر ہے۔اس باغ میں آبشار اور صاف شفاف دودھ جیسے پانی کے چشمے ہیں۔ بڑے بڑے حوضوں میں سینکڑوں قسم کے کنول کے پھول گردن اٹھائے کسی کی آمد کے منتظر ہیں۔ باغ میں ایسا سماں ہے جیسے صبح صادق کے وقت ہوتا ہے یا بارش تھمنے کے بعد سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ہوتا ہے۔

اس باغ میں پرندے تو ہزاروں قسم کے ہیں مگر چوپائے کہیں نظر نہیں آئے۔ بہت خوبصورت درخت پر بیٹھے ہوئے ایک طوطے سے صوفی نے پوچھا کہ یہ باغ کہاں واقع ہے۔ اس طوطے نے انسانوں کی بولی میں جواب دیا۔

''یہ جنت الخلد ہے۔ یہ اللہ کے دوست لعل شہباز قلندرؒ کا باغ ہے۔'' اور حمد و ثناء کے ترانے گاتا ہوا اڑ گیا۔ انگوروں کا ایک خوشہ توڑ کر واپس جنت کی کھڑکی سے دوبارہ قبر شریف میں آ گیا۔

قلندر صاحب نے پوچھا۔ ''ہمارا باغ پسند آیا تمہیں؟'' عرض کیا کہ ''ایسا باغ نہ کسی نے دیکھا اور کوئی انسان اس کی تعریف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔''

جنت کا لباس:

روح کی ازلی صفت ہے کہ ہر عالم میں اپنا لباس اختیار کر لیتی ہے جس طرح روح آب و گل کی دنیا میں گوشت پوست کا لباس اختراع کرتی ہے اس ہی طرح مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنا ایک لباس بناتی ہے اور اس لباس میں وہ تمام صفات اور صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں جو مرنے سے پہلے اس دنیا میں موجود تھیں۔ وہاں لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ خوشی و غم کیا ہیں؟ یہ لوگ آپس میں جنتی اور دوزخی لوگوں میں امتیاز بھی کرتے ہیں۔

''اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو کہ ہم پا چکے جو ہم کو وعدہ دیا تھا ہمارے رب نے تحقیق سو تم نے بھی پایا؟ جو تمہارے رب نے وعدہ دیا تھا تحقیق بولے۔ ہاں، پھر پکا ایک پکارنے والے نے ان کے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی بے انصافوں پر۔ جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔'' ان دونوں گروہ کے درمیان ایک اوٹ حائل ہو گی جس کی بلندیوں (اطراف) پر کچھ لوگ ہوں گے۔ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے ''سلامتی ہو تم پر''۔ یہ لوگ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہونگے اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے۔ ''اے رب! ہمیں ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے۔'' پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے۔ ''دیکھ لیا تم نے! آج نہ تمہارے جتھے تمہارے کسی کام آئے اور نہ وہ ساز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے اور کیا اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ نہیں دے گا۔ آج ان سے کہا گیا ہے کہ داخل ہو جاؤ جنت میں، تمہارے لئے نہ خوف ہے نہ رنج۔'' (سورۂ اعراف۔ آیت نمبر ۴۴ تا ۴۹)

ویڈیو فلم:

نوع انسان اور نوع اجنہ کے لئے دو طبقے متعین ہیں۔ یہ دونوں طبقے علیین اور سجین ہیں۔

"اور آپ کیا سمجھے سجین کیا ہے۔ یہ لکھی ہوئی کتاب ہے۔" (سورۃ مطففین۔ آیت ۸،۹)

"اور آپ کیا سمجھے علیین کیا ہے۔ یہ لکھی ہوئی کتاب ہے۔" (سورۃ مطففین۔ آیت ۲۰۔۱۹)

کتاب المرقوم لکھی ہوئی کتاب (ریکارڈ) ہے۔ انسان دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے وہ سب کا سب فلم کی صورت میں ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ ہر خیال، ہر تصور، ہر حرکت اور ہر عمل شکل و صورت رکھتا ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں ہمارے اپنے علم کے دائرے میں اس کی فلم بن جاتی ہے۔

ہاتف غیبی:

کائنات ایک اجتماعی فہم رکھتی ہے۔ ہر ذرے، سیارے، ستارے، چرند، پرند، حیوان، انسان، جنات اور فرشتے سب کو زندگی کی تحریکات ایک ایسے شعور سے ملتی ہیں جو اپنے اندر کائنات کی معلومات کا ریکارڈ رکھتا ہے۔ دور جدید کی زبان میں اس کی مثال ایک ایسے کمپیوٹر کی ہے جس میں کسی ملک کے کوائف اور حالات کا مکمل ریکارڈ موجود ہو۔

اس شعور سے رابطے کا ذریعہ آواز ہے۔ اس آواز کو اصطلاحاً ہاتف غیبی کہتے ہیں۔ جس کے معنی "غیب کا پکارنے والا" ہے۔ یہ آواز کائنات میں ہر وقت دور کرتی رہتی ہے اور کوئی شخص جس کا ذہن مرکزیت قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور آلائش سے پاک ہے، متوجہ ہو کر اسے سن سکتا ہے۔ سوال کرے تو جواب پا سکتا ہے۔

کائنات آواز کی بازگشت ہے:

تمام مذاہب آواز کو اولیت دیتے ہیں۔ انجیل میں ہے کہ:

"خدا نے کہا، روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی۔"

ہندو مذہب میں "اوم" کی آواز کو مقدس خیال کیا جاتا ہے۔

ہندو سادھو کہتے ہیں کہ:

آکاش اور دھرتی اور اس کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب اوم کی بازگشت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کائنات میں ایک آواز مسلسل دور کر رہی ہے۔ اس آواز کا نام وہ "آکاش وانی" یعنی آسمانی صدا رکھتے ہیں۔

صوفیاء بھی ایک غیبی آواز کا تذکرہ کرتے ہیں جو "صوت سرمدی" یعنی خدائی آواز کہلاتی ہے۔ اسی آواز سے اولیاء اللہ پر الہام ہوتا ہے۔

اس آواز کو سننے کا طریقہ یہ ہے کہ:

"مراقبہ کی نشست میں بیٹھ کر دونوں کانوں کے سوراخ کو روئی کے پھوئے سے بند کر دیا جائے۔اب اپنے باطن کی طرف متوجہ ہو کر ایک ایسی آواز کا تصور کیا جائے جو مندرجہ ذیل کسی آواز سے مشابہت رکھتی ہو۔

۱) میٹھی اور سریلی آواز

۲) شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ

۳) پانی کے جھرنے کی آواز یعنی وہ آواز جو پانی کی سطح پر پانی کے گرنے یا پتھروں پر پانی کے گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

۴) بانسری کی آواز

۵) گھنٹیوں کی آواز

آواز میں اسرار و رموز:

صاحب مراقبہ جب مسلسل اس آواز پر دھیان مرکوز رکھتا ہے تو کان میں آواز آنے لگتی ہے۔یہ آواز مختلف انداز اور طرزوں میں سنائی دیتی ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ آواز میں الفاظ اور جملے بھی سنائی دیتے ہیں۔آواز کے ذریعے مراقبہ کرنے والے پر اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں۔غیبی واقعات کا کشف اور عالم بالا سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔جب صاحب مراقبہ مشق میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو غیبی آواز سے گفتگو کی نوبت آجاتی ہے اور وہ آواز سے سوال جواب بھی کرتا ہے۔جب کوئی شخص اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہاتف غیبی کو سن سکے تو از خود سوال کرنے اور جواب حاصل کرنے کی صلاحیت بھی اس کے اندر بیدار ہو جاتی ہے۔تاہم عملی طور پر اس کا طریقہ یہ ہے:

۱) جو بات پوچھنی ہو اس کو ذہن میں ایک بار دہرائیں۔

۲) پھر مراقبہ کی حالت میں بیٹھ کر ہاتف غیبی کی طرف توجہ کریں اور مسلسل دھیان قائم رکھیں۔

۳) اس وقت سوال کو ذہن میں نہ لائیں صرف توجہ ہاتف غیبی کی طرف مرکوز رکھیں۔

۴) ذہنی یکسوئی اور دماغی طاقت کی مناسبت سے جلد ہی آواز کے ذریعے جواب ذہن میں آجاتا ہے۔

۵) ہاتف غیبی کی آواز سننے یا ملاقات کرنے کے لئے اہم ضرورت مرشد کریم کی نگرانی ہے۔یہ ایسی ہی بات ہے کہ چھوٹے ناواقف بچے کو کسی لیبارٹری میں اکیلا چھوڑ دیا جائے اور وہاں ایسے کیمیکل ہوں جو نقصان کا سبب بن سکتے ہوں۔تو اسے فائدہ کے بجائے تکلیف اور پریشانی لاحق ہو گی۔

مراقبہ قلب:

مرشد کریم کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے اپنے دل کے اندر جھانکیں اور نگاہ تصور سے یہ دیکھیں کہ دل میں ایک سیاہ نقطہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد نقطے کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذہن کو نقطے کی گہرائی میں داخل کیا جائے۔ آہستہ آہستہ ذہن نقطے کی گہرائی میں داخل ہوتا ہے اور جس مناسبت سے گہرائی واقع ہوتی ہے نقطے کے اندر پہلے دنیا اور پھر دنیائیں نظر آنے لگتی ہیں۔

مسلمان سائنسدان

۱۴۲۴ سال پہلے زمین پر جہالت کی سیاہ چادر پھیلی ہوئی تھی، ہر طرف فساد برپا تھا۔ جہالت اور بربریت کی اس سے زیادہ بری مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ والدین اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ بے حیائی اور فحاشی عام تھی۔ زمین جب فساد اور خون خرابے سے بھر گئی اور اشرف المخلوقات نے انسانی حدود کو پھلانگ کر حیوانیت کو اپنالیا اور اللہ کے عطاء کردہ انعام ''فی الارض خلیفہ'' کے منصب کو یکسر بھول گیا تو اللہ نے زمین کو دوبارہ پرسکون بنانے کے لئے اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اس برگزیدہ مقدس اور مطہر بندے نے عجیب و غریب، حیرت انگیز، محدود و لامحدود رنگ رنگ اللہ کی نشانیوں کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا کہ ابتدائی دور میں زمین و آسمان کی حقیقت عربوں پر عیاں ہوگئی۔

قرآن نے بتایا:

''بیشک زمین و آسمان کی پیدائش رات اور دن کے بار بار ظاہر ہونے اور چھپنے میں ان عقلمندوں کے لے نشانیاں ہیں جو لوگ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تو نے یہ سب فضول اور بے مقصد نہیں بنایا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے محفوظ کردے۔''

(سورۃ آل عمران۔ آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱)

''کیا ان لوگوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کسی قسم کا سقم نہیں ہے اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ بنائے اور اس میں سے ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں، یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دانا اور بینا ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔''

(سورۃ ق۔ آیت نمبر ٦تا٨)

جب مسلمان علم کی تلاش میں صف بستہ ہوگئے تو انہوں نے علم کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جو ان کی تحقیقات سے تشنہ رہا ہو۔ ان کی تحقیقات پوری امت مسلمہ کے لئے سبق آموز ہیں اور عبرت انگیز بھی۔ مغربی ممالک کی لائبریریاں آج بھی مسلمان اسلاف کی کتابوں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ وہ دانشور مسلمان ہیں جنہوں نے تحقیقات کرکے علوم کی شمعیں روشن کیں۔ مسلمانوں نے دنیا میں

اس وقت روشنی پھیلائی جب چہار سو تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ان مفکرین، محققین میں علوم باطن کے ماہرین متصوفین بھی تھے اور سائنسدان بھی تھے۔ آج مسلمان تہی دست ہے۔ اس لئے کہ من حیث القوم ہمارے اندر سے تفکر، ریسرچ اور اللہ کی نشانیوں میں سوچ وبچار کا ذوق ختم ہو گیا ہے۔

عبدالمالک اصمعی:

عبدالمالک اصمعی نے علم ریاضی، علم حیوانات، علم نباتات اور انسان کی پیدائش اور ارتقاء پر تحقیق کی۔ عبدالمالک اصمعی سائنس کا پہلا بانی ہے اس سے پہلے سائنس کے علم کا وجود تاریخ کے صفحات پر موجود نہیں ہے۔

جابر بن حیان:

جابر بن حیان کی کتابوں کے تراجم پندرھویں صدی عیسوی تک یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے رہے ہیں۔ اس سائنس دان نے کپڑے کو واٹر پروف، لوہے کو زنگ سے محفوظ رکھنے اور شیشے کو رنگین کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

محمد بن موسیٰ الخوارزمی:

محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے صفر کا اضافہ کر کے ہندسوں کی قدر کو بڑھایا۔ اس نے کرّہ ارض کے نقشے بنائے اور جغرافیہ میں تحقیقات کیں۔

علی ابن سہیل ربان الطبری:

علی ابن سہیل ربان الطبری نے فردوس الحکمت کے نام سے ایک مکمل کتاب لکھی۔

یعقوب بن اسحاق الکندی:

یعقوب بن اسحاق الکندی علم فلکیات، کیمسٹری، موسیقی اور طبیعات میں ماہر تھا۔

ابوالقاسم عباس بن فرناس:

ابوالقاسم عباس بن فرناس ہوا میں اڑنے کے تجربے کرتا رہا اس کی کوششیں ہوائی جہاز بننے کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ دھوپ گھڑی بھی اس کی ایجاد ہے۔

ثابت ابن قرۃ:

ثابت ابن قرۃ نے لیور اور گیئر ایجاد کئے۔ لیور اور گیئر نہ ہوتے تو آج ہم بڑی بڑی مشینوں کے ذریعہ نئی نئی ایجاد نہیں کر سکتے تھے۔

ابو بکر محمد بن زکریا الرازی:

ابو بکر محمد بن زکریا الرازی کو سرجری میں مہارت حاصل تھی۔ آپریشن کے بعد جلد کو سینے کا طریقہ بھی اس کی ایجاد ہے۔

ابوالنصر الفارابی:

ابوالنصر الفارابی نے موسیقی کا ایک آلہ ایجاد کیا تھا جس کی آواز سننے والا کبھی سو جاتا تھا، کبھی روتا تھا اور کبھی ہنستا تھا۔

ابوالحسن المسعودی:

ابوالحسن المسعودی سب سے پہلا شخص ہے جس نے بتایا کہ زمین کی جگہ سمندر تھا اور سمندر کی جگہ زمین۔ یہ بات اس نے اس وقت بتائی تھی جب پیمائش کے لئے کوئی آلہ موجود نہیں تھا۔

ابن سینا:

ابن سینا میڈیکل سائنس کا ماہر تھا اس نے علم الابدان کا نقشہ بنایا اور اس کے الگ الگ حصے کر کے اس کی تصویریں بنائیں۔ موجودہ میڈیکل سائنس میں ANATOMY کی تحریر کردہ کتاب کا ترجمہ ہے۔ ابن سینا نے جسمانی حرارت ناپنے کا آلہ ایجاد کیا جو تھرمامیٹر کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس بیان کردہ سائنس دانوں کے علاوہ انیس یا بیس سائنسدان اور ہیں جنھوں نے تحقیق و تلاش کے بعد سائنسی علوم کی بنیاد رکھی۔

شاہ ولی اللہ:

شاہ عبدالعزیز کے والد بزرگوار نے پہلی مرتبہ قرآن کا فارسی ترجمہ کیا۔ انہوں نے غیب کے اوپر سے پردہ اٹھایا۔ کائناتی نظام کی نقاب کشائی کی اور بتایا کہ ہر انسان کے اوپر نور کا بنا ہوا ایک جسم ہے جو انسان کے جسم کے ساتھ چپکا رہتا ہے۔ محروم اور زوال پذیر قوم نے یہ قدر کی کہ ان کے خلاف قتل کی سازش کی۔

سائنس کا غلغلہ بلند ہوا اور سائنس نے AURA کا تعارف کرایا تو قوم نے اسے نعوذ باللہ صحیفہ سمجھ کر قبول کر لیا۔

باباتاج الدین ناگپوری:

باباتاج الدین نے بتایا کہ انسان کی نگاہ میں بہت زیادہ وسعت ہے۔ سورج 9 کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جب ہماری نگاہ سورج کو دیکھ سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر کے قانون سے واقف ہو کر دور دراز اشیاء کو کسی DEVICE کے بغیر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کائنات میں ہر مخلوق دوسری مخلوق سے ہم رشتہ ہے۔ ہر ذرہ دوسرے ذرہ کے ساتھ پیوست ہے۔ جان جب جان سے گلے ملتی ہے تو زندگی بن جاتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی:

شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات و واقعات ہماری راہنمائی کرتے ہیں کہ نادیدہ مخلوق جنات کو ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ان سے دوستی کر سکتے ہیں۔ اور ان کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

محی الدین ابن عربی:

شیخ اکبر بن عربی نے بتایا کہ روح کو دیکھنا، روح سے مکالمہ کرنا اور روح کے ذریعہ عالم بالا کی سیر کرنا، انفس و آفاق کے رموز سے آگاہ ہونا، انسانوں کے لئے ممکن ہے۔

قلندر باباؒ اولیاء:

عظیم روحانی سائنسدان قلندر باباؒ اولیاء نے خواب کے اوپر سے پردہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ انسان کی زندگی آدھی بیداری میں اور آدھی خواب میں گزرتی ہے۔

بیداری کی زندگی ہو یا خواب کی زندگی دونوں کو روح فیڈ (Feed) کرتی ہے۔ قلندر باباؒ اولیاء فرماتے ہیں کہ:

"روح"، تجلی، نور اور روشنی سے مرکب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روح کے اندر یہ وصف رکھا ہے کہ روح نسمہ کی تشکیل کرتی ہے۔ نسمہ میں تجلی کے غلبہ سے ملاءِ اعلیٰ تخلیق ہوتے ہیں۔

نسمہ میں جب نور غالب ہوتا ہے تو ملائکہ کی تخلیق عمل میں آتی ہے اور نسمہ میں جب روشنی کا غلبہ ہوتا ہے تو جنات اور انسان کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔

انسان اور جنات کی تخلیق میں یہ فارمولا کام کر رہا ہے کہ یہ دونوں مخلوق ظاہر اور غیب میں ردوبدل ہوتی رہتی ہیں۔ غیب میں ردوبدل ہونا خواب کی زندگی ہے اور غیب سے ظاہر میں منتقل ہونا بیداری کی زندگی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ خواب کی دنیا ہو یا بیداری کی دنیا، دونوں حواس پر قائم ہیں۔ حواس کی تشکیل میں مسلسل اور متواتر فعال انفارمیشن کا عمل دخل ہے۔ انفارمیشن کا بہاؤ جب نزول کرتا ہے تو ایسے ایٹم بنتے ہیں جن سے اسپیس (Space) کی تشکیل ہوتی ہے۔اور جب انفارمیشن کا بہاؤ صعود میں ہوتا ہے تو ایسے ایٹم بنتے ہیں جن سے عالم بالا کی مخلوق وجود میں آتی ہے۔

قرآنی نظریہ:

عربوں سے پہلے یورپ، امریکہ، مصر اور ایشیائی ممالک چین، ہندوستان اور جاپان وغیرہ میں سائنس کا عمل دخل نہیں تھا۔ البتہ یونان میں کسی قدر علم موجود تھا۔ علمی تحقیقات اور نئی نئی ایجادات کی طرف رغبت پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ قرآن پاک کے نازل ہونے کے بعد سرزمین عرب جب علم کی روشنی سے منور ہوئی اس وقت مغربی ممالک میں تہذیب و تمدن کا کوئی نشان نہ تھا۔ روس کے لوگ انسانی کھوپڑیوں میں پانی پیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے مسلمان صحرا نشینوں کی زندگی بدل دی۔

قرآن کے علم اور قرآن کے بتائے ہوئے روشن راستے پر چل کر پچاس سال کی مختصر مدت میں مسلمانوں نے آدھے سے زیادہ دنیا فتح کرلی۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں مسلمانوں کے قدموں پر جھک گئیں۔ قرآنی آیات کے انوار سے روشن دل مسلمانوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور دنیا کو ایک نئی تہذیب و تمدن سے آراستہ کر دیا۔

یونیورسٹیاں:

قرآنی نظریہ کے مطابق مسلم اسلاف کی لکھی ہوئی کتابوں کے تراجم ہوئے تو ان تحریروں کو یورپ میں اتنی زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی کہ وہاں یونیورسٹیاں قائم ہو گئیں۔ مختلف علوم سائنس و فلکیات اور ریاضی پر لکھی ہوئی کتابیں چار سو سال تک وہاں کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل رہیں۔ یورپ کے مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان نہ ہوتے تو یورپ علم کی روشنی سے محروم رہ جاتا۔ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں کا علمی زوال شروع ہوا۔ امت مسلمہ قرآنی تحقیق و تفکر (تصوف) سے دور ہو گئی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے قرآن کے انوار و حکمت سے خود ساختہ دوری قبول کرلی۔ مسلمانوں نے تفکر کرنا چھوڑ دیا پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ قرآنی علوم کے ذریعہ معاشی، معاشرتی اور روحانی زندگی کی جو شمع روشن ہوئی تھی قوم نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔

تسخیر کائنات جو قرآن کا پورا اور مکمل تیسرا علم ہے اس کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور عالم اسلام اس شعور سے محروم ہو گیا جو چودہ سو

سال پہلے قرآن نے عطا کیا تھا اور جب کوئی قوم تفکر، تحقیق و تلاش، بصیرت و حکمت اور نور علیٰ نور فہم وفراست سے محروم ہو جاتی ہے تو گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے اور قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

روحانیت کے خلاف سازش:

دنیا کے دوسرے معاملات کی طرح منافق اور سازشی لوگوں نے روحانی سلسلوں میں بھی اپنا عمل دخل جاری رکھا اور لوگوں کی توجہ کشف و کرامات کی طرف مبذول کر دی۔ اس طرز فکر کو کچھ اس طرح آگے بڑھایا گیا کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ روحانیت کا مطلب کشف و کرامات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ دوسری بات جو حقیقت کے برخلاف بیان کی گئی وہ یہ تھی کہ تسخیر کائنات یا روحانی علوم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا بیزار ہو کر جنگل میں جا بیٹھے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمان قوم ریسرچ سے محروم ہو گئی اور غیر مسلم اقوام نے علم کائنات میں ترقی کر لی۔ آج کے دور میں ہر آدمی یہ بات جانتا ہے کہ سو سال پہلے جو باتیں کرامات کے زمرے میں بیان کی جاتی تھیں وہ سائنسی نظام کے تحت عام ہو گئی ہیں۔ اب یہ کہنا کہ فلاں بزرگ کو پانچ جگہ یا سات جگہ دیکھا گیا تھا ایک بہت کم وزن بات معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کی تعلیمات کو اگر مادی شعور کے دائرے میں رہ کر سمجھا جائے تو قرآن کے معنی اور مفہوم میں شدید غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام قرآنی جیسی عظیم الشان اور لاریب کتاب کے بارے میں اپنے قائم کردہ مفہوم پر متفق نہیں ہیں۔ ہر تفسیر نئے اسلوب اور نئی شرح کی دستاویز ہے۔ قرآن کے الفاظ اس لئے محفوظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔

ابدی زندگی کا راز:

صوفیاء کرام کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ انسان ہر لحہ مرتا ہے اور لحہ کی موت انسان کے اگلے لمحے کی زندگی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

تھوڑے سے تفکر سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کی جتنی بھی کاوشیں ہیں چاہے وہ اعمال ہوں، علم و فہم ہو، اخلاقیات ہوں، یہ سب قبر تک کے معمولات ہیں۔ اگر زندگی اور حیات کی ہم آہنگی کا ادراک انسان کرلے تو حیات ابدی کا راز اسی زندگی کے لیل و نہار میں کھل جاتا ہے۔

ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ آج کا انسان مادی ماحول میں اس قدر کھو چکا ہے کہ اس نے مذہب کو مادی لذتوں کا وسیلہ بنالیا ہے۔ مذہب کا نام استعمال کرنے والے تو بہت ہیں مگر ایمان یقین اور مشاہدے کی طلب اس دور میں ناپید ہو چکی ہے۔ جب صاحب ایمان ہی ناپید ہو جائیں تو ایمان کی طلب کون کرے گا؟

آج کا انسان:

آج کا انسان موجودہ سائنسی ترقی کو نوع انسان کا انتہائی شعور سمجھتا ہے۔ یہ ایک گمراہ کن سوچ ہے اس لئے کہ قرآن بتاتا ہے کہ انسان کی ترقی حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اتنی تھی کہ ایک شخص نے جو پیغمبر نہیں تھا پلک جھپکنے کے وقفے میں ڈیڑھ ہزار میل کے طویل فاصلے سے مادی FORM میں دربار سلیمان میں تخت منتقل کر دیا تھا۔ دانشوروں کا کردار گزشتہ صدیوں سے آج تک انتہائی مایوس کن رہا ہے۔ انہوں نے کبھی انسانی تفکر کو اس طرف مائل نہیں کیا اور انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی وسیلے کے جسمانی طور پر کون سی سائنس کے ذریعے معراج کے شرف سے مشرف ہوئے۔

الیکٹران:

انسان روشنی سے بنا ہوا ہے اس کے سارے محسوسات الیکٹران کے اوپر قائم ہیں۔ اگر انسان اپنے اندر دور کرنے والی الیکٹرک سٹی سے واقفیت حاصل کر لے تو وہ مادی وسائل کے بغیر کسی بھی مادی شئے کو جہاں چاہے منتقل کر سکتا ہے۔ سائنس کا نظریہ قیاس پر مبنی ہے۔

قیاس جہاں تک کام کرتا ہے نتیجہ مرتب ہوتا رہتا ہے یا نہیں ہوتا۔ قیاس کا پیش کردہ کوئی نظریہ کسی دوسرے نظریہ کا چند قدم ساتھ ضرور دیتا ہے مگر پھر ناکام ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے بذات خود جتنے طریقے وضع کئے ہیں سب کے سب کسی نہ کسی مرحلہ میں غلط ثابت ہوئے ہیں۔ توحید کے علاوہ اب تک جتنے نظام ہائے حکمت بنائے گئے ہیں وہ تمام اپنے ماننے والوں کے ساتھ مٹ گئے یا آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں۔ آج کی نسلیں گزشتہ نسلوں سے زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہوں گی۔

مفکرین اور اقوام عالم:

مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے وظیفے جداگانہ ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام نوع انسان کا جسمانی وظیفہ ایک ہو سکے صرف روحانی وظائف ہیں جن میں پوری نوع انسانی اشتراک رکھتی ہے۔ اگر دنیا کے مفکرین جدوجہد کر کے روحانی وظائف کی غلط تعبیروں کو درست کر سکے تو وہ اقوام عالم کو ایک دائرہ میں اکٹھا کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"انسان ہماری بہترین صناعی ہے۔" (سورۃ والتین۔ آیت نمبر ۴)

انسان کو مخلوقات میں فضیلت اس بنیاد پر قائم ہے کہ اس کے اندر مخفی علوم جاننے سمجھنے اور ان علوم سے استفادہ کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب سے صدیوں پہلے کی سائنسی ایجادات ہوں یا موجودہ دور میں سائنسی ایجادات ہوں یہ سب مخفی صلاحیتوں کے استعمال کا مظاہرہ ہے۔

تخلیقی فارمولے:

علم تصوف۔۔۔۔۔انکشاف کرتا ہے کہ زمین پر موجود ہر شئے روشنی کے غلاف میں بند ہے اور روشنی کے غلاف میں مقداریں کام کر رہی ہیں۔ انسان جب مخفی صلاحیتوں کو بیدار کر کے کسی شئے میں تفکر کرتا ہے تو اس کے اوپر شئے کے اندر چھپی ہوئی قوتیں منکشف ہو جاتی ہیں۔ موجودہ سائنسی ترقی اسی ضابطہ اور قاعدہ پر قائم ہے۔ سائنس دانوں نے جیسے جیسے تفکر سے کام لیا ان کے اوپر شئے کے اندر کام کرنے والی تخریبی اور تعمیری قوتیں آشکار ہو گئیں۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں جتنی بھی اشیاء ہیں خواہ وہ مائع ہوں یا ٹھوس ہوں یا گیس کی صورت میں ہوں سب کی سب ایٹموں سے بنی ہوئی ہیں اور خود ایٹم زیادہ تر ''خلا'' پر مشتمل ہے۔ بعض اشیاء میں تمام کے تمام ایٹم ایک جیسے ہوتے ہیں ایسی اشیاء کو عناصر کہا جاتا ہے جن میں ہائیڈروجن، کاربن، لوہا، سونا، سیسہ، پلاٹینم اور یورنیئم جیسے قدرتی عناصر ہیں۔ عناصر کے علاوہ مرکبات میں مختلف عناصر کے ایٹم ایک دوسرے میں جذب اور گندھے ہوئے ہیں۔ عناصر کی باہمی پیوستگی سے سالمات بنتے ہیں۔

:TOM

ایٹم یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''TOM'' ناقابل تقسیم شئے، کے ہیں۔ یونانی زبان میں ''ٹوم(TOM)'' تقسیم کرنے کو کہتے ہیں۔ آریائی زبانوں میں ''آ'' نفی کا کلمہ ہے۔ ایٹم کا نام دمقراط نامی ایک سائنس دان کا وضع کردہ ہے۔

دمقراط نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ دنیا کی ہر شئے نہایت چھوٹے چھوٹے ناقابل تقسیم ذروں یعنی ایٹموں سے بنی ہے۔ ایٹم کا سائز ایک انچ کا ڈھائی کروڑ حصہ ہوتا ہے یعنی سوئی کی نوک پر لاکھوں ایٹم رکھے جا سکتے ہیں۔ ہلکی اشیاء کے ایٹم ہلکے اور بھاری اشیاء کے ایٹم بھاری ہوتے ہیں بشمول انسان تمام جانداروں کی روح بھی ایٹموں سے مرکب ہے۔ روح کے ایٹم باقی تمام اشیاء کے ایٹموں سے چھوٹے اور لطیف ہوتے ہیں۔ موت کے بارے میں دمقراط کا خیال تھا کہ جب روح کے تمام ایٹم جسم سے نکل جاتے ہیں تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں جسم میں روح کا ایک ایٹم بھی باقی نہیں رہتا جو خارج شدہ ایٹموں کو واپس لا سکے۔ اس لئے روح نکل جانے کے بعد آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔

مادہ اور توانائی:

تحقیق اور تجربات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مادہ اور توانائی ایک ہی شئے کے دو روپ ہیں کیونکہ یہ تمام ذرات جو کہ اب تک معلوم ہو گئے ہیں توانائی کی صورت میں سامنے آئے ہیں یعنی ان بنیادی ذرات پر تجربات سے ہی ان کی تقسیم اور ٹوٹ پھوٹ سے آخر کار توانائی ہی حاصل ہوتی ہے۔

مالیکیول ایٹم یا بنیادی ذرات جواب تک دیکھے نہیں جا سکے ان کے بارے میں اتنی مفصل معلومات کن بنیادوں پر جمع کی گئی ہیں؟

سائنس دان اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تجربات کے نتائج سے حاصل ہونے والے تاثر یا خصوصی مظاہرہ کی صورت میں یہ اخذ کیا گیا ہے کہ ایٹم اور اس کے ذرات کیا ہیں۔ مثلاً ٹی وی اسکرین پر جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ الیکٹران دھار Electron Beam کے بہاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے جب کہ الیکٹران یا الیکٹران بیم دکھائی نہیں دیتی۔ اس طرح کے تجربات میں ایٹم کو جب کسی بیرونی قوت یا شعاع کے زیر اثر لایا جاتا ہے تو ایٹمی ذرات پر اس کی اثر پذیری کے نتائج ایک اسکرین پر دیکھے جاتے ہیں۔ اسکرین پر نظر آنے والا یہ Response روشنی کے دھبہ (Dot) یا ٹمٹماہٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس طرح ذرات کی خصوصیات معلوم کرلی جاتی ہیں۔

نور کے غلاف:

احسن الخالقین اللہ کے تفویض کردہ اختیارات کے حامل لوگ۔۔۔ کائنات کی تخلیق میں نور کا تعین کرتے ہیں۔ نور اور روشنی کے Flow کو کائنات کی حرکت قرار دیتے ہیں۔ کائنات میں بڑے سے بڑا کرہ۔۔۔ یا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ۔۔۔ (ایٹم)۔۔۔ نور کے غلاف میں بند ہے۔ اور ہر ذرہ اور عناصر کی پوری دنیا۔۔۔ مقداروں پر قائم ہے۔ مقداریں الگ الگ ہیں۔ لیکن ہر مقدار دوسری مقدار کے ساتھ آپس میں گندھی ہوئی ہے۔ ایک طرف مقداریں ہم رشتہ ہیں اور دوسری طرف الگ الگ بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

"یہ جو بہت سی رنگ برنگی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ان میں نشانی ہے ان کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں یعنی ریسرچ کرتے ہیں۔"

(سورۂ نحل۔ آیت نمبر ۱۳)

"اللہ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی۔"

(سورۂ نور۔ آیت نمبر ۳۵)

چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ہے قرآن میں جس کی وضاحت نہ ہو۔"

(سورۂ سبا۔ آیت نمبر ۳)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے اس کتاب کو اس نے اتارا ہے جو زمین اور آسمانوں کا جاننے والا ہے۔"

(سورۂ فرقان۔آیت نمبر ٦)

یعنی کائنات کا ایک ایک ذرہ حتیٰ کہ اس کا ایک ایک ایٹم اور ایک ایک سالمہ (Molecule) اس کے علم میں ہے۔

معین مقداریں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا اور پھر ان تخلیقی فارمولوں سے آگاہ کیا۔"

(سورۂ اعلیٰ۔آیت نمبر ١تا٣)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو معین مقداروں (ایٹم) سے بنایا ہے اور معین مقداریں دراصل اس شئے کے ظاہر اور باطن میں کام کرنے والی صلاحیتیں ہیں جو ایک قانون اور Discipline کے تحت ایک واحد ہستی کی نگرانی میں برقرار ہیں۔ بڑے بڑے اجرام سماوی معمولی اور ننھے سے ایٹم، ایٹم کے اندرونی خول یا اجزاء الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران اس ذات واحد کی نظروں کے سامنے ہیں۔ کوئی بھی ذرہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"وہ ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے۔ اس کے علم سے کوئی رتی برابر چیز باہر نہیں۔ وہ چیز آسمانوں میں ہو یا زمین میں اور ان تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا اور ان چیزوں کی تمام اقسام کے فارمولے کھلی کتاب میں موجود ہیں۔"

(سورۂ سبا۔آیت نمبر ١تا٧)

ذرات کی تین قسمیں:

سورۂ سبا کی اس آیت میں تین قسم کے ذرات کا بیان ہوا ہے:

١) رتی برابر ذرہ

٢) اس سے چھوٹا

٣) نسبتاً اس سے چھوٹا

تخلیق میں تین قسم کے ذرات پائے جاتے ہیں۔ایک ایٹم دوسرے ایٹم کے اندرونی اجزاء اور سوئم ایٹم کے مرکبات۔

۱) ''مثقال ذرہ'' یعنی وہ رتی برابر چیز ہے جس میں وزن پایا جاتا ہو۔سب جانتے ہیں کہ رتی چھوٹے سے وزن کا تشخص ہے۔ذرہ برابر چیز کا مطلب یہ ہوا جس میں کوئی وزن ہو اور معین مقدار یا مقداریں ہوں۔ایٹم چونکہ ایک ایسی اکائی ہے جس کے اندر الیکٹران، پروٹان، نیوٹران موجود ہیں۔اس لئے اس میں مقدار اور وزن دونوں ہیں۔

۲)اس سے چھوٹا یعنی ایٹم سے نسبتاً چھوٹا الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران وغیرہ اور ایٹموں کے مرکزوں سے خارج ہونے والی الفاء، بیٹا اور گاما شعاعیں۔

۳)اور اس سے بڑا (ایٹم سے بڑا) یعنی قیامت تک دریافت ہونے والے ہر ایٹم کے ذرات اور اجزاء خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے ہوں اور کتنے ہی بڑے ہوں۔

روشنی کا جال:

قرآن میں تفکر کرنے سے انسان کی نظر میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایٹم کی اکائی میں روشنی کے جال کو دیکھ لیتی ہے۔ایک صوفی یہ جان لیتا ہے کہ ایٹم کا، ایٹم کے اندرونی اجزاء اور ارض وسماء کا خالق ایک ہے اور پوری کائنات اس کی ملکیت ہے۔اس نے اس کائناتی سسٹم کو ایک ضابطہ کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور ہر چیز کو معین مقداروں کے ساتھ وجود بخشا ہے۔

مقداروں کا یہ علم وہ لوگ سیکھ لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق:

''اور وہ جن لوگوں نے میرے لئے یعنی میری تخلیق کو جاننے کے لئے جدوجہد اور کوشش کی میں انہیں اپنے راستے دکھاتا ہوں۔''

(سورۂ عنکبوت۔آیت نمبر ۶۹)

قرآن میں لوہے (دھات) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

''اور ہم نے نازل کیا لوہا (اس میں دوسری دھاتیں بھی شامل ہیں جیسے یورینیم وغیرہ) اور اس میں ہم نے انسانوں کے لئے بیشمار طاقت اور فائدے رکھ دیئے ہیں۔''

(سورۂ حدید۔آیت نمبر ۲۵)

مغیبات اکوان:

مرشد کی نگرانی میں تصوف کے اسباق کی تکمیل کرنے والا فرد جب ان مقداروں سے واقف ہو جاتا ہے جو اشیاء کی تخلیق میں کام کر رہی ہیں تو وہ مقداروں کو کم و بیش کر کے شئے میں ماہیت قلب کر سکتا ہے۔ مقداروں کا علم اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دھات سیسہ (Lead) میں ایسی مقداریں موجود ہیں جو ایٹم کی قوت پر غالب آ سکتی ہیں۔

لہروں کا جال:

کائنات چار نہروں یا چار توانائیوں سے فیڈ ہو رہی ہے۔

۱۔ نہر تسوید

۲۔ نہر تجرید

۳۔ نہر تشہید

۴۔ نہر تظہیر

یورینیم اور لیڈ دونوں دھاتیں تسویدی لہروں سے فیڈ ہوتی ہیں۔ لیڈ کے اوپر ایسی لہروں کا غلاف بنا ہوا ہے کہ اگر اسے تلاش کر لیا جائے تو دنیا ایٹم کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”زمین اور آسمان اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے۔ سب کا سب انسانوں کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔“

(سورۃ جاثیہ۔ آیت نمبر ۱۳)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان زمین و آسمان میں موجود کسی بھی شئے کے اندر جب تفکر کرے گا تو اس شئے کے اندر کام کرنے والی مقداروں کا علم اسے حاصل ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ ایٹم مقداروں کا ایک مرکب ہے اور یہ مقداریں مادیت کی اکائی ہیں۔ مادیت کی ہر اکائی نور کے غلاف میں بند ہے۔ نور کے اوپر روشنی کا غلاف ہے۔ روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل بتائی جاتی ہے۔ روشنی کی رفتار سے ہزاروں گنا نورانی لہروں کی رفتار ہے۔ نور اور روشنی مرکب اور مفرد دو لہروں کا ایک جال ہے جس کے اوپر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا ذرہ بنا ہوا ہے۔ صوفی جب روشنی کی سطح سے نکل کر نور میں داخل ہو جاتا ہے تو چھوٹے سے چھوٹے ذرہ میں ناقابل بیان طاقت (Energy) اس کے اوپر منکشف ہو جاتی ہے۔

موجودہ سائنسی ترقی میں جو عوامل کام کر رہے ہیں ان میں انفرادی سوچ اور مادی مفاد کا عمل دخل ہے۔اس لئے یہ ساری ترقی نوع انسانی کے لئے پریشان اور بے سکونی کا پیش خیمہ بن گئی ہے۔اگر یہی ترقی اور ایجاد پیغمبرانہ طرز فکر کے مطابق ہو جائے تو سائنس نوع انسانی کے لئے سکون و آشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔فی الوقت صورتحال یہ ہے کہ ترقی کا فسوں انسانی نسل کو آتش فشاں کے کنارے لے آیا ہے۔اگر اس کا مثبت تدارک نہ کیا گیا تو یہ دنیا کسی بھی وقت بھک سے اڑ جائے گی۔جو چیز وجود میں آجاتی ہے اس کا استعمال ضرور ہوتا ہے۔

صوفی اور سائنٹسٹ:

موجودہ سائنسدان اور صوفی سائنسدان میں یہ فرق ہے کہ سائنٹسٹ کے پیش نظر پہلے اپنا مفاد ہوتا ہے اور صوفی کا علم مخلوق کے لئے وقف ہوتا ہے۔

کائناتی نظام کو سمجھنے کی صلاحیت کو تصوف میں مغیبات اکوان کہتے ہیں۔مغیبات اکوان کے حامل صوفی خواتین و حضرات کے اندر اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہزاروں سال پہلے کے گزرے ہوئے حالات وواقعات اور ہزاروں سال بعد آنے والے حالات و واقعات کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کی تفصیلات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔

ظاہری علوم اور روحانی علوم

کائنات اور کائنات میں کروڑوں دنیاؤں میں دوعلوم رائج ہیں۔

ایک علم حصولی اور دوسرا علم حضوری۔

علم حضوری:

علم حضوری وہ علم ہے جو ہمیں غیب کی دنیا میں داخل کرکے غیب سے متعارف کراتا ہے۔ علم حضوری سیکھنے والے بندے کے اندر لاشعوری تحریکات عمل میں آجاتی ہیں۔ لاشعوری تحریکات عمل میں آجانے سے مراد یہ ہے کہ حافظہ کے اوپر ان باتوں کو جو بیان کی جارہی ہیں ایک نقش ابھرتا ہے۔ مثلاً اگر علم حضوری سکھانے والا استاد کبوتر کہتا ہے تو ذہن کی اسکرین پر کبوتر کا ایک خاکہ بنتا ہے اور جب الفاظ کے اندر گہرائی پیدا ہوتی ہے تو دماغ کے اندر فی الواقع کبوتر اپنے پورے خدوخال کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اسی طرح روحانی استاد جب ایٹم کا تذکرہ کرتا ہے تو ایٹم کی ساخت ایٹم میں توانائی اور عناصر اور عناصر کی باہمی پیوستگی سے بننے والے سالمات کا ادراک ہوتا ہے۔ علم حضوری میں تین ابواب اور ۷ کلاسیں ہوتی ہیں۔

باب اول: اجمال

باب دوئم: تفصیل

باب سوئم: اسرار

علم حصولی:

علم حصولی یہ ہے کہ جب کوئی استاد شاگرد کو تصویر بنانا سکھاتا ہے تو گراف کے اوپر تصویری خدوخال بنا کر دکھا دیتا ہے۔ شاگرد جتنے ذوق وشوق سے استاد کی رہنمائی میں مشق کرتا ہے اسی مناسبت سے وہ اچھا یا بہت اچھا مصور بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس علم حضوری ہمیں بتاتا ہے کہ ہر انسان کے اندر تصویر بنانے کی صلاحیت موجود ہے، استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ شاگرد کے اندر مصور بننے کی صلاحیت کو متحرک کردیتا ہے۔ ہم اس بات کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں:

اطلاعات کا علم:

دنیا میں جو کچھ موجود ہے یا ہونے والا ہے یا گزر چکا ہے وہ سب خیالات کے اوپر رواں دواں ہے۔ اگر ہمیں کسی چیز کے بارے میں کوئی اطلاع ملتی ہے تو وہ چیز ہمارے لئے موجود ہے اور اگر ہمیں اپنے اندر سے کسی چیز کے بارے میں اطلاع نہیں ملتی یا کسی چیز کے بارے میں خیال نہیں آتا تو وہ چیز ہمارے لئے موجود نہیں ہے۔ جب کوئی آدمی مصور بننا چاہتا ہے تو پہلے اس کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ مجھے تصویر بنانی ہے۔ کوئی آدمی مشین اس وقت بناتا ہے جب اسے مشین بنانے کا خیال آئے۔ اگر خیال نہ آئے تو کوئی آدمی انجینئر، ڈاکٹر، ٹیچر وغیرہ نہیں بن سکتا۔

علیٰ ہذالقیاس دنیا کے ہر علم کی یہی نوعیت ہے۔ پہلے علم کے بارے میں ہمارے اندر خیال پیدا ہوتا ہے اور ہم اس خیال کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور علم ہمارے ذوق و شوق کے مطابق ہمارے اندر کام کرنے والی مخصوص صلاحیت کو متحرک کر دیتا ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شاگرد کے اندر موجود صلاحیت کو بیدار کرنے میں معاون بن جاتا ہے۔ جس طرح تمام علوم و فنون کی صلاحیتیں انسان کے اندر موجود ہیں اسی طرح تصوف یا ''روحانی علوم'' سیکھنے کی صلاحیت بھی انسان کے اندر موجود ہے۔ جب آدمی تصویر بنانا سیکھ لیتا ہے تو اس کا نام مصور ہو جاتا ہے اور جب آدمی فرنیچر بنانے میں ماہر ہو جاتا ہے تو اس کا نام بڑھئی رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی سائنسی اعتبار سے کوئی چیز ایجاد کر لیتا ہے تو وہ سائنسدان کہلاتا ہے۔ روحانی استاد کی مدد سے شاگرد اپنے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار کر لیتا ہے تو اس کا نام روحانی انسان ہو جاتا ہے۔

سائنسی اسکینڈل:

۱۹۱۲ء میں انگلینڈ کے برٹش میوزیم میں ایک انسانی کھوپڑی کی نمائش کی گئی۔ جس کے نیچے لکھا تھا PITT DOWN MAN۔ اس تختی پر یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ انسان سے ملتی جلتی مخلوق کی کھوپڑی ہے جو پانچ لاکھ سال قبل زندہ تھا اور یہ مخلوق موجودہ انسان کی جدامجد تھی۔ پورے چالیس سال اس کھوپڑی پر بحث ہوتی رہی۔ کانفرنسز منعقد کی گئیں اور اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں۔ لیکن جب ریڈیو کاربن طریقہ ایجاد ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ یہ کھوپڑی دراصل ایک انسان کی تھی جبکہ جبڑا ایک بندر کا تھا اور انسان کی کھوپڑی ڈیڑھ سو سال پرانی تھی جبکہ بندر کے جبڑے کی عمر صرف چالیس سال تھی۔ دراصل یہ ایک اعلیٰ درجہ کا سائنسی اسکینڈل تھا چنانچہ کھوپڑی کو فوراً شو ونڈو میں سے اٹھا لیا گیا۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس بنیاد پر جو ڈپلومے دیئے گئے یا کتابیں لکھی گئیں ان کو جھوٹا نہیں کہا گیا۔ ریسرچ کرنے والے قیاس پر قائم شدہ سائنسی نتیجہ کی بنیاد پر ماضی کو اربوں سال پر پھیلا دیتے ہیں۔ جب کہ ان کے پاس تاریخ ثابت کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے۔

مفروضہ علوم:

دنیا کی پیدائش کے متعلق تخمینہ بھی قیاس پر مبنی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ زمین پانچ ارب سال پرانی ہے۔ کچھ سائنسدان زمین کی عمر کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا دور تقریباً نصف ارب سالوں پر مشتمل ہے، دوسرا دور سترہ کروڑ سالوں پر محیط ہے، تیسرا دور ساڑھے چھ کروڑ سالوں پر مشتمل ہے، چوتھا دور پچیس لاکھ سالوں پر مشتمل ہے۔

کچھ سائنسدان دلیل یا سند کے بغیر زمین پر انسان کے ظہور کو دس لاکھ سال پہلے بتاتے ہیں جبکہ کچھ سائنسدان انسان کا زمین پر ظہور دس ہزار سال سے پچاس ہزار سال بتاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کی تخلیق اور انسان کی تخلیق کے بارے میں سائنسدان کسی ایک نقطے پر خود کو مجتمع نہیں کر سکے۔ چند سائنسدان تخمینوں اور اندازوں سے بات کرتے ہیں اور نئے سائنسدان ان کی نفی کر دیتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قریباً دس ارب انسان دنیا میں رہ چکے ہیں۔ ہمارے اس دور میں بتایا جاتا ہے کہ زمین پر چھ ارب انسان آباد ہیں، یہ بڑی عجیب بات ہے کہ پانچ ارب سال میں صرف پانچ ارب کی آبادی زمین پر شمار کی جاتی ہے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ سائنسدان جو کچھ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے کونسے عوامل ہیں، سائنسدان جو کچھ کہتے ہیں دوسرے سائنسدان اس کی تردید کر دیتے ہیں لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ زمین بہت طویل عرصے سے قائم ہے اور زمین پر بستیاں بستی ہیں اور برباد ہو جاتی ہیں۔ ہم حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے کے بعد کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو زمین کے مختلف ادوار ہمارے سامنے آتے ہیں اور یہ سارے ادوار ارتقائی مراحل طے کر کے پھر اس نقطہ پر آجاتے ہیں جہاں سے ارتقاء شروع ہوا تھا۔

مادی جیالوجسٹ:

زمین پر تین حصے پانی ہے اور ایک حصہ خشکی ہے۔ زمین طبقات یا پرت در پرت بنی ہوئی ہے، جس طرح پیاز میں بے شمار پرت ہیں اسی طرح زمین بھی طبقات یا پرت در پرت تخلیق کی گئی ہے۔ زمین کو ادھیڑا جائے تو نظر آتا ہے کہ زمین کا ہر پرت ایک نئی تخلیق ہے۔ ہم کسی پرت کا نام لوہا، کسی پرت کا نام کوئلہ، کسی پرت کا نام تانبہ یا پیتل رکھتے ہیں۔ کسی پرت کو یورینیم یا دوسری دھاتوں کے نام سے جانتے ہیں۔

جیالوجسٹ یہ بات جانتا ہے کہ زمین کے ذرات دراصل نئی نئی تخلیقات کے فارمولے ہیں۔ یہی صورتحال مٹی کی بھی ہے۔ زمین پر مٹی کہیں سرخ ہے، کہیں سیاہ ہے، کہیں بھربھری ہے، کہیں چکنی ہے، کہیں پہاڑ کی طرح سخت ہے اور کہیں دلدل ہے۔ زمین کی ایک خاصیت جو ہر جگہ خود اپنا مظاہرہ کرتی ہے یہ ہے کہ زمین ماں کی طرح اپنے بطن میں کسی بیج کو نشوونما دیتی ہے۔ جس طرح ایک

ماں پہلے دن سے بچے کو اپنے بطن میں تخلیقی پروسیس کے مطابق نشوونما دے کر پیدا کرتی ہے۔اسی طرح زمین بھی بے شمار بیجوں کو الگ الگ تخلیق کر رہی ہے۔ہم جب زمین کی تخلیقات کے اوپر غور کرتے ہیں تو یہ بات یقین کا درجہ حاصل کر لیتی ہے کہ زمین دراصل کسی تخلیق کو مظہر بنانے کے لئے بنیادی مصالحہ فراہم کرتی ہے۔جس طرح کسی کھلونے کی ڈائی میں پلاسٹک ڈال کر کھلونا بنالیا جاتا ہے۔

ہر بیج ایک ڈائی ہے:

زمین کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصف بخشا ہے کہ وہ ہر ڈائی کے مطابق پیدائش عمل میں لے آتی ہے۔جب ہم بیج کے اوپر غور کرتے ہیں تو ہمارا شعور یہ جان لیتا ہے کہ ہر بیج ایک ڈائی ہے۔زمین کا وصف ہے کہ وہ جب کسی ڈائی کو استعمال کرتی ہے تو اس ڈائی کو جتنا چاہے پھیلا دیتی ہے، جتنا چاہے سکیڑ لیتی ہے۔چھوٹے سے چھوٹا بیج جو رائی کے دانے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے اس طرح وسعت دے دیتی ہے کہ وہ بہت بڑا درخت بن جاتا ہے۔زمین کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ تین حصے پانی کی ترسیل اس طرح کرتی ہے کہ وہ پانی ڈائی کے مطابق خود کو ڈائی میں تحلیل کر دیتا ہے۔پانی کا وصف ہے بہنا۔اگر پانی کا بہاؤ ختم ہو جائے تو پانی سڑ جاتا ہے۔اس میں بدبو اور تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔

انسانی فطرت:

ہر انسان کے اندر تین حصے پانی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فطرت پانی کی فطرت کے مطابق ہے۔جب تک انسان اپنی فطرت یعنی مسلسل حرکت میں وقت گزارتا ہے وہ فطرت سے قریب رہتا ہے اور جب کوئی فرد اپنی فطرت یعنی حرکت سے انحراف کرتا ہے تو اس کے اوپر جمود طاری ہو جاتا ہے اور جمود تعفن بن جاتا ہے۔زمین کے اندر زمین کے اوپر جتنے بھی طبقات ہیں، مثلاً اشجار، نباتات، معدنیات کی فطرت حرکت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

روحانی جیالوجسٹ:

تصوف کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ علم دنیا بیزار لوگوں کا علم ہے۔جو زمانہ کے سرد و گرم سے بچنے کے لئے خود کو معاشرے سے دور کر دیتے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ اہل تصوف اچھی طرح جانتے ہیں کہ کائنات مسلسل حرکت ہے۔یہی وجہ ہے کہ الٰہی مشن پھیلانے کی ذمہ داری اہل تصوف حضرات وخواتین کے سپرد کی گئی ہے جو جمود سے انحراف کرتے ہیں۔

دنیا بیزاری اور جمود کے بارے میں شد و مد سے تذکرہ ایک سازش ہے جس کے ذریعہ تصوف کو بدنام کیا گیا ہے۔صوفی تو اتنا فعال ہوتا ہے کہ ہر شخص اس کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔صوفی شب بیدار ہوتا ہے، محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، کاروبار کرتا ہے لیکن کاروبار میں قوانین کی پیروی کرتا ہے، معاشرہ میں رائج قوانین کا احترام کرتا ہے، پاک صاف رہتا ہے، اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، مخلوق سے محبت کرتا ہے، جبکہ چالاک اور عیار لوگوں نے اللہ کی مخلوق کو اپنے لئے ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے۔پانچ

وقت اللہ کے حضور حاضر ہونا، حاضر ہونے سے پہلے اہتمام کرنا، رکوع، سجود میں ادب کا خیال رکھنا، صبح سے دوپہر تک بچوں کے لئے معاش کے کام کرنا، بچوں کی تربیت کرنا، ان کو علوم سکھانا، قرابت داروں کے حقوق پورے کرنا، موت وزیست میں شریک ہونا، تزکیہ نفس کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا، کس طرح دنیابیزاری ہوسکتی ہے۔ اسلام میں جب رہبانیت نہیں ہے تو مسلمان دنیابیزار نہیں ہوسکتا، صوفی بھی سب وہ کام کرتا ہے جو عوام الناس کرتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ صوفی ہر عمل اور ہر کام اللہ کی معرفت کرتا ہے۔ صوفی سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع کی پیروی کرتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا شمار صوفیاء کے گروہ میں نہیں ہوتا۔

صلاحیتوں کا %:

اس وقت زمین پر چھ ارب آبادی ہے۔ یہ اس آبادی کا ذکر ہے جو زمین کا تیسرا حصہ ہے۔ زمین پر آباد بستیوں اور شہروں کو دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ آبادیاں اور شہر دراصل Valleys ہیں کہیں گھاٹیاں ہیں اور Valleys چھوٹی ہیں اور کہیں بڑی ہیں، شمال میں پہاڑ ہیں۔ جنوب میں گھاٹیاں کھلے میدان ہیں، ان گھاٹیوں اور کھلے میدانوں کو پہاڑوں سے دبایا گیا ہے اور اطراف میں سمندر ہیں، سمندر کے اندر جزیرے ہیں اور یہ چھوٹے بڑے جزیرے ہی شہروں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جب کہ جو آبادی معلوم دنیا کہلاتی ہے آبادیاں اس کے علاوہ بھی ہیں۔

سائنس نے بہت ترقی کی ہے اور موجودہ ترقی پانچ سے دس فیصد تک انسانی صلاحیتوں کا مظاہرہ ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی صلاحیتوں کا صرف دس فیصد استعمال کرتا ہے تو ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ نوے فیصد صلاحیتیں کیا ہیں؟

اربوں سال میں انسان اس قابل ہوا ہے کہ وہ دس فیصد صلاحیتوں کا استعمال کر سکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ نوے فیصد چھپی ہوئی صلاحیتیں اگر استعمال کی جائیں تو اس کے لئے کتنا وقت درکار ہوگا؟

پانچ فیصد صلاحیت:

سائنس کے بقول انسان پانچ ارب سالوں میں انسانی صلاحیتوں کا پانچ سے دس فیصد تک استعمال جان سکا ہے۔ اس ترقی کو کیسے ترقی کے عروج کا زمانہ کہا جاسکتا ہے؟

سائنس دان یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایسی ایجادات ہوچکی ہیں۔ جن ایجادات کے فارمولوں سے آج کی سائنس ابھی تک واقف نہیں ہوئی ہے۔ آسمانی کتابوں انجیل، توریت، زبور اور قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو سب کتابیں یہ درس دیتی ہیں کہ انسان دو رخوں سے مرکب ہے۔ ایک رخ مادی جسم ہے اور دوسرا رخ روحانی جسم ہے۔ مادی جسم ماں کے بطن میں آنے کے بعد بنتا ہے۔ اسی کو شعور کہتے ہیں۔ اور روحانی جسم، ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے سے موجود ہے۔ اس کا لاشعور سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔

اگرانسان شعور میں رہتے ہوئے، ریسرچ اور تلاش کرتا ہے تو وہ اربوں سال میں پانچ سے دس فیصد صلاحیتوں سے واقف ہوتا ہے اور اگرانسان اپنی روح سے واقف ہو کر لاشعور میں ریسرچ اور تلاش کرتا ہے تو اس کے اوپر قلیل عرصے میں باقی نوے فیصد صلاحیتیں بھی منکشف ہو سکتی ہیں۔ زمان اور مکان کے فارمولوں کا انکشاف اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

''ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کو قرآن میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔''

(سورۃ سبا۔ آیت نمبر ۳)

مادی اور روحانی جسم

اس دنیامیں ہر آدمی ایک ریکارڈ ہے اوراس کی ساری زندگی فلم ہے۔عالم ناسوت کا ہر باسی ایک ڈرامہ ہے۔ڈرامہ زندگی میں کام آنے والے کرداروں کوایک جگہ جمع کر دیتا ہے ایسے کردار جو کسی ایک شخص کی انفرادی زندگی کو نمایاں کر دے اوراس کے ماحول میں جو کچھ ہے اسے منظر عام پر لے آئے۔

جب ہم ڈرامہ لکھتے ہیں تو ڈرامے کے سارے کردار ہمارے سامنے ہوتے ہیں اور جب ہم ڈرامہ دیکھتے ہیں تو ہم خود ان کرداروں میں کھو جاتے ہیں جن سے ہم گزر چکے ہیں یا گزر رہے ہوتے ہیں۔ عمر رفتہ کے کسی بھی دور میں جب کوئی جھانکتا ہے تو ہر شخص کی کہانی ایک جیسی نظر آتی ہے۔ہر آدمی مادی وجود میں اس زمین پر قدم رکھتا ہے اور ہر شخص دھیرے دھیرے لمحہ بہ لمحہ مادی وجود سے دور ہوتا رہتا ہے،مادی وجود سے دوری اپنی جگہ مسلم لیکن مادی وجود جس بساط پر نمودار ہوتا ہے جس بساط پر آگے بڑھتا ہے اور جس بساط پر منظر سے غائب ہو جاتا ہے وہ سب کے لئے ایک ہے۔

ارتقاء:

ابھی تک سائنسی دنیامیں کوئی ایسا علم مظہر نہیں بنا جو اس بات کی تشریح کر دے کہ بساط کیا ہے؟ کوشش لوگوں نے بہت کی بساط پر سے پردہ اٹھ جائے مگر پردہ تو جب اٹھے گا جب کہیں پردہ ہو۔اگر کہیں کسی کو پردے کے بارے میں کوئی خبر مل گئی ہے تو وہ خبر بھی خود پردہ ہے۔

نقاب رخ الٹ دیا جائے تو بڑی سے بڑی دانشورانہ بات،ایک نہ سلجھنے والی گتھی ہے۔اگر لاشعور اور ورائے لاشعور کی اصطلاحات کا سہارا لے کر کچھ عرض کیا جائے تو وہ پردہ اٹھ جاتا ہے جس پر انسانی ارتقاء کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔

ارتقاء کیا ہے؟

ارتقاء یہ ہے کہ آدمی اپنی برائیوں،کمزوریوں اور کوتاہیوں کو چھپاتا ہے اور خود کو دوسروں سے اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

میں بھی کائنات کے کنبے کا ایک فرد ہوں وہ کنبہ جو زمین پر آباد ہے۔مفت خوری جس کا طرۂ امتیاز ہے۔پیدا کوئی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے ماں نے پیدا کیا ہے۔کفالت کوئی کرتا ہے کہا جاتا ہے باپ نے پرورش کی۔ عقل وشعور پتہ نہیں کہاں سے ملتا ہے،کہا جاتا ہے

کہ حجروں اور مدرسوں سے شعور ملا ہے۔ آدمی زمین پر دندناتا پھرتا ہے۔ زمین کو اپنے نوکیلے خنجروں سے چیر کر اس میں دانہ ڈالتا ہے اور زمین سے خراج وصول کرتا ہے۔ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ زمین کا بھی کوئی حق ہے۔

جس اللہ نے زمین دی، ایک پھوٹی کوڑی لئے بغیر پانی دیا، ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں ہوا دی۔ اس کا تذکرہ آ بھی جائے تو ایسا لگتا ہے کہ بیکار بات کہی جا رہی ہے۔ بڑا ہو، چھوٹا ہو، کم عقل ہو، دانشور ہو، غریب ہو یا دولت کا پجاری قارون ہو۔ سب مفت خورے ہیں نہ صرف مفت خورے بلکہ احسان فراموش بھی ہیں۔

انسان ایک پتلا ہے پتلے میں خلاء ہے، خلاء میں کل پرزے ہیں۔ ہر کل دوسری کل سے جڑی ہوئی ہے اور ہر پرزہ دوسرے میں پیوست ہے۔ اس طرح کہ کہیں بھی کوئی حرکت ہو تو سارے کل پرزے متحرک ہو جاتے ہیں۔ کل پرزوں سے بنی مشین کو چلانے کے لئے پتلے میں چابی بھر دی گئی تو پتلا چلنے پھرنے لگا۔ چلنے پھرنے، اچھلنے کودنے اور محسوس کرنے کے عمل سے پتلے میں ''میں'' پیدا ہو گئی۔ 'میں'' جانتی ہے کہ چابی ختم ہو جائے گی ''میں'' کا وجود عدم ہو جائے گا اور پتلا باقی رہ جائے گا۔

لوگ اس ''میں'' کو ایک فرد مانتے ہیں۔ ''میں'' کو ایک ہستی تسلیم کرتے ہیں۔ ذات، انا اور ہستی کیوں ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ عجب تماشا ہے کہ ''میں'' بھی خود کو نہیں جانتی۔ جب کوئی بندہ خود کو فرد کے روپ میں دیکھتا ہے تو ظاہر الوجود نظر آتا ہے اور جب بندہ خود کو ہڈیوں، پٹھوں اور کھال میں منڈھے ہوئے صندوق کے اندر تلاش کرتا ہے تو اپنی ذات نظر نہیں آتی۔ عالم ایک نہیں ہے بے شمار عالمین ہیں اور ان عالمین میں لاکھوں کہکشائیں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ساری کائنات Sparking کا مسلسل اور متواتر عمل ہے۔ لیزر بیم سے بھی زیادہ لطیف روشنی میں کائنات بندھی ہوئی ہے اور اس کائنات میں وہ کچھ ہے جسے ظاہر وجود کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ شعور ادراک نہیں کر سکتا، عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔ کسی نے دیکھنے کا دعویٰ بھی کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔

باطن الوجود۔ ظاہر الوجود:

ہر شخص کی اصل باطن الوجود ہے اور ظاہر الوجود باطن الوجود کا عکس یا فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے۔ میں اس وقت ''میں'' ہوں۔ جب زمین پر موجود ہوں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ زمین بھی ایک نہیں ہے۔ زمین بھی ظاہر الوجود اور باطن الوجود کے غلاف میں بند ہے۔ زمین جب ظاہر الوجود ہے تو ٹھوس ہے اور زمین جب باطن الوجود ہے تو خلاء ہے۔ زمین کا ظاہر الوجود کشش ثقل ہے اور زمین کا باطن الوجود روشنی ہے۔ اور روشنی پرت در پرت نور ہے۔ اللہ نور السموات والارض۔ اللہ سماوات اور زمین کی روشنی ہے۔

پہاڑ اُڑتے ہیں:

افراد کی طرح زمین بھی عقل وشعور رکھتی ہے۔ زمین جانتی ہے کہ انار کے درخت میں امرود نہیں لگتا اور امرود کے درخت میں انار نہیں لگتے۔ وہ مٹھاس، کھٹاس، تلخ اور شیریں سے بھی واقف ہے۔ اس کے علم میں ہے کہ کانٹے بھرے پودے میں پھول زیادہ حسین لگتا ہے۔ کانٹوں کے بغیر پودے میں کتنا ہی خوش رنگ پھول ہو، پھول میں کتنے ہی رنگوں کا امتزاج ہو لیکن پھول کی قیمت وہ نہیں جو کانٹوں کے ساتھ لگے ہوئے پھول کی ہے۔ زمین اس بات کا علم بھی رکھتی ہے کہ اس کی کوکھ میں قسم قسم کے بیجوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ زمین جہاں بیشمار رنگوں سے مزین پھول پیدا کرتی ہے تلخ وشیریں پھل اگاتی ہے۔ پرندوں، چوپایوں کی تخلیق کرتی ہے وہاں اپنی حرکت کو متوازن رکھنے کے لئے پہاڑ بھی بناتی ہے لیکن یہ میلوں میل طویل اور آسمانوں سے باتیں کرتے ہوئے بلند وبالا پہاڑ جب ظاہر الوجود میں نظر آتے ہیں تو زمین پر جمے ہوئے نظر آتے ہیں اور جب پہاڑوں کا باطن الوجود نظر آتا ہے تو پہاڑ اڑتے ہوئے بادل دکھائی دیتے ہیں۔

''تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ جمے ہوئے ہیں حالانکہ پہاڑ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔''

(سورۃ نمل۔ آیت نمبر ۸۸)

آدم زاد نہیں تھا تب بھی زمین تھی۔ آدم زاد نہیں ہوگا تب بھی زمین رہے گی۔ ظاہر الوجود ایک ذرہ تھا۔ ذرے میں دوسرا ذرہ شامل ہوا تو ایک سے دو ذرات ہوئے اور ذرات کی تعداد اتنی بڑھی کہ ایک وجود بن گیا۔

قلندر دو حروف جانتا ہے اور وہ دو حروف یہ ہیں:

کوئی نہیں۔۔۔۔۔۔کبھی نہیں

دانشور، سائنس دان، علامہ، مفتی، مشائخ کہتے ہیں دو لفظ ہیں:

نفی۔۔۔۔۔۔اثبات

تصوف بتاتا ہے کہ اثبات نہیں صرف نفی ہی مادے کی اصل ہے۔

تجزیہ:

ہمارے سامنے مٹی کا ایک ڈھیلا ہے اس کا وزن دو کلو ہے۔ اس دو کلو وزنی ڈھیلے کو کسی آدمی کی کمر پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی۔ مٹی کے ڈھیلے کو پیس کر آٹے کی طرح کر لیں تو ہوا میں اڑ جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ دو کلو وزن کدھر گیا؟

کیا اس پسے ہوئے ڈھیلے کے ذرات کو کسی کی کمر پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی؟ تجربہ شاہد ہے کہ چوٹ نہیں لگے گی۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ مٹی کے ڈھیلے کو کتنا ہی پیس لیا جائے ذرات موجود رہیں گے اور کسی طریقے پر ان ذرات کو پھر جما دیا جائے اور کسی آدمی کی پشت پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی۔

حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ بہت زیادہ ذرات کا جمع ہونا۔ ایک دوسرے میں پیوست ہو جانا یا باہم دیگر ہم آغوش ہو جانا کشش ثقل یعنی اثبات (ظاہر الوجود) ہے۔ ظاہر الوجود تو رہے گا مگر ظاہر الوجود کی اصل فنا ہے۔ قلندر جب فنائیت کا ذکر کرتا ہے تو وہ ظاہر الوجود کی نفی کرتا ہے۔ کیوں نفی کرتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر باطن الوجود کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتی۔

قلندر جزو دو حرف لاالٰہ کچھ نہیں رکھتا

فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

جیسے جیسے نفی کا عمل بڑھتا ہے ظاہر الوجود انسان باطن الوجود انسان میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ جب کوئی انسان باطن الوجود بن جاتا ہے اور خود کو باطن الوجود میں دیکھ لیتا ہے تو مادی دنیا سے نکل کر نور کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ آدم برادری کا ہر فرد روح اور جسم (مادہ) کا مجموعہ ہے۔ آدم زاد کے اندر تین حصے پانی ہر وقت جسم کی کارکردگی کو بحال رکھتا ہے۔ شریانوں، وریدوں میں خون دور کرتا رہتا ہے۔ پھیپھڑوں کا پھیلنا اور سکڑنا بھی ہوا اور آکسیجن کے اوپر قائم ہے۔

اس زمین پر آدم رہتا ہے، چلتا پھرتا ہے مکر و فریب کی دنیا بساتا ہے، کبر و نخوت سے اس کی گردن اونٹ کا کوہان بنی رہتی ہے۔ جس دھرتی کی کوکھ سے وسائل پیدا ہوتے ہیں اور جو دھرتی آدم زاد کو اس کی تمام تر رعونت اور تعفن کے ساتھ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے وہ بھی مادیت ہے۔

اس کے برعکس روح لطیف ہے، پاکیزہ ہے اور عالم قدس سے ہم رشتہ ہے۔ تجلی اسے فیڈ کرتی ہے۔ روح اللہ کی محبت اور قربت سے توانا رہتی ہے۔

جس طرح جسم مادی غذا نہ ہونے سے کمزور ہو جاتا ہے اس طرح اگر روح کو قربِ الٰہی حاصل نہ ہو تو وہ ضعیف ہو جاتی ہے۔

مادہ اور روح ہم رشتہ ہیں:

سمندر سے موجیں اٹھتی ہیں اور ساحل سے ٹکرا کر واپس سمندر میں چلی جاتی ہیں۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ اور موجوں کی بے قراری اور کروٹ کروٹ بے تابی کا راز کیا ہے؟

موج جب اپنی اصل سمندر سے دور ہوتی ہے تو اس کے اوپر دوری کا احساس غالب آ جاتا ہے۔ وہ بار بار ساحل سے اس لئے سر ٹکراتی ہے کہ اسے فراق کی گھڑیاں قیامت لگتی ہیں۔ سمندر جوش و جلال اور عظمت سے جب وہ اپنی حیثیت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اونچی اونچی لہریں اس کے باطن سے باہر آ جاتی ہیں اور ساحل پر اپنی پیشانی رکھ دیتی ہیں۔ عظمت و جلال کا مظاہرہ انہیں اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ سجدہ میں گر جائیں۔ لہریں جیسے ہی ساحل پر جبین نیاز رکھتی ہیں، سمندر دوبارہ اسے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے، یہاں تک کہ لہر اور سمندر ایک ہو جاتے ہیں۔

پانی ذرہ ذرہ ہو کر جب اپنی نفی کر دیتا ہے تو اسے ہوا خلاء میں اچھال دیتی ہے۔ خلاء جب فنائیت کی لطافت سے معمور ہو جاتا ہے اور اسے سکون کا ایک ابدی لمحہ میسر آ جاتا ہے تو یہ ساری لطافت یہ سارا ترشح، یہ ساری نمی بادل کے روپ میں خود کو منتقل کر دیتی ہے۔ بادل کے بڑے بڑے مشکیزے قافلہ در قافلہ کارواں در کارواں اڑتے ہوئے شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال مشرق اور مغرب سے مشرق میں محو سفر ہو جاتے ہیں۔ جہاں ان کا قیام ہوتا ہے وہاں حرکت منجمد ہو جاتی ہے اور جمود اپنے وجود کو ٹھہرا ہوا دیکھتا ہے تو وہ سورج سے معاونت چاہتا ہے۔ سورج جب بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکھری ہوئی چاندنی کو گہری آنکھوں سے دیکھتا ہے تو سورج کے نکلنے والی شعاعیں اس وجود کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔ یہ ریزہ ریزہ جمود سیال بن کر اعلیٰ سے نشیب کی طرف چشموں، آبشاروں، ندی نالوں میں سیل بے کراں کی طرح رواں دواں ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سمندر سے جا ملتا ہے۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ سمندر سے نکلا ہوا پانی کا ایک ایک قطرہ اپنی اصل سمندر سے رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔

کسی بھی درخت کا بیج پسند نہیں کرتا کہ وہ اس طرح فنا ہو جائے کہ موت اس کے مستقبل کو کھا جائے۔ ہر بیج اپنے اندر تناور درخت کی حفاظت کرتا ہے۔ خود فنا کا لباس پہن کر درخت کے وجود کو قائم رکھتا ہے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے؟------اس لیے کہ بیج اپنی اصل سے رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے-----

حرکت ہر وقت حرکت ہے۔ یہ حرکت پہاڑوں کے بڑے بڑے تودوں کو چھوٹے چھوٹے پتھروں میں چھوٹے پتھروں کو کرش اور کرش کو بجری میں، بجری کو ریت میں کیوں تبدیل کرتی رہتی ہے؟ اس لئے کہ پہاڑوں، کوہساروں اور ریت کے ذرات میں قدر مشترک ختم نہ ہو۔

آدم زاد نے تصوف کو نظر انداز کر کے جب روح سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ سیم وزر کی فراوانی اور عیش و عشرت کو سب کچھ جان لیا تو۔۔۔۔۔روح کی بے قراری میں اضافہ ہو گیا۔ اس لئے کہ روح جانتی ہے کہ صرف مادیت کا خول روح کی غذا کو زہریلا کر دیتا ہے۔ جیسے جیسے روح سے آدم زاد کا رشتہ کمزور ہوتا ہے وہ خالق اکبر کی محبت سے دور ہوتا رہتا ہے۔

زر و جواہر:

دنیا میں جنگ وجدال، خون ریزی، نفرت و حقارت اور بھیانک موت کی تاریکی اس لئے پھیل گئی ہے کہ آدم برادری کی روح بے قرار اور بے چین ہے۔ اسے سکون اس لئے نہیں ہے کہ اشرف المخلوقات آدم درندہ بن گیا ہے۔ زر و جواہر کو اہمیت دیتا ہے لیکن جس زر و جواہر کے ذخائر آدم کو منتقل کر دیئے ہیں اس سے صرف لفظی تعلق رکھتا ہے۔

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ان ممالک میں جہاں دولت کی فراوانی ہے آسائش و آرام کی اتنی سہولت ہے کہ لوگ سوچتے ہیں کہ اب ہم کس زاویہ سے آسائش حاصل کریں۔۔۔ وہاں ہر شہر کے ہر ہسپتال میں آدھی سے زیادہ آبادی دماغی مریض ہے۔ ہسپتالوں میں نصف سے زیادہ بستر دماغی مریضوں کے لئے مخصوص ہیں۔ وہاں کا کروڑ پتی تاجر سب کچھ خرید سکتا ہے لیکن اسے سکون میسر نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک ختم نہ ہونے والی بے چینی اسے کل چین نہیں لینے دیتی۔۔۔ وہ دبیز قالینوں پر فانوسوں کے نیچے ٹہلتا ہے اور سوچتا ہے کہ میرے پاس سب کچھ ہے لیکن میں بے چین اور پریشان کیوں ہوں؟

انسان بے سکون کیوں ہے؟

زر پرست لوگوں کو کون بتائے کہ وہ اس لئے پریشان ہیں کہ ان کے اندر ایک ہستی ہے جس نے ان کے وجود کو سہارا دیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ زندہ ہیں۔ وہ ہستی کون ہے؟ وہ ہستی ان کی روح ہے۔ اور روح اللہ سے محبت چاہتی ہے۔ جب تک روح کو محبت میسر نہیں آئے گی آدم زاد سب کچھ ہوتے ہوئے بے چین رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آدم زاد کا مادی وجود ''روح'' کے تابع ہے۔ روح مادی وجود کے تابع نہیں ہے۔

آج کا مسلمان جو ایمان سے خالی دامن ہے جس کے قول و فعل میں تضاد ہے، جو جھوٹ کو سچ اور سراب کو حقیقت سمجھ بیٹھا ہے جس کے اندر منافقت، بغض، کینہ، تعصب، نفرت اور درندگی نے بسیرا کر لیا ہے، جو گریباں چاک افسردہ چہرہ اور گدلی آنکھوں والی تصویر بن گیا، کہتا ہے کہ مجھے سکون نہیں ہے، قرار نہیں ہے۔

وہ پوچھتا ہے کہ

میں اس بے چینی سے کس طرح نجات حاصل کروں؟

انسان ! اس لئے بے چین ہے کہ منافقت اور مکر اس کی زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔ جیسے جیسے وہ مکر و فریب سے قریب ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔اللہ کی محبت اور قربت سے دور ہو رہا ہے۔

انسان جب اپنی منافقت پر سے پردہ اٹھائے گا۔۔۔۔۔۔تو اسے اپنا چہرہ بھیانک نظر آئے گا۔

ماحول زہر آلود ہو گا تو انسان کیوں بیمار نہیں ہونگے۔ جب اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت ہمارے اندر نہیں ہو گی تو ہم کبھی خوش نہیں رہیں گے۔

خوش نہیں ہونگے تو سکون نہیں ملے گا۔۔۔۔۔۔

وسوسوں سے آزاد دنیا

روحانی اسکول اور روحانی کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ غیب کی دنیا میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر اس دنیا کی موجودگی کا یقین ہو۔ یقین ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بغیر یقین کے ہم کسی چیز سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ پانی پینے سے پیاس اس لئے بجھ جاتی ہے کہ ہمارا یقین ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے۔ ہم زندہ اس لئے ہیں کہ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم زندہ ہیں۔ جس وقت، جس لمحے اور جس آن زندگی سے متعلق یقین ٹوٹ جاتا ہے، آدمی مر جاتا ہے، کسی آدمی کے ذہن میں یہ بات آ جائے اور یقین کا درجہ حاصل کر لے کہ اگر میں گھر سے جاؤں گا تو میرا ایکسیڈنٹ ہو جائے گا تو وہ گھر سے باہر نہیں جاتا۔

جنت کا دماغ۔ دوزخ کا دماغ:

انسان کے اوپر دو دماغ کام کرتے ہیں۔ ایک دماغ، فرمانبرداری کا دماغ جو جنت کا دماغ ہے جس کے ذریعہ آدم جنت میں رہتے تھے۔

دوسرا دماغ جو نافرمانی کے بعد وجود میں آیا۔

جنت کا دماغ = یقین اور فرمانبرداری کا دماغ

دوزخ کا دماغ = شیطان کے وسوسوں کی آماجگاہ، اس دماغ میں انسان وسوسوں اور شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

''پھر شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اور جس (عیش و نشاط) میں سے ان کو نکلوا دیا۔ تو شیطان دونوں کو بھٹکانے لگا تاکہ ان کی ستر کی چیزیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں، بے پردہ ہو جائیں۔ اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت کے قریب جانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ، تم زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ، اور ان سے (شیطان نے) قسم کھا کر کہا کہ

میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض مردود نے دھوکا دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب وہ اس درخت کے قریب چلے گئے تو ان کی ستر کی چیزیں ان سے بے پردہ ہو گئیں۔

''اور ہم نے آدم سے پہلے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا اور کہا آدم کیا میں تم کو ایسا درخت بتاؤں جو ہمیشہ کی زندگی کا ثمرہ دے اور ایسی بادشاہت دے جو کبھی ختم نہ ہو۔''

(سورۃ اعراف۔ آیت نمبر ۲۰)

آدم نے شجر ممنوعہ کے قریب جا کر یہ محسوس کیا کہ میرے جسم پر لباس نہیں ہے اور اسے ستر پوشی کرنا پڑی۔

ان محسوسات کے نتیجے میں جنت نے آدم علیہ السلام کو رد کر دیا اور آدم علیہ السلام کو زمین پر پھینک دیا گیا۔

تصوف کے اسباق:

تصوف میں جتنے اسباق اوراد، وظائف، اعمال و اشغال اور مشقیں کرائی جاتی ہیں، ان سب کا منشاء یہ ہے کہ آدم کے لئے جنت کا حصول ممکن ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کو تین علوم سکھائے ہیں۔

خالق اور کائنات کا تعارف

۲) مخلوقات

۳) خود آگاہی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے۔ اس طرح ہر علم میں دو رخ ہیں اور تین علوم میں چھ رخ ہیں۔ ان چھ رخوں یا چھ دائروں کو تصوف میں لطائف ستہ (Six Generators) کہتے ہیں۔

۱) نفس۔۔۔۔۔۔جنریٹر

۲) قلب۔۔۔۔۔۔جنریٹر

۳) روح۔۔۔۔۔۔جنریٹر

۴) سر۔۔۔۔۔۔جنریٹر

۵) خفی۔۔۔۔۔۔جنریٹر

٦)اخفیٰ۔۔۔۔۔جزیٹر

نفس اور قلب۔۔۔۔۔۔۔۔روح حیوانی ہے۔

روح اور سر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔روح انسانی ہے۔

خفی اور اخفیٰ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔روح اعظم ہے۔

روح حیوانی:

روح حیوانی ان خیالات واحساسات کا مجموعہ ہے جس کو بیداری کہا جاتا ہے۔ آب و گل کی اس دنیا میں آدمی خود کو ہر قدم پر (Force of Gravity) میں پابند محسوس کرتا ہے۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، شادی بیاہ اور دنیاوی سارے کام روح حیوانی کرتی ہے۔ روح انسانی زندگی گزارنے کے تقاضے فراہم کرتی ہے اور ہمیں اطلاع فراہم کرتی ہے کہ اس وقت غذا کی ضرورت ہے اور اب پانی کی ضرورت ہے۔ ہم ان تقاضوں کا نام بھوک، پیاس وغیرہ رکھتے ہیں۔

روح انسانی:

بچوں کی پیدائش کا تعلق روح حیوانی سے ہے لیکن ماں کے دل میں بچوں کی محبت، بچوں کی پرورش، اچھی تربیت کا رجحان روح انسانی سے منتقل ہوتا ہے۔ جب انسان سوتا ہے تو دراصل روح حیوانی سوتی ہے۔ جیسے ہی روح حیوانی سوتی ہے۔ روح انسانی بیدار ہو جاتی ہے۔

روح انسانی کے لئے ٹائم اور اسپیس رکاوٹ نہیں بنتے یعنی جب ہم روح انسانی میں زندگی گزارتے ہیں تو ہزاروں میل کا سفر کرنا اور ہزاروں میل کے فاصلے پر کوئی چیز دیکھ لینا اور مرے ہوئے لوگوں کی روحوں سے ملاقات کرنا ہمارے لئے ممکن ہے۔

روح حیوانی کے ساتھ ہم ہر قدم پر مجبور اور پابند ہیں جب کہ روح انسانی ہمارے اوپر آزادی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ روح حیوانی کے حواس میں ہم دیوار کے پیچھے نہیں دیکھ سکتے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے باریک سے باریک کاغذ بھی رکھ دیا جائے تو ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس روح انسانی میں ہمارے حواس اتنے طاقت ور ہوتے ہیں کہ ہم زمین کی حدود سے باہر دیکھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن میں فرمایا ہے:

''اے گروہ جنات اور انسان! تم زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔''

(سورۂ رحمٰن۔ آیت نمبر ۳۳)

تصوف میں سلطان کا ترجمہ ''روح انسانی'' ہے۔یعنی انسان کے اندر جب روح انسانی کے حواس کام کرنے لگتے ہیں تو وہ زمین وآسمان کے کناروں سے نکل جاتا ہے۔

روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہم جب پوری توجہ کے ساتھ کسی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو باقی باتیں عالم بے خیالی میں چلی جاتی ہیں۔کسی ایک بات پر ہماری توجہ مستقل مرکوز رہے تو وہ بات پوری ہو جاتی ہے مثلاً ہم کسی دوست یا رشتہ دار کے بارے میں سوچتے ہیں اوراس طرح سوچتے ہیں کہ ہمارا ذہن ہر طرف سے ہٹ کر اس کی شخصیت میں جذب ہو جائے تو دوست سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

روحِ اعظم:

روح اعظم میں وہ علوم مخفی ہیں جو اللہ تعالی کی تجلی، مشیئت اور حکمت سے متعلق ہیں۔روح اعظم سے واقف بندہ اللہ تعالی کی ذات کا عارف ہوتا ہے۔یہی بر گزیدہ بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:

''میرا بندہ اپنی اطاعتوں سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔یہاں تک کہ میں وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔''

اللہ تعالی سے قربت غیب کی دنیا میں داخل ہوئے بغیر ممکن نہیں، غیب کے عالم میں داخل ہونا یا زمان و مکان سے ماوراء کسی چیز کو دیکھنا اس وقت ممکن ہے جب آدمی زمان و مکان سے آزاد ہونے کے طریقے سے واقف ہو۔

مثال:

ہم کسی ایسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں جو اتنی دلچسپ ہے کہ ہم ماحول سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔کتاب ختم کرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ کئی گھنٹے گزر گئے ہیں اور ہمیں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنا طویل وقت کیسے گزر گیا اسی طرح جب ہم سو جاتے ہیں تو وقت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''ہم داخل کرتے ہیں رات کو دن میں اور داخل کرتے ہیں دن کو رات میں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''ہم نکالتے ہیں رات کو دن میں سے اور دن کو رات میں سے۔''

(سورۃ آل عمران۔آیت نمبر ۲۷)

تیسری جگہ ارشاد ہے:

"ہم ادھیڑ لیتے ہیں رات پر سے دن کو اور دن پر سے رات کو۔"

(سورۃ حج۔ آیت نمبر ۶۱)

دیکھنے کی طرزیں:

ہم جب قدآدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں اس آئینہ میں اپنی صورت نظر آتی ہے۔اور ہم کہتے ہیں کہ آئینہ دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہم آئینہ نہیں دیکھ رہے آئینہ کے اندر جو عکس ہے اسے دیکھ رہے ہیں۔ پہلے آئینہ نے ہمیں دیکھ کر ہمارا عکس اپنے اندر جذب کیا اور اپنے اندر جذب کر کے منعکس کرنے کے بعد ہماری تصویر کو منعکس کر دیا۔ اگر آئینہ ہماری تصویر کو اپنے اندر جذب کر کے منعکس نہ کرے تو ہم آئینہ نہیں دیکھ سکتے۔

پہلے آئینہ نے ہماری تصویر دیکھ کر اپنے اندر جذب کی پھر ہم نے اپنی تصویر دیکھی۔ یعنی ہم آئینہ نہیں بلکہ آئینہ کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ یہی صورت زندگی کے تمام اعمال و حرکات کی ہے۔

ہر انسان اپنے ذہن کو آئینہ تصور کرے تو دیکھنے کی براہ راست طرز یہ ہوگی کہ کوئی بھی صورت یا شئے پہلے ہمارے ذہن نے دیکھی۔ پھر ہم نے دیکھا یعنی ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اپنے ذہن کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔

پانی سے بھرا ہوا گلاس:

ہمارے سامنے ایک گلاس ہے۔ اس میں پانی بھرا ہوا ہے اور ہم گلاس دیکھ رہے ہیں۔ تصوف میں اس دیکھنے کو فکشن کہتے ہیں۔ صحیح طرز کلام یہ ہے کہ ذہن کی اسکرین پر نگاہ کے ذریعے گلاس کا عکس اور پانی کی ماہیئت ہمارے لاشعور نے قبول کی۔ یعنی پانی اور گلاس کا پورا پورا عکس اپنے علم اور اپنی ماہیئت کے ساتھ ہمارے اندر کی آنکھ نے محسوس کیا اور دیکھا۔

انسان کی نگاہ پہلے کسی چیز کے عکس کو ذہن کی اسکرین پر منتقل کرتی ہے اس کے بعد ہی ہم اس چیز کو دیکھتے ہیں۔

دیکھنے کی ایک طرز یہ ہے کہ ہمارے سامنے کوئی چیز رکھی ہوئی ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ ایک دیکھنا یہ ہے کہ سامنے رکھی ہوئی چیز کا عکس ہمارے لاشعور پر نقش ہو رہا ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی ہم اپنی روح کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔

اندھی آنکھ:

انسان جب مر جاتا ہے اس کے وجود میں آنکھ اور آنکھ کی پتلی موجود رہتی ہے لیکن اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ صورت موت کے علاوہ عام زندگی میں بھی پیش آتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی اندھا ہو گیا اس کے سامنے ساری چیزیں رکھی ہوئی ہیں لیکن اسے کچھ نظر نہیں آرہا کہ جو چیز دیکھنے کا میڈیم بنی ہوئی تھی وہ موجود نہیں رہی یعنی آنکھ نے کسی چیز کا عکس ذہن پر منتقل نہیں کیا۔ بعض مرتبہ ایسا بھی

ہوتا ہے کہ آنکھیں ٹھیک ہوتی ہیں لیکن دماغ کے سیل (Cell) جو انسان کے اندر حسیات (Senses) پیدا کرتے ہیں یا وہ سیلز (Cells) جو نگاہ کا ذریعہ بن کر تصویری خدوخال کو ظاہر کرتے ہیں معطل ہو جاتے ہیں۔ایسی صورت میں انسان دیکھ سکتا ہے نہ محسوس کر سکتا ہے۔

آدمی کو چیونٹی کاٹتی ہے۔اس نے چیونٹی کو دیکھا نہیں ہے۔ لیکن وہ چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ آدمی کے اندر وہ حس جو کسی بھی طریقے سے علم بنتی ہے اس نے دماغ کو بتادیا کہ کسی چیز نے کاٹا ہے۔

انسان کو سب سے پہلے جس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے خواہ لمس کے ذریعے ہو، خواہ شامہ کے ذریعے ہو، خواہ سماعت کے ذریعے ہو، خواہ بصارت کے ذریعے ہو۔احساس کا پہلا درجہ ہے۔کسی چیز کو سننا سننے کے بعد مفہوم اخذ کرنا۔احساس کا دوسرا درجہ ہے۔ پہلی مرتبہ علم حاصل ہونا احساس کا پہلا درجہ ہے۔ دیکھنا احساس کا دوسرا درجہ ہے۔ سننا احساس کا تیسرا درجہ ہے۔ کسی چیز کو سونگھ کر اس کی خوشبو یا بدبو محسوس کرنا احساس کا چوتھا درجہ ہے۔اور چھونا احساس کا پانچواں درجہ ہے۔

بھوک پیاس کیا ہے ایک آدمی کو پیاس لگی۔ پیاس ایک تقاضہ ہے۔ پیاس کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے حواس ہماری راہنمائی کرتے ہیں کہ پانی گرم ہے۔ پانی ٹھنڈا ہے۔ پانی کڑوا ہے یا پانی میٹھا ہے۔

پیاس کے تقاضے میں جو مقداریں کام کر رہی ہیں وہ بھوک کے تقاضے میں نہیں ہیں اس لئے صرف پانی پی کر بھوک کا تقاضہ رفع نہیں ہوتا۔ بھوک کے اندر جو مقداریں کام کر رہی ہیں اس کی اپنی الگ ایک حیثیت ہے یہی وجہ ہے کہ صرف کچھ کھا کر پیاس کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا۔

حواس میں اشتراک:

جب تک آدمی انسان اور حیوانات کے اجتماعی جذبات کے دائرے میں رہتا ہے اس وقت تک اس کی حیثیت دوسرے حیوانات سے الگ نہیں ہے اور جب ان جذبات کو وہ انسانی جذبات کے ذریعے سمجھتا ہے اور جذبات کی تکمیل میں انسانی حواس کا سہارا لیتا ہے تو وہ حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

جذبات اور حواس کا اشتراک انسانوں کی طرح حیوانات مین بھی ہے مگر فرق یہ ہے کہ ایک بکری یا ایک گائے حواس میں معنی نہیں پہنا سکتی۔اس کا علم زندگی کو قائم رکھنے کی ضروریات پوری کرنے تک محدود ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے۔ پتے کھانے سے بھوک رفع ہوتی ہے۔اس بات سے اسے کوئی غرض نہیں کہ پانی کس کا ہے۔اس کے برعکس انسان کے اندر جب تقاضہ ابھرتا ہے تو وہ حواس کے ذریعہ اس بات کو سمجھتا ہے کہ تقاضا کس طرح پورا کیا جاتا ہے۔

چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حواس کا علم عطا کر دیا ہے اس لئے انسان دوسری مخلوق کے مقابلے میں ممتاز ہو گیا اور یہ ممتاز ہونا ہی مکلف ہونا ہے۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں تقاضے یکساں ہیں۔ آدمی کو بھوک لگتی ہے اور بکری اور طوطے کو بھی بھوک لگتی ہے۔ پیاس آدمی کو بھی لگتی ہے پیاس دوسرے حیوانات کو بھی لگتی ہے۔ دونوں بھوک اور پیاس کا تقاضہ پورا کرتے ہیں لیکن انسان تقاضوں اور حواس کی تعریف سے واقف ہے یہ وقوف ہی انسان کو شرف کے درجہ پر فائز کرتا ہے۔

جذبات کس طرح پیدا ہوتے ہیں:

تصوف میں پڑھایا جاتا ہے کہ حواس اور جذبات کس طرح بنتے ہیں؟ یہ علم حاصل کر کے صوفی حواس کے قانون سے واقف ہو جاتا ہے۔

انسان تقریباً ۱۲ کھرب کل پُرزوں سے بنی ہوئی مشین ہے۔ کچھ پرزے حواس بناتے ہیں۔ کچھ پرزے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ کچھ پرزے جذبات کی تکمیل کراتے ہیں۔ انسان کو یہ علم عطا کیا گیا ہے کہ وہ ان کل پرزوں سے واقف ہو اور جان لے کہ اس کے اندر نصب شدہ مشین میں کل پرزے کس طرح فٹ ہیں اور ان کی کارکردگی کیا ہے۔

بکری کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ حواس بنانے کی مشین یا حواس بنانے کے کل پرزوں کو سمجھ سکے۔ اگر انسان اپنے اندر نصب شدہ مشین کو نہیں سمجھتا اور یہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر نصب شدہ مشین کائنات سے ہم رشتہ ہے۔

تو اس کی حیثیت بکری سے زیادہ نہیں ہے اس لئے کہ بھوک بکری اور بلی دونوں کو لگتی ہے۔ کتیا بھی اولاد کی پرورش کرتی ہے، اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے۔ پیاس چوہے اور بھیڑ دونوں کو لگتی ہے۔ جبلی طور پر ایک آدمی اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے، اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے بالکل اس ہی طرح بکری بھی اپنے بچوں سے محبت کرتی ہے، دودھ پلاتی ہے اور زندگی گزارنے کے لئے تمام ضروری باتوں سے بچوں کی تربیت کرتی ہے۔ اگر کوئی آدمی سب کچھ وہی کام کرتا ہے جو بکری کرتی ہے تو اس کی حیثیت بکری کے برابر ہے۔ اسے بکری سے افضل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نینداور بیداری

علم حضوری اور علم حصولی کی مختصر تعریف کے بعد یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ روح کو سمجھنے، جاننے اور پہچاننے کے لئے اگر کوئی معتبر اور حقیقی ذریعہ ہے تو وہ "علم حضوری" ہے۔ صرف علم حصولی سے روح کا سراغ نہیں ملتا۔ اگر کوئی آدمی علم حصولی سے روح کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ عقلی اور منطقی دلیلوں میں الجھ کر راستہ بھٹک جاتا ہے۔ ہر انسان اپنی فکر کے مطابق روح کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتا ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ انسان پہلے بندر تھا۔ کسی نے کہا انسان سورج کا بیٹا ہے۔ کوئی انسان کی تخلیق کو مچھلی کی تخلیق کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور زیادہ سوجھ بوجھ کے لوگ جب انہیں روح کے بارے میں کوئی حقیقی بات معلوم نہیں ہوتی تو روح سے قطع نظر کر کے مادی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس بندے نے بھی علم حصولی کے ذریعے روح کو سمجھنا چاہا وہ حقیقی اور حتمی نتیجے تک نہیں پہنچا اور جس اللہ کے بندے نے علم حضوری کے ذریعے روح تک رسائی حاصل کی اس کے اندر سے شک اور وسوسے ختم ہو گئے۔ اور یہ بات اس کا یقین بن گئی کہ گوشت پوست کا جسم مفروضہ اور فکشن (Fiction) ہے۔ مفروضہ اور فکشن کو سنبھالنے والا جسم "روح" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے تعلق ختم ہونے کے بعد حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

میں کون ہوں؟ آپ کیا ہیں؟

اس وقت ہمارے سامنے یہ تجسس ہے کہ انسان کیا ہے؟ ہم اس کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہیں؟ اور۔۔۔۔۔۔ فی الواقع اس کی حیثیت کیا ہے۔ ہم انسان کو جس طرح جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے۔ ہڈیوں کے ڈھانچے پر رگ پٹھوں اور کھال سے ہم ایک تصویر ہیں۔ لیکن روح کے بغیر اس جسم کے اندر اپنی کوئی حرکت نہیں ہے۔ کوئی اور چیز ہے جو اسے حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔ مثلاً ہم مٹی کا ایک شیر بناتے ہیں اس شیر کو ایسی جگہ رکھ دیتے ہیں جہاں گرد و غبار اڑتا رہتا ہے اور گرد و غبار شیر کے اوپر جم جاتا ہے۔ ایک آدمی جب شیر کو دیکھتا ہے تو گرد و غبار کا تذکرہ نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شیر ہے۔ جس طرح ایک شیر کے اوپر گرد و غبار جمع ہو کر یک جاں ہو گیا ہے۔ اسی طرح روح نے بھی روشنیوں کے تانے بانے سے رگ پٹھوں، گوشت اور کھال سے ایک صورت بنالی ہے۔ اس ہی صورت کا نام جسم ہے۔

روح کے زون:

ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اندر کوئی مدافعت باقی نہیں رہتی۔ مرنے کا مطلب یہ ہے کہ روح نے جسمانی لباس کو اتار کر اس طرح الگ کر دیا ہے کہ اب روح کے لئے اس میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ لباس کا یہ معاملہ عالم ناسوت یا عالم تخلیط تک ہی محدود نہیں ہے۔

روح ہر زون (Zone) میں۔۔۔ ہر مقام میں اور ہر تنزل کے وقت اپنا ایک نیا لباس بناتی ہے اور اس لباس کے ذریعے اپنی حرکات و سکنات کا اظہار کرتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنی حرکات و سکنات کا لباس کے ذریعے اظہار کرتی ہے بلکہ اس لباس کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ اس لباس کو نشو ونما بھی دیتی ہے کہیں یہ لباس تعفن اور سڑاند سے بنتا ہے۔ کہیں یہ لباس روشنیوں کے تانے بانے سے بنتا ہے اور یہی لباس نور سے بھی وجود میں آتا ہے۔ روح جب لباس کو Matter سے بناتی ہے تو مادے کی اپنی خصوصیات کے تحت جسم کے اوپر ٹائم اور اسپیس کی پابندیاں لاحق رہتی ہیں۔

لباس کی صحیح حیثیت (لباس سے مراد گوشت پوست کا جسم) کا ہمیں اس وقت علم ہوتا ہے جب ہم مر جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد گوشت پوست کا جسم محض لباس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

روح کی تلاش:

ضروری ہے کہ ہم تلاش کریں کہ زندگی میں ہمارے اوپر کوئی ایسی حالت واقع ہوتی ہے جو موت سے ملتی جلتی ہو یا موت سے قریب ہو۔ زندگی کے شب و روز میں جب ہم موت سے ملتی جلتی حالت تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ایک حالت پر مجبوراً رُکنا پڑتا ہے اور موت سے ملتی جلتی یہ حالت نیند ہے۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ ''سویا اور مرا ایک برابر ہے'' فرق صرف اتنا ہے کہ نیند کی حالت میں روح کا مادی جسم (لباس) سے ربط برقرار رہتا ہے اور روح اپنے لباس کی حفاظت کے لئے چوکنا اور مستعد رہتی ہے اور موت کی حالت میں روح اپنے لباس سے رشتہ توڑ لیتی ہے۔

نیند ہماری زندگی میں ایک ایسا عمل ہے جس سے روح کی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ہم دو حالتوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہمارا شعور بیدار ہے۔ ہم ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ سن رہے ہیں، محسوس کر رہے ہیں اور ہم حرکت میں بھی ہیں۔ یہ حالت بیداری کی ہے۔

خواب اور زندگی:

زندگی کی دوسری حالت (جس کو نیند کہا جاتا ہے) میں ہم دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، محسوس کرتے ہیں، خود کو چلتا پھرتا دیکھتے ہیں لیکن جسم حرکت نہیں کرتا۔ اس (Process) سے یہ ثابت ہوا کہ روح اس بات کی پابند نہیں ہے کہ گوشت پوست کے ساتھ ہی حرکت کرے۔ روح گوشت پوست کے بغیر بھی حرکت کرتی ہے۔ گوشت پوست کے جسم کے بغیر حرکت کرنے کا نام ''خواب'' ہے۔ خواب کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خواب محض خیالات ہوتے ہیں جس قسم کے خیالات میں آدمی دن بھر مصروف رہتا ہے۔ اس قسم کی چیزیں اسے خواب میں نظر آتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خواب ناآسودہ خواہشات کا عکس ہے۔ جب کوئی خواہش ناآسودہ رہ جاتی ہے اور اس کی تکمیل نہیں ہوتی تو وہ خواہش خواب میں پوری ہو جاتی ہے۔

اس طرح کی بے شمار باتیں خواب کے بارے میں مشہور ہیں اور ہر شخص نے اپنی فکر اور علم کے مطابق خواب کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ لیکن اس بات سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ جس طرح روح گوشت پوست کے جسم کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔ اسی طرح روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی حرکت کرتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ خواب دیکھنا اور خواب میں کئے ہوئے اعمال اور حرکات خیالی ہیں تو اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس کی تردید اس طرح ہوتی ہے کہ ہر شخص ایک یا دو یا زیادہ خواب دیکھنے کے بعد جب بیدار ہوتا ہے تو خواب میں کئے ہوئے اعمال کا اثر اس کے اوپر باقی رہتا ہے۔ اس کی ایک بڑی واضح مثال خواب میں کئے ہوئے اعمال کے نتیجے میں غسل کا واجب ہو جانا ہے۔ جس طرح کوئی آدمی بیداری میں جنسی لذت حاصل کر کے ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر غسل واجب ہو جاتا ہے اسی طرح خواب میں کئے ہوئے اس عمل کے بعد بھی اس کے اوپر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خواب میں کوئی ڈراؤنا منظر نظروں کے سامنے آ گیا۔ آدمی جب بیدار ہوا تو منظر کی دہشت ناکی اس کے اوپر پوری طرح مسلط ہوتی ہے۔ جس طرح کسی دہشتناک واقعہ سے بیداری میں دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خواب میں دہشت ناک چیز دیکھنے سے دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ یا اچھا خواب دیکھ کر، بیدار ہونے کے بعد وہ خوش ہوتا ہے۔

کائنات کا سفر

کائنات تین دائروں میں سفر کر رہی ہے۔

پہلا دائرہ روح ہے۔

دوسرا دائرہ روح کا بنا ہوا لباس (نسمہ) ہے۔

تیسرا دائرہ نسمہ کا بنایا ہوا لباس مادی وجود ہے۔

تینوں دائرے بیک وقت حرکت کرتے ہیں۔ روح کے بنائے ہوئے لباس کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک مفرد لہروں سے اور دوسرا مرکب لہروں سے بنا ہوا ہے۔ مفرد اور مرکب دونوں رخ الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔

شعور لاشعور:

بیداری کی زندگی شعور ہے، خواب کی زندگی لاشعور ہے، شعوری زندگی میں ذہن اور حافظہ دونوں کام کرتے ہیں، اس ہی طرح لاشعوری زندگی میں ذہن اور حافظہ دونوں کام کرتے ہیں۔ زندگی کے تقاضے شعوری ہوں یا لاشعوری اطلاعات کے تابع ہیں۔ شعور ہر ہر قدم پر محدود اور محتاج ہے، لاشعوری زندگی، شعوری زندگی کے مقابلے میں آزاد ہے۔

زبور، توریت، انجیل اور آخری آسمانی کتاب قرآن حکیم شعور اور لاشعور کے الٹ پلٹ کو لیل و نہار کہتی ہے۔

شعور کا پہلا دن:

پیدائش کے بعد پہلے روز بچے پر لاشعور کا غلبہ ہوتا ہے۔ شعوری ورق کے صفحے پر کوئی تحریر نظر نہیں آتی جیسے جیسے بچہ ماحول میں وقت گزارتا ہے اسی مناسبت سے شعور کے کورے صفحے پر والدین، خاندان اور ماحول کے نقوش مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ بارہ سال کی عمر میں وہ صفحہ جسے ہم شعور کہہ رہے ہیں اتنا زیادہ روشن ہو جاتا ہے کہ لاشعوری صفحہ دھندلا پڑ جاتا ہے لیکن نقوش ختم نہیں ہوتے،

اگر شعور کا صفحہ اتنا زیادہ روشن ہو جائے کہ لاشعوری صفحہ کی تحریر نہ پڑھی جاسکے تو مفروضہ حواس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور لاشعوری صفحہ کی تحریر سے اس کی نظر ہٹ جاتی ہے اور بالغ ہونے کے بعد وہ لاشعور سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

بے خبر ہونے کا مطلب لاشعوری تحریر کا مٹ جانا نہیں ہے، لاشعوری تحریر اگر ختم ہو جائے گی تو زندگی کا تسلسل ٹوٹ جائے گا، قدرت نے اس تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے شعوری اور لاشعوری حواس کو نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔ آدمی جب رات میں داخل ہوتا ہے تو دراصل لاشعور میں داخل ہوتا ہے۔ آدمی جب دن میں داخل ہوتا ہے تو دراصل وہ شعور میں قدم رکھتا ہے۔

پیدائش سے لے کر مرنے تک کی کل عمر میں انسان آدھی زندگی لاشعور اور آدھی زندگی شعور میں گزارتا ہے۔

زندگی میں شعور اور لاشعور دونوں الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں، شعور کی رفتار نہایت کم اور محدود ہے، لاشعور کی رفتار بہت زیادہ ہے۔ تخلیقی فارمولوں سے باخبر صوفی حضرات وخواتین کہتے ہیں کہ آدمی ٹائم اسپیس سے کہیں بھی آزاد نہیں ہوتا، آزادی کا مطلب یہ ہے کہ شعور کی رفتار اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ محدودیت ٹوٹنے کا احساس نمایاں ہو جائے۔

ہر جگہ ٹائم اور اسپیس ہے:

لاشعور میں انسانی حواس کی رفتار تقریباً ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ رفتار زیادہ ہونے کو ٹائم اسپیس سے آزادی کہا جاتا ہے۔

ایک آدمی پیدل چلتا ہے، دوسرا سائیکل پر سوار ہے، تیسرا کار میں ہے، چوتھا آدمی جہاز میں پرواز کر رہا ہے۔۔۔۔۔ ہر اسٹیج پر رفتار تبدیل ہو جاتی ہے۔

دن کے حواس سے نکل کر انسان جب رات کے حواس میں داخل ہوتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ آدمی زمان و مکان سے آزاد ہو گیا ہے۔ حالانکہ آزاد نہیں ہوتا۔۔۔ ہر حرکت میں لاشعور اور شعور دونوں کام کر رہے ہیں۔ شعور کے غلبہ کو پابندی اور لاشعور کے غلبہ کو آزادی کہا جاتا ہے۔

"اے گروہ جنات! اور گروہ انسان! تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ تم نہیں نکل سکتے، مگر سلطان سے۔"
(سورۂ رحمٰن۔ آیت نمبر ۳۳)

سلطان کا مطلب لاشعور پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔

ماضی کی حقیقت:

کوئی انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو کہیں سے آتا ہے۔ جہاں سے آتا ہے اسے ماضی کہتے ہیں۔ زمین پر آنے کے بعد بچپن گزرتا ہے تو بچپن ماضی میں چلا جاتا ہے اور آدمی جوان ہو جاتا ہے اور پھر بڑھاپا آ جاتا ہے تو جوانی ماضی میں چلی جاتی ہے۔ آدمی مر جاتا ہے تو ساری زندگی ماضی میں ریکارڈ ہو جاتی ہے۔

وحدت الوجود۔۔۔وحدت الشہود:

فلسفہ وحدت الوجود کے بارے میں علماء اور مشائخ نے کثرت سے ذکر کیا ہے۔ بڑی بڑی تحریریں قلمبند کی ہیں۔ اس نظریہ پر متعدد تبصرے بھی ہوئے ہیں۔ تصوف کے کئی خانوادے وحدت الوجود کے حامی رہے ہیں۔ خصوصاً حضرت محی الدین ابن عربی نے اس نظریہ کی ترجمانی کر کے سارے عالم اسلام کو متاثر کیا۔ آپ کے شاگردوں نے اس فلسفہ کی ترجمانی میں کئی گراں قدر کتابیں لکھی ہیں۔ شیخ اکبر ابن عربی نے وحدت الوجود (ہمہ اوست) کا نظریہ پیش کیا تھا مگر اکبری دور کے گمراہ صوفیوں نے حلول و اتحاد کی ہزاروں گمراہیاں اس میں شامل کر دیں۔ ان لوگوں نے عوام کو بتایا کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ خدا ہے، زمین بھی خدا، آسمان بھی خدا، شجر و حجر، نباتات و جمادات، نور و ظلمت، خیر و شر، کفر و اسلام غرض کہ ہر چیز خدا کے وجود سے قائم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان گمراہ کن نظریات کے خلاف جنگ کی۔ آپ نے فرمایا۔

یہ لوگ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے نظریہ کی غلط تعبیریں کر رہے ہیں۔ آپ نے ان گمراہیوں کو روکنے کے لئے وحدت الشہود کی دیوار کھڑی کر دی۔

وحدت الوجود کیا ہے؟ ہم اس کے بارے میں۔۔۔ نظریۂ رنگ و نور کی روشنی میں عرض کرتے ہیں کہ وحدت الوجود کو سمجھنے کے لئے ہمارے سامنے آئینہ کی مثال ہے۔

ہم باہر نہیں دیکھتے:

آدمی آئینہ دیکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں آئینہ دیکھ رہا ہوں، وہ آئینہ نہیں دیکھ رہا بلکہ آئینے کے دیکھنے کو دیکھ رہا ہے۔ جب ہم آئینہ دیکھنے کے عمل پر تفکر کرتے ہیں اور ہمارے شعور میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے تو بات منکشف ہوتی ہے کہ ہم اپنا عکس آئینے کے اندر دیکھ رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم آئینہ دیکھ رہے ہیں عام سطح کی بات ہے۔

یہی صورت حال زندگی کے تمام شعبوں کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے باہر دیکھ رہے ہیں۔ صاحب بصیرت بندہ کہتا ہے کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ باہر نہیں دیکھ رہے بلکہ ہمارے دماغ پر باہر کا عکس منتقل ہو رہا ہے۔ ہم اس عکس کو دیکھ رہے ہیں۔

اگر کوئی بندہ دیکھنے کی حقیقی طرز سے واقف نہیں ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں باہر دیکھ رہا ہوں لیکن جو بندہ دیکھنے کی صحیح طرز سے واقف ہے تو وہ اس امر سے واقف ہے کہ ہر شخص باہر نہیں دیکھ رہا، اندر دیکھ رہا ہے۔

نگاہ کی پہلی مرکزیت:

جب نگاہ بالواسطہ دیکھتی ہے تو خود کو مکانیت اور زمانیت کے اندر مقید محسوس کرتی ہے اور جیسے جیسے دیکھنے کی طرزیں گہری ہوتی ہیں اسی مناسبت سے کثرت در کثرت درجے تخلیق ہوتے ہیں۔

مکانیت اور زمانیت کے اندر شہود اس لئے محدود ہے کہ حرکات و سکنات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر شئے دو رخوں پر تخلیق کی گئی ہے۔ یعنی ہر تنزل کے دو رخ ہیں۔

یوم ازل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور آواز سننے کے بعد انسان دوسرے تنزل میں داخل ہو گیا اور اس دوسرے تنزل میں اس نے نگاہ، شکل و صورت، گفتار، سماعت، رنگینی، احساس، کشش اور لمس سے وقوف حاصل کیا۔

تنزل اول یعنی اللہ کو دیکھنا وحدت کا ایک درجہ ہے اور دوسرا تنزل کثرت کے پانچ درجے ہیں۔ اس طرح چھ تنزلات ہوئے پہلی تنزل کو لطیفہ وحدت اور دوسرے تنزلات کو صوفیاء کی اصطلاح میں لطائف کثرت کہا جاتا ہے۔

نظریہ رنگ و نور:

نظریہ رنگ و نور کے مطابق جس عالم کو محض وحدت کا نام دیا جاتا ہے۔ انسانی ذہن کی اپنی اختراع ہے انسان اپنی محدود فہم کے مطابق یا محدود فکری صلاحیت کے مطابق جو کچھ کہتا ہے وہ اس کی اپنی محدود سوچ ہے۔

یہ کہنا کہ عالم وحدت، وحدت باری تعالیٰ ہے ہر گز صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدت یا اللہ تعالیٰ کے کسی وصف کو انسانی شعور بیان کرنے سے قاصر ہے۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کرتے ہیں تو دراصل اپنی ہی فکری صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی لفظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکمل احاطہ ہو سکے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جس لامحدودیت کا اظہار کرتا ہے، دراصل وہ اپنی محدودیت کا تذکرہ کرتا ہے یعنی انسان کی محدود فکر کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات جس حد تک سما جاتی ہیں اس نے اس کو لامحدودیت کا نام دے دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدت کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ہم نے اس حد تک سمجھا ہے۔

انسان جس مقام کے تعین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے یا سمجھنے کے لئے کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے اس ہی مناسبت سے وہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کر دیتا ہے۔ چونکہ انسان کی لامحدود نگاہ بھی محدود ہے اس لئے آگے اور آگے اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ انسان نے سمجھ میں نہ آنے والے عالم کا نام وحدت الوجود یا وحدت الشہود رکھ دیا ہے۔

آخری نبی سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ماعرفناک حق معرفتک"

سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ:

"ہم آپ کو نہیں پہچان سکے جیسا کہ آپ کو پہچاننے کا حق ہے۔"

یہ ارشاد ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ کوئی شخص پوری طرح اللہ کا عرفان حاصل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ جس بندہ کو تجلیات و صفات کا جتنا مشاہدہ کرا دیتے ہیں وہی اس کے لئے عرفان الٰہی ہے۔

ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

جب مجھے عالم بالا کی سیر کے مواقع نصیب ہوئے تو میں نے سوچا کہ اولیاء اللہ کی ارواح سے ملاقات کر کے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ کتنے صوفی یا ولی ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کو ایک حالت میں یا ایک صفت میں دیکھا ہے۔ میں نے ایک لاکھ سال کے اولیاء اللہ کا انتخاب کیا ہے اور ان سے اللہ کے دیدار کے بارے میں سوال کیا ہے۔ کسی ایک نے بھی نہیں بتایا کہ انہوں نے اللہ کو ایک روپ میں دیکھا ہے۔ ہر صوفی نے اللہ کو الگ روپ اور الگ تجلی میں مشاہدہ کیا ہے۔

زمان اور مکان

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور ہم لوگوں کو مثالیں دے کر سمجھاتے ہیں۔اور اللہ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

(سورۃ نور۔آیت نمبر ۳۰)

بڑی سے بڑی بات کو تمثیلی انداز میں بیان کیا جائے تو کم لفظوں میں بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ہم کوشش کرتے ہیں کہ زمان اور مکان کی الجھی ہوئی گتھی کو طالبات اور طلباء آسانی سے سمجھ لیں۔

دو مسافر۔۔۔دو دوست۔۔۔دو آدمی۔۔۔سڑک پر چل رہے تھے۔

ایک چھوٹے قد کا تھا اور دوسرا بڑے قد کا تھا۔بظاہر دونوں کی رفتار ایک تھی لیکن چھوٹے قد کے آدمی کا قدم جب اٹھتا تھا تو فاصلہ کم طے ہوتا تھا اور بڑے قد کے آدمی کا قدم زیادہ فاصلے پر پڑتا تھا۔

دونوں چل رہے تھے۔۔۔چلنے میں قدم آگے اٹھتے تھے۔سڑک پیچھے صف کی طرح تہہ ہو رہی تھی جیسے کوئی اُلٹی صف لپیٹ رہا ہو۔۔۔چلتے چلتے دونوں نے باتیں شروع کر دیں۔ایک بول چکا تو دوسرے نے اس کی بات کا جواب دیا۔دوسرا خاموش ہوا تو پہلے نے جواب دیا۔کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں سڑک پر ایک تیسرا آدمی چلتا ہوا نظر آیا۔۔۔وہ اکیلا تھا۔وہ پیچھے سے آنے والے دو آدمیوں کی گفتگو سن کر ان کے ساتھ آملا اور بات چیت میں شریک ہو گیا۔

اب دو سے تین دوست۔۔۔تین مسافر۔۔۔تین آدمی ہو گئے۔

یہ آدمی بھی طویل القامت تھا۔۔۔چھوٹے قد کا آدمی بیچ میں آ گیا اور اِدھر اُدھر دو بڑے قد کے آدمی ساتھ ساتھ چلنے لگے۔۔۔چلتے چلتے سڑک پیچھے رہ گئی اور آنکھوں کے سامنے۔۔۔سامنے کی سڑک پھیلتی گئی۔۔۔جب دو قدم اٹھتے تھے۔۔۔تو تیسرے قدم پر سڑک پیچھے رہ جاتی تھی۔۔۔اور آگے قدم اٹھ رہے تھے۔۔۔اس چلنے میں جیسے جیسے اسپیس (Space) یا سڑک کے حصے پیروں کے نیچے سے نکل رہے تھے۔اسی مناسبت سے گھڑی کی سوئی بھی گردش کر رہی تھی۔ایک آدمی نے گھڑی دیکھ کر کہا چلتے ہوئے ہمیں بیس منٹ ہو گئے ہیں۔

ہم چلتے ہیں توزمین ہمیں دھکیلتی ہے:

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قدموں کے نیچے سے سرکنے والی سڑک جب گزوں میں یا فرلانگ میں پیروں کے نیچے سے نکل گئی تو بیس منٹ کا وقت بھی گزر گیا۔

تینوں میں سے ایک چھوٹے قد کے آدمی نے سوال کیا۔۔۔دوستو! ہم جب سے چلے ہیں سڑک ہمارے پیروں میں سے نکل رہی ہے۔۔۔ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔۔۔سڑک پیچھے جا رہی ہے۔۔۔ہم اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سڑک ہمیں آگے دھکیل رہی ہے؟

دوسرا آدمی بولا۔۔۔۔۔۔دوستو! سڑک اگر ہمیں دھکیل رہی ہے تو ہمیں چلتے ہوئے بیس منٹ گزر گئے ہیں یہ بیس منٹ کا وقت کیا ہے؟

تیسرے آدمی نے کہا۔۔۔میں تو یہ سمجھا ہوں کہ ہمارا ایک قدم جب اٹھتا ہے تو دوسرا قدم سڑک پر ہوتا ہے۔۔۔اب جب دوسرا قدم اٹھتا ہے۔ تیسرا قدم سڑک پر ہوتا ہے اور ان دونوں قدموں کے اٹھنے کے درمیان جو کچھ ہے وہ اسپیس (Space) اور دونوں قدموں کے درمیان اگر سیکنڈ کا Friction بھی گزرا ہے تو وہ ٹائم Time ہے۔

تینوں مسافر چلتے چلتے رُک گئے۔۔۔اور سڑک کے کنارے ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔۔۔تھوڑی دیر خاموشی کے بعد ایک مسافر بولا۔

یارو!۔۔۔ہماری نشست قدرتی طور پر ایسی ہے کہ ہم اسے مثلث کہہ سکتے ہیں۔

کیا مثلث بننا اتفاق ہے؟۔۔۔یا اس کے پیچھے کوئی حکمت ہے؟

کوتاہ قد آدمی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔اوپر دیکھو!۔۔۔۔۔درخت گول ہے۔

لگتا ہے کہ مثلث ایک گول دائرے یا چھتری کے نیچے ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ چھتری بھی زمین کے اوپر قائم ہے اور ہم تینوں بھی زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب ہم چل رہے تھے تو زمین پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اب ہم بیٹھے ہیں زمین اپنی جگہ پر قائم ہے۔۔۔درخت کی گولائی (چھتری) اور ہمارا مثلث میں بیٹھنا کوئی ہم معنی بات ہے؟

تیسرا آدمی گفتگو میں شریک ہوا۔۔۔۔۔اس نے کہا۔۔۔۔۔دوستو!۔۔۔درخت کی گولائی ایک تنے پر قائم ہے اور درخت کا تنا زمین پر قائم ہے۔ کیا زمین درخت کے تنے، پتوں اور شاخوں سے بنی ہوئی گول چھتری میں کوئی پیغام ہے؟

ضرور اس میں کوئی حکمت نظر آتی ہے۔۔۔۔۔۔

تینوں مسافر اس مسئلے کو سلجھانے میں اتنے زیادہ منہمک ہو گئے کہ انہیں وقت کا احساس نہیں رہا۔۔۔جب وقت کا احساس ہوا تو ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔۔۔ایک مسافر بولا۔۔۔کہ جب ہم سڑک پر چل رہے تھے۔۔۔چونکہ ہمارے قدم اٹھ رہے تھے۔۔۔اس لئے سڑک پیچھے جا رہی تھی۔ ہم آگے جا رہے تھے۔۔۔قدموں کے یکے بعد دیگرے اٹھنے میں اور زمین پر پڑنے میں جب سڑک کافی پیچھے رہ گئی تو ہم نے دیکھا کہ 20 منٹ کا وقت گزر چکا ہے لیکن اب ہم بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔۔۔چل نہیں رہے ہیں تو ایک گھنٹے کا وقت کیسے گزر گیا؟۔۔۔کیا وقت کا تعلق چلنے سے یا وقت چلنے کے بغیر بھی گزرتا ہے۔۔۔نمبر تین مسافر جو راستے میں شریک سفر ہوا تھا۔۔۔اس نے کہا۔۔۔بھائیو!۔۔۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ہم چل رہے تھے جب بھی وقت گزرا اور جب ہم بیٹھ گئے تب بھی وقت گزرا۔۔۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت کی حیثیت ثانوی ہے اور Space کو اولیت حاصل ہے۔

یہ ایسا گھمبیر اور مشکل تجزیہ تھا کہ دونوں دوست حیران رہ گئے۔۔۔کہ Space جب ہو گی تو حرکت ہو نہ ہو وقت گزرے گا۔ Space نہیں ہو گی تو وقت نہیں گزرے گا۔

تینوں میں سے ایک نے کہا۔۔۔

انسان کی پیدائش بھی Space میں ہوئی۔ رحم مادر Space ہی تو ہے۔۔۔Space میں جب نطفہ قرار پا جاتا ہے تو وقت بھی شروع ہو جاتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رحم میں نطفہ قرار نہ پائے اور نو مہینے کے بعد ولادت ہو جائے۔۔۔

ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ زمین Space نہ ہو اور کوئی بچہ جوان ہو جائے۔۔۔اور کوئی جوان بوڑھا ہو جائے۔۔۔انسان کی زندگی چاہے ساٹھ سال کی ہو چاہے سو سال کی ہو۔۔۔Space ہو گی تو وقت ہو گا۔ کوئی آدمی Space کے بغیر ساٹھ سال کا یا سو سال کا نہیں ہو سکتا۔۔۔Space کا پھیلاؤ یا Space کا سمٹنا ہی وقت کا تعین ہے۔

آدم کا سراپا:

آدم و حوا سے جب نافرمانی سرزد ہو گئی تو انہوں نے خود کو برہنہ محسوس کیا۔۔۔یعنی انہیں اپنے جسم پر سے کپڑے اترے ہوئے نظر آئے۔۔۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم کا سراپا ایک Space ہے۔ نافرمانی سے پہلے سراپا کے وہ خدوخال جو ستر میں داخل ہوتے ہیں انہیں نظر نہیں آئے اور جیسے ہی نافرمانی ہوئی آدم کے سراپا کی Space تبدیل ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم اعلیٰ Space سے ادنیٰ Space میں آ گئے اگر آدم کا سراپا نہ ہوتا تو آدم خود کو برہنہ محسوس نہ کرتے۔۔۔

ایک ہزار سال کا ایک دن:

تینوں میں سے ایک صاحب بولے۔۔۔جب بات آدم اور حوا کی ہے تو ہمیں Space&Time کا سراغ اگر ملے گا تو آسمانی کتابوں سے ملے گا۔۔۔اس لئے کہ آسمانی کتابوں نے ہی آدم و حوا کا تعارف کرایا ہے۔

نمبر تین مسافر آسمانوں کی وسعتوں میں گم ہو کر بولا۔۔۔

دن۔۔۔روشنی۔۔۔اوریوم Space ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

*میرا ایک دن پچاس ہزار برس کا ہو گا۔

*میرا ایک دن دس ہزار سال کا ہو گا۔

*اور میرا ایک دن ایک ہزار سال کا ہو گا۔

یعنی دن کی طوالت یا دن چھوٹے بڑے ہونے کا تعلق۔۔۔اس کے پھیلنے یا سمٹنے سے ہے۔

ایک رات ۲۳ سال کے برابر:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔''

جب کہ قرآن پاک 23 برس میں پورا ہوا۔۔۔مفہوم یہ ہے کہ ایک رات 23 سال کے وقت کی مدت کے برابر ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں کے لئے بلایا اور چالیس راتوں تک کوہِ طور پر رکھا۔ یہاں صرف راتوں کی Space کا ذکر ہے جب کہ موسیٰ علیہ السلام چالیس دن اور چالیس راتیں کوہِ طور پر رہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن، چالیس راتیں رات کے Space میں رہے۔ رات کے Space میں ٹائم پھیل جاتا ہے۔ دن کے Space میں ٹائم سمٹ جاتا ہے۔

:DIMENSION

ایک صاحب بولے۔۔۔اسی مضمون پر میرے ذہن میں دو مثالیں آئی ہیں۔

دونوں مسافروں نے بیک زبان کہا۔۔۔ضرور بیان کرو۔۔۔

اس نے کہا۔۔۔جب ہم اخبار پڑھتے ہیں تو ہم آنکھوں کو استعمال کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ہم اخبار کو آواز سے پڑھتے ہیں۔ یعنی ہم آنکھوں کی Space کو استعمال کرتے ہیں اور جب اخبار پڑھتے ہیں تو بولنے کی Space استعمال کرتے ہیں۔ اگر اخبار ہم سے کچھ فاصلے پر ہو تو آنکھوں کی Space کو اخبار پر کیڑے مکوڑے نظر آئیں گے اور صحیح نہیں پڑھا جائے گا۔ اگر اخبار اور آدمی کا فاصلہ

زیادہ ہو جائے تو حروف کی شکلیں غائب ہو جائیں گی اور اگر چھونے کی صلاحیت سے اخبار دور چلا جائے گا جب کہ چھونا بھی اسی وقت ممکن ہے جب Space ہو تو اخبار پر کوئی حرف نظر نہیں آئے گا۔اس سے ثابت ہوا کہ ہر شئے کا وجود اور ہر وجود میں ڈائمنشن اور ہر ڈائمنشن کا قیام Space پر ہے۔

ہم نام کو بھی Space ہی کہیں گے۔اس لئے کہ نام Space کی شناخت

ہے۔۔۔Space۔۔۔جسم۔۔۔ڈائمنشن۔۔۔اگر نہیں ہونگے تو نام نہیں رکھا جائے گا۔مثلاًہم تین مسافر ہیں۔

ہمارے تین نام ہیں۔۔۔میرا نام محمود ہے۔۔۔تمہارا نام زید ہے۔۔۔اور میرے تیسرے بھائی کا نام ایاز ہے۔۔۔یہ تینوں

ام Space کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اور یہ Space ایک سراپا ہیں۔ہر سراپا میں سوچنے کے لئے دماغ ہے۔دیکھنے کے لئے آنکھیں۔۔۔سننے کے لئے کان ہیں۔

محسوس کرنے کے لئے دل ہے۔۔۔چھونے کے لئے دوران خون کا عمل ہے۔۔۔سونگھنے کے لئے ناک ہے۔۔۔گرمی سردی محسوس کرنے کے لئے جسم میں مسامات ہیں۔۔۔غم زدہ اور خوش ہونے کے لئے ماحول میں انتشار یا اطمینان ہے۔۔۔ماحول۔۔۔زمین کے تابع ہے۔۔۔زمین Space ہے۔۔۔Space چھوٹی یا بڑی ہوتی رہتی ہے۔

پروانہ کی عمر:

ایک پروانہ چھ گھنٹے میں بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تمام مراحل طے کر لیتا ہے جب کہ وہیل مچھلی پروانے کے چھ گھنٹے میں پورے ہونے والے ماہ وسال ایک ہزار سال میں پورے کرتی ہے۔۔۔پروانے کی پوری زندگی چھ گھنٹے کی ہوتی ہے اور وہیل مچھلی کی زندگی ایک ہزار سال کی ہوتی ہے۔

ایک سانپ بہت بڑے چوہے کو اس لئے نگل لیتا ہے کہ اسے چوہا چھوٹا نظر آتا ہے اگر چوہا اتنا بڑا نظر آئے جتنا بڑا آدمی کو نظر آتا ہے تو سانپ اسے نگلنے کی ہمت نہیں کرے گا۔اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ چوہا سانپ کو اتنا بڑا نظر نہیں آتا جتنا بڑا آدمی کو نظر آتا ہے۔

شیر ہاتھی کے مقابلے میں چھوٹا ہوتا ہے۔ہاتھی کا ڈیل ڈول شیر کے مقابلے میں بہت بڑا ہے لیکن ہاتھی شیر سے ڈرتا ہے۔ہاتھی شیر کو دیکھ کر مقابلہ نہیں کرتا۔ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔

اس تجزیہ کے تحت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدمی جب اعلیٰ Space سے نکل کر اسفل Space میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر خوف طاری ہو جاتا ہے اور یہی وہ خوف ہے جو اس کو اعلیٰ Space میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔اگر آدمی اسفل

Spaceکو رد کر دے تو از خود اعلیٰSpaceمیں داخل ہو جاتا ہے اور اعلیٰSpaceمیں داخل ہونا ہی جنت کی زندگی ہے۔ جنت میں خوف اور غم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور اسپیس کی حد بندی کے بغیر جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔

قرآن کریم کی اس آیت میں یہ حکمت مخفی ہے کہ خوشی اعلیٰ اسپیس ہے اور ناخوشی اسفلSpaceہے۔اعلیٰSpaceحاصل کرنے کے لئے پیغمبروں کا بتایا ہوا طریقہ توکل، بھروسہ، قناعت، استغناء ہے۔۔۔توحید اور رسالت پر ایمان ہے۔ مادے سے بنا ہوا گوشت پوست کا جسم ہمیں نظر آتا ہے لیکن گوشت پوست کا جسم کس بساط پر قائم ہے ہماری ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔اگر مادہ کی شکست وریخت کو انتہائی حدوں تک پہنچا دیا جائے تو محض رنگوں کی جداگانہ شعاعیں باقی رہ جائیں گی۔ تمام مخلوقات اور موجودات کی مادی زندگی ایسے ہی کیمیائی عمل پر قائم ہے۔ فی الحقیقت لہروں کی مخصوص مقداروں کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے مختلف مراحل میں مختلف نوعیں بنتی ہیں۔

آدمی کی اصل مادہ نہیں ہے:

اس فارمولے کو بیان کرنے سے منشا یہ ہے کہ آدمی کی اصل مادہ نہیں ہے بلکہ آدمی کی اصل لہروں کے تانے سے بُنی ہوئی ایک بساط ہے۔ایک طرف یہ لہریں انسانی جسم کو مادی جسم میں پیش کرتی ہیں اور دوسری طرف یہ لہریں انسان کو روشنیوں کے جسم سے متعارف کراتی ہیں۔ جب تک کوئی آدمی مادے کے اندر قید رہتا ہے۔اس وقت تک وہ قید وبند اور صعوبت کی زندگی گزارتا ہے۔

اور جب وہ اپنی اصل یعنی روشنی کے جسم سے واقف ہو جاتا ہے تو قید وبند، آلام ومصائب، پیچیدہ اور لاعلاج بیماریوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

اصلی آدمی یعنی روشنی کے آدمی سے واقفیت، زمان ومکان(Space&Time) سے آزاد ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔یہ وہی زندگی ہے جہاں غیبی علوم منکشف ہوتے ہیں اور اللہ کے عرفان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

علم کی تشریح:

علم کا مطلب ہے جاننا۔ یا کسی چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنا، زمین وآسمان میں آباد مخلوق میں سے کوئی ایک مخلوق بھی ایسی نہیں ہے جو علم کے دائرے سے باہر ہو۔۔۔ہر مخلوق وائرس ہو، چیونٹی ہو، شہد کی مکھی ہو، ہرن ہو، نقش ونگار سے مزین خوبصورت پروں والا پرندہ ہو، زیبرا ہو، شیر ہو، ہاتھی ہو یا ہزاروں سال پہلے حجم میں ہاتھی سے بھی بڑی مخلوق ڈائنا سار ہو۔۔۔سب کے

اوپر علم محیط ہے یعنی سب کو اپنی زندگی گزارنے اپنی خورد ونوش کا سامان حاصل کرنے اور اس سامان سے استفادہ کرنے کا علم حاصل ہے۔

ہم جب شہد کی مکھی کے رہائشی کمرے اور حفاظتی انتظامات دیکھتے ہیں تو ہمیں مکمل ضابطۂ حیات اور بھرپور ایڈمنسٹریشن نظر آتا ہے۔یہی صورتحال چیونٹی کی بھی ہے۔

مزدور چیونٹیاں:

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''چیونٹیوں کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر اپنی رعایا چیونٹیوں سے کہا کہ تم فوراً اپنے بلوں میں گھس جاؤ ورنہ سلیمانؑ بادشاہ کے گھوڑوں اور پاپیادہ لوگوں کے قدموں کے نیچے آکر ہلاک ہو جاؤ گی۔''

مزدور چیونٹیاں غلہ جمع کرتی ہیں اور زمین کی تہہ میں بنے ہوئے الگ الگ خانوں میں ذخیرہ کرتی ہیں، مزدور چیونٹی کے اندر اپنے جسم سے دس گنا زیادہ وزن اٹھانے کی صلاحیت ہوتی ہے، انجینئر چیونٹیاں اپنی ملکہ کے لئے شاہی محل تیار کرتی ہیں۔ یہ شاہی محل گیلریوں کے ذریعے ہر طرف سے ملا ہوا ہوتا ہے، انجینئر چیونٹیوں کا بنایا ہوا محل قلعہ کی طرح مضبوط ہوتا ہے تاکہ اس کے اوپر پانی کا کوئی اثر نہ ہو۔ اور شدید گرمی بھی اثر انداز نہیں ہوتی یعنی قلعے کے اندر محل، محل کے اندر گیلریاں، سینٹرلی ایئر کنڈیشنڈ ہوتی ہیں، چیونٹیوں میں ایک قسم ایسی ہے جو لہروں میں منتقل ہونے کا علم جانتی ہے، جس طرح کسی ٹی وی سٹیشن پر تصویر لہروں میں منتقل ہو کر ٹی وی اسکرین پر نظر آتی ہے۔ اسی طرح چیونٹیاں لہروں میں منتقل ہو کر دور دراز مقامات پر پہنچ جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنٹسٹ چیونٹیاں لاکھوں سال پہلے سے روشنیوں میں تحلیل ہونے کا عمل جانتی ہیں۔

پرندے میں عقل وشعور:

قرآن حکیم میں ملکہ سباؔ کا واقع بڑا دلچسپ ہے اور اس واقعہ میں ایک پرندے کے عقل وشعور کا تذکرہ ہے۔اس طرح زمین کے اوپر موجود ہر مخلوق علم کی دولت سے مالا مال ہے، کسی میں عقل وشعور زیادہ ہے، کسی میں کم ہے لیکن زمین پر موجود تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار مخلوق اور ان مخلوقات میں کھربوں لاکھوں افراد میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو علم نہ جانتا ہو۔

معاشرتی جانور:

کہا جاتا ہے کہ انسان معاشرتی جانور ہے، معاشرتی جانور سے مراد اگر یہ ہے کہ انسان گروہی سسٹم کا پابند ہے یعنی انسان، انسان کے ساتھ رہتا ہے، بات کرتا ہے، نفرت کرتا ہے، محبت کرتا ہے، ایک انسان جو کچھ کھاتا ہے دوسرا بھی وہی نوش جان کرتا ہے تو

یہ طرز تکلم دراصل انسان کی اناپرستی ہے، جب کہ ہر انسان یہ دیکھتا اور جانتا ہے کہ بھیڑ بھی معاشرتی جانور ہے، بھیڑ ہمیشہ بھیڑ کے گلہ میں بیٹھتی ہے۔ بکری ہمیشہ اپنے ریوڑ کے ساتھ رہتی ہے، ہاتھی ہاتھی کے ساتھ رہتے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہاتھی بھینس کے ساتھ بیٹھا ہو، بھینس اونٹ کے ساتھ بیٹھی ہوئی نظر آئی ہو۔ یہ سب جانور یا حیوانات ایک دوسرے کی خبر گیری رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ انسان چونکہ احساس برتری کا مریض ہے اس لئے اس نے اپنے گروہ کو معاشرتی جانور کے نام سے متعارف کرایا ہے۔

جانور روتے ہیں:

ایک گائے یا ہرن کا بچہ جب مر جاتا ہے گائے اور ہرن آنسوؤں سے روتے ہیں۔ حیوانات کے گروہ میں جب پیدائش ہوتی ہے تو اس گروہ کے افراد خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑتی ہوئی باآسانی نظر آتی ہے، انسان کہتا ہے کہ انسان کو فضیلت حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عقل و شعور زیادہ ہے، اگر حیوانات کی زندگی پر تفکر کیا جائے تو انسان کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے۔

حیوانات میں چھوٹے چھوٹے حشرات الارض کئی معاملات میں انسان سے کہیں زیادہ ذہین، ہوشیار اور عقل مند ہیں۔

ہمیں یہ سوچنا ہے کہ علم کے حصول میں جب تمام حیوانات بشمول انسان (حیوان ناطق) (جب کہ ہر حیوان بھی حیوان ناطق ہے) کس طرح دوسری مخلوق پر افضل و اشرف ہے۔

یقین کا پیٹرن:

علم یقین کا پیٹرن ہے۔ ایسا پیٹرن جس پر زندگی رواں دواں ہے، حیات و ممات قائم ہے، اور جس پر ترقی و ارتقاء موجود ہے۔

یقین کیا ہے؟

یقین وہ مرکزیت ہے جس میں شک اور ابہام نہیں ہوتا۔ دنیا کے کھربوں افراد میں یقین کا پیٹرن موجود ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے، پیاس کا تقاضہ نہ ہو تو پانی معدوم ہو جائے گا، پانی سے پیاس اس لئے بجھتی ہے کہ پانی موجود ہے، یقین ایک ایسا عمل ہے جس کے اوپر ظاہر اور باطن متحرک ہیں۔ یقین علم کے بغیر نہیں ہوتا اور علم یقین کی آبیاری میں مکمل کردار ادا کرتا ہے۔

قرآن حکیم میں یقین اور علم کی پوری طرح وضاحت کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نور فراست سے نوازا تھا۔ اس کے علم نے یقین کا درجہ حاصل کر لیا تھا کہ بت سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ان کے علم نے انہیں بتا دیا تھا کہ بے جان مورتیوں کو میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے پھر یہی مورتیاں عبادت گاہوں میں سجادی جاتی

ہیں۔ جہاں بادشاہ، بادشاہ کے مصاحب، بڑے بڑے عہدے دار اور عوام پتھر سے تراشی ہوئی ان بے جان مورتیوں کو سجدہ کرتے ہیں اور حاجت روائی کے لئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

پتھر کی مورتیاں:

ایک روز انہوں نے اپنے والد آذر سے پوچھا:

''اے میرے باپ! کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ کام آوے تیرے کچھ۔''

(سورۃ مریم۔آیت نمبر ۴۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے جو کچھ جواب میں کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی نفی کر دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر علم کے بعد تفکر اور تفکر کے بعد یقین کا پیٹرن متحرک ہوا تو انہوں نے سوچا کہ:

ہر شئے مقرر قاعدے اور ضابطے کے تحت خود بخود کیسے متحرک ہے؟

کون ہے جو روزانہ سورج کو طلوع کرتا ہے؟

کون ہے جو دن کے اجالے کو تاریکی میں بدل دیتا ہے؟

کون ہے جو درختوں کی شاخوں میں سے پھل نمودار کرتا ہے؟

بارش کون برساتا ہے؟

لہلہاتی کھیتیاں کون اگاتا ہے؟

کون ہے وہ ہستی جس کی عمل داری میں کائنات کا ہر فرد اپنے کام میں لگا ہوا ہے، آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا اور کبھی کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا۔

نتیجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لکڑی سے بنائے ہوئے بتوں، پتھر سے بنائی ہوئی مورتیوں اور مٹی چونے سے بنائی ہوئی دوسری چیزوں کو خدا ماننے سے انکار کر دیا۔

''میں اپنا رخ اس طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

(سورۃ انعام۔آیت نمبر ۷۹)

تاروں بھری رات:

تفکر کی راہوں پر چلتے ہوئے تاروں بھری ایک رات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک روشن ستارہ دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے، جب وہ روشن ستارہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں چھپ جانے والے کو معبود نہیں مانتا۔ پھر ٹھنڈی میٹھی روپہلی چاندنی سے بھرپور چاند کو دیکھا جیسے جیسے طلوع آفتاب کا وقت قریب آیا چاند بھی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند کے رب ہونے کی بھی نفی کر دی۔ طلوع آفتاب کے بعد سورج بھی زوال پذیر ہونے لگا اور اس پر اتنا زوال غالب آیا کہ وہ نظروں سے مخفی ہو گیا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم اور علم کے نتیجے میں یقین سے کہا:

''میرا رب وہ ہے جو نہ کبھی چھپتا ہے اور نہ اسے کبھی زوال ہے۔''

بات بادشاہ نمرود تک پہنچی۔ نمرود خود کو ''رعایا کا رب'' اور مالک سمجھتا تھا، رعایا نمرود کو خدا مانتی تھی اور اس کی پرستش کرتی تھی، شاہی دربار میں سجدہ کرنے کا رواج عام تھا، باطل عقائد کی پیروکار اور باطل عقائد کا پرچار کرنے والے مذہبی پیشواؤں، ارباب اقتدار اور عوام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''تم کائنات کے مالک اور مختار کل اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کو پوجتے ہو تم شعور کیوں نہیں استعمال کرتے۔''

شعور کا آئینہ:

کوئی بندہ علم تصوف اور روحانیت سے بھٹک جاتا ہے تو اس کے شعور میں ایسی محدودیت پیدا ہو جاتی ہے کہ شعور بوجھل ہو جاتا ہے۔ شعور کے آئینہ پر رشک کی دبیز تہہ جم جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے لیکن کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ سنتا ہے لیکن کچھ نہیں سنتا۔ بے مقصد زندگی اس کا نصب العین بن جاتا ہے۔

انسان کے اندر کمپیوٹر:

انسانی دماغ کو سائنس دان قوت اور توانائی کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں، اس میں معلومات اکٹھا کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت ہے، سب سے بڑھ کر یہ جمع شدہ معلومات سے اچھوتی اور نئی نئی ایجادات کرتا ہے، لیکن اگر زندگی کی روح نہ آئے تو آدمی لوہے سے بنے ہوئے ایسے روبوٹ کی طرح ہے جس میں کرنٹ نہ ہو۔

جب آدمی زمین پر نہیں تھا تو ایسے مقام پر تھا جہاں اسے ہر چیز بغیر مشقت کے مل جاتی تھی، اسے محنت مشقت کی عادت نہیں تھی، زمین پر آنے کے بعد اسے مشقت بھری زندگی ملی، انسان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ وہ جنت کی زندگی گزارے، جنت کی

زندگی کی خواہش نے اسے بے چین کیا ہوا ہے، یہ بے چینی رنگ لائی اور انسان نے خفیہ صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ایسی مشین ایجاد کر لی جس سے کام لے کر وہ مشقت کی زندگی سے بے نیاز ہو جائے، یہ سب تو ہوا مگر آدمی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ خفیہ صلاحیتوں کا مخزن کیا ہے؟ان صلاحیتوں کو متحرک کرنے کے لئے کرنٹ کہاں سے آتا ہے؟

پہیہ کی ایجاد کے بعد انسان پر سہولتوں کے حصول کی راہ ہموار ہو گئی اور وہ قدم قدم آگے بڑھتے ہوئے کمپیوٹر اتیج میں داخل ہو گیا اب انسان اس حقیقت سے واقف ہو گیا ہے کہ کوئی بھی مشین کرنٹ کے بغیر کام نہیں کرتی۔انسان جب سے دنیا میں آیا ہے وہ جنت کو زمین پر اتار لینے کے لئے کوشاں ہے۔

جیسے جیسے اس نے تفکر کیا،انسان کے اندر نصب شدہ کمپیوٹر اس کی رہنمائی کرتا رہا نتیجہ میں روبوٹ ایجاد ہو گئے،انسان ایک ہی کام کرتے کرتے اکتا جاتا ہے جب کہ روبوٹ دن رات ایک ہی کام کو دہرا سکتا ہے،روبوٹ انسانوں کے مقابلے میں موسمی تغیرات سے کم متاثر ہوتے ہیں۔امریکہ اور یورپ کی بیشتر فیکٹریوں میں روبوٹ سے کام لیا جا رہا ہے،ویلڈنگ،پینٹنگ،مولڈنگ اور چیزیں اٹھانے اور رکھنے کا کام کرنے والے صنعتی روبوٹ انسانوں کی طرح کام کرتے ہیں لیکن اگر سوئچ آن نہ کیا جائے تو یہ حرکت نہیں کرتے،ان کی ہر حرکت کو برقی آلات کے ذریعہ ایک بورڈ کنٹرول پینل سے متعین کیا جاتا ہے،سوئچ آف کر دیا جائے تو کنٹرول پینل سے انفارمیشن کی سپلائی منقطع ہو جاتی ہے اور روبوٹ کی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

یہی صورتحال انسان کی بھی ہے،انسان کو زندگی اور زندگی کے تقاضوں کے بارے میں اطلاعات فراہم نہ ہوں تو اس کے اندر کرنٹ کی سپلائی بند ہو جاتی ہے۔

زراعت،تعمیرات،نیوکلیئر پلانٹ،انتہائی حساس اور خطرناک شعبوں کے علاوہ خلائی تحقیق میں بھی روبوٹوں سے استفادہ کیا جا رہا ہے،اعداد و شمار کا ریکارڈ مرتب کرنے والے روبوٹ سے شروع ہونے والی ریسرچ اس مقام تک پہنچ چکی ہے کہ انسانی دماغ میں موجود صلاحیتوں کا حامل روبوٹ بنانے پر کام ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور جب تو بناتا مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے پھر دم مارتا اس میں تو ہو جاتا جانور میرے حکم سے اور نگا کرتا ماں کے پیٹ کا اندھا اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا مردے میرے حکم سے۔"

(سورۃ المائدہ۔آیت نمبر ۱۱۰)

سینکڑوں ہزاروں سال کی کاوش کے بعد بھی جس مقام پر سائنٹسٹ نہیں پہنچ سکا۔مسلمان قرآن میں تفکر کر کے وہ مقام حاصل کر سکتا ہے۔

کرنٹ اور جان:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے چڑیا بناتے تھے اور پھر اس میں پھونک مار دیتے تھے اور مٹی سے بنائی ہوئی چڑیا اڑ کر درخت پر جا کر بیٹھتی تھی، مٹی سے بنی ہوئی چڑیا اور لوہے سے بنے ہوئے روبوٹ میں کیا فرق ہے؟

یہ فرق ہے کہ روبوٹ میں بجلی کرنٹ بن رہی ہے اور چڑیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک ''جان'' بن رہی ہے۔

حق الیقین:

''وہ جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی، اس نے کہا بھلا اللہ اس کو اس کے فنا ہو چکنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ نے اس کو سو سال کی موت دے دی، پھر اس کو اٹھایا، پوچھا کتنی مدت اس حال میں رہے؟ بولا ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ۔۔۔فرمایا تو پورے سو سال اس حال میں رہے، اب تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو۔۔۔ان میں سے کوئی چیز سڑی نہیں ہے اور اپنے گدھے کو دیکھو ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں تا کہ تمہیں اٹھائے جانے پر یقین ہو اور تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ کس طرح ہم ان کا ڈھانچہ کھڑا کرتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پس جب اس پر حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی وہ پکار اٹھا میں تسلیم کرتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

(سورۃ بقرہ۔ آیت نمبر ۲۵۹)

عالم امر کا مظاہرہ دیکھ کر حضرت عزیزؑ پکار اٹھے:

''تسلیم کرتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

ایک ساٹھ سال کا آدمی مر گیا اور دل، گردے، دماغ، آنکھیں سب اعضاء موجود ہیں۔ لیکن کوئی عضو کام نہیں کرتا۔ اس نظام میں سب کی حقیقت ایک جیسی ہے۔ چاہے وہ عالم فاضل ہو یا جاہل ہو، غریب ہو یا امیر ہو۔۔۔جب جسم میں پورے اعضاء موجود ہیں تو آدمی حرکت کیوں نہیں کرتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کے اندر سسٹم فیوز ہو گیا ہے، فضا میں بجلی ہے، آکسیجن ہے، مگر جسم مردہ ہے۔۔۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان روشنیوں سے چل رہا ہے، روشنی، روشنی کو کھا رہی ہے۔ روشنی، روشنی سے بات کر رہی ہے۔ لوگ ماں باپ اس وقت بنتے ہیں، جب ان کے اندر روشنی ہوتی ہے۔ روشنی ختم ہو جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے، اس میں ایک چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے، موتی کی طرح چمکدار اور روشن ہے، برکت والے پیڑ زیتون سے جس کا نہ مشرق ہے، نہ مغرب

ہے۔قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اور اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔"

(سورۃ نور۔آیت نمبر ۳۵)

جب انسان قرآن کے بیان کردہ اس فارمولے سے واقف ہو جائے گا تو اسے بھاری بھرکم لوہے کے بنے ہوئے روبوٹ کی ضرورت پیش نہیں آئے گی،اسے سوئچ آن آف نہیں کرنا پڑے گا،اس کی سوچ روبوٹ کا کام کرے گی،وہ جو چاہے گا اللہ کے حکم سے ہو جائے گا۔

فلم اور سینما:

پروجیکٹر سے لہریں نکلتی ہیں جو محسوس ہوتی ہیں اور نظر بھی آتی ہیں لیکن ان لہروں کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں کوئی معنی پیدا نہیں ہوتے، سینما میں بیٹھے ہوئے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ پشت کی جانب سے روشنیوں،لہروں یا شعاعوں کی ایک دھار چلی آرہی ہے اور یہ لہریں یا شعاعیں پردے پر جاکر ٹکرا رہی ہیں۔جب یہ لہریں یا شعاعیں پردے پر جاکر ٹکراتی ہیں تو وہاں ہمیں مختلف صورتیں، مختلف شکلیں اور مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔

ہم ان لہروں کو خیال سے تشبیہ دے سکتے ہیں اور لہروں کے ٹکرانے کے عمل کو علم سے منسوب کر سکتے ہیں۔پردے یا اسکرین سے لہروں کے ٹکرانے کے بعد جو صورتیں اور جو رنگ جلوہ گر ہوتے ہیں انہیں معنی و مفہوم کہہ سکتے ہیں۔تجربہ اور مشاہدہ سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ خیال جب تک کسی اسکرین پر ٹکرا کر اپنا مظاہرہ نہ کرے اس وقت تک کسی علم میں معنی اور مفہوم پیدا نہیں ہوتے۔

انسانی دماغ

آدم کی اولاد میں زندگی گزارنے کے لئے دو دماغ استعمال ہوتے ہیں۔ایک دماغ کا تجربہ ہمیں دن کے وقت بیداری میں اور دوسرے دماغ کا تجربہ رات کے وقت نیند میں ہوتا ہے۔ ایک دماغ دائیں طرف ہوتا ہے اور دوسرا دماغ بائیں طرف ہوتا ہے۔ دائیں دماغ کا تعلق لاشعوری حواس سے ہے اور بائیں دماغ کا تعلق شعوری حواس سے ہے، دایاں دماغ وجدانی دماغ ہے اور بایاں دماغ منطقی اور تنقیدی دماغ ہے۔دائیں دماغ میں لا محدود علوم ہیں اور بائیں دماغ میں محدود علوم کا ذخیرہ ہے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ اگر ہم آٹھ ہزار یادداشتیں فی سیکنڈ کے حساب سے اپنے دماغ میں ریکارڈ کرتے جائیں تو اس میں اتنی گنجائش ہے کہ ہم لگاتار بغیر کسی وقفہ کے ۷۵ سال تک یادداشتیں ریکارڈ کر سکتے ہیں۔

مشہور سائنسدان آئن سٹائن کا دماغ امریکہ کی لیبارٹری میں محفوظ ہے، بڑے بڑے محققین نے اس پر محض اس غرض سے ریسرچ کی ہے کہ وہ کسی طرح یہ جان لیں کہ آئن اسٹائن کی دماغی ساخت میں ایسی کون سی صلاحیت تھی جس نے اسے جینئس بنادیا لیکن ابھی تک انہیں ایسی کوئی چیز نہیں مل سکی جو عام آدمی کے دماغ اور جینئس آدمی کے دماغ میں امتیاز پیدا کر سکے۔ آئن اسٹائن کو اس صدی کا عظیم اور جینئس سائنسدان کہا جاتا ہے، اپنے بارے میں اس نے خود کہا تھا کہ تھیوریز میں نے خود نہیں سوچیں بلکہ وہ اس پر الہام ہوئی تھیں، یادرہے یہ وہی آئن سٹائن تھا جو اسکول کے زمانے میں نالائق ترین طالب علم شمار کیا جاتا تھا۔سوال یہ ہے کہ ایک نالائق طالب علم جینئس کیسے بن گیا؟

:Sleep Laboratories

دنیا بھر میں Sleep Laboratories میں ہونے والی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بلا تخصیص جینئس اور عام آدمی جب سوتا ہے تو اس کا دماغ Data Processing کا کام شروع کر دیتا ہے، بیداری کے وقت انسانی دماغ میں چلنے والی برقی رو ایک مخصوص حد تک کام کرتی ہے تو شعور ٹھیک کام کرتا ہے۔ اگر ان لہروں میں اضافہ ہو جائے تو انسان پریشان اور بے سکون ہوتا ہے۔ان لہروں میں مزید زیادتی ہو جائے تو بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

فی زمانہ زیادہ تر لوگ بائیں دماغ کے زیر اثر رہتے ہیں۔ بائیں دماغ میں نسیان کا عمل دخل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائناتی علوم سے بے خبری سے انسان مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

وجدانی دماغ:

دن کے وقت دماغ بے دریغ استعمال ہوتا ہے اور وجدانی دماغ استعمال نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کائنات کے حقیقی علم سے بے خبر رہتا ہے۔ اس بے خبری کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے وجدانی دماغ سے رابطہ میں رہے۔ وجدانی دماغ سے رابطہ قائم رہنے سے۔۔۔ شعوری دماغ میں اتنی سکت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان وجدانی دماغ کی کارگزاریوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں دماغ آدھے یونٹ کے طور پر نہیں بلکہ پورے یونٹ کے طور پر کام کرتا ہے۔ نتیجہ میں غلطیوں، تکلیفوں، بے سکونی اور پیچیدہ بیماریوں کے امکانات حیرت انگیز طور پر کم ہو جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس وقت انسانی صلاحیتوں سے بہتر سے بہتر کام لینے پر جتنی بھی ریسرچ ہو رہی ہے ان سب کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ کسی طرح دائیں دماغ اور بائیں دماغ کا رابطہ قائم ہو جائے۔ اہل تصوف بتاتے ہیں۔۔۔ اگر انسان اپنی زندگی کا نصف حصہ۔۔۔ نیند کی صلاحیت سے واقفیت حاصل کرلے تو۔۔۔ دائیں دماغ اور بائیں دماغ سے رابطہ قائم ہو جائے گا۔۔۔ دائیں دماغ اور بائیں دماغ میں رابطہ قائم ہونے سے انسان مخفی علوم اور غیب کی دنیا کے شب و روز سے واقف ہو جاتا ہے۔

سانس زندگی ہے:

زندگی اور زندگی سے متعلق جذبات و احساسات، واردات و کیفیات، تصورات و خیالات اور زندگی سے متعلق تمام دلچسپیاں اس وقت تک ہیں جب تک سانس کا سلسلہ قائم ہے، سانس اندر جاتا ہے، سانس باہر آتا ہے، اندر کے سانس سے باطن کا رشتہ جڑ جاتا ہے، سانس باہر نکلنے سے حواس میں درجہ بندی ہوتی ہے۔

آنکھیں بند کر کے پوری یکسوئی کے ساتھ جب ہم اندر سانس لیتے ہیں تو شعور باطن کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب سانس باہر آتا ہے تو ہماری توجہ ظاہر دنیا کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ نتیجہ میں ہم شک، خوف، لالچ و طمع، جھوٹ اور منافقت کی دنیا میں منتقل ہو کر اس دنیا سے دور ہو جاتے ہیں جس دنیا میں سکون و آرام کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

غیب کی دنیا:

مخفی دنیا کی مثال تالاب کی طرح ہے۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں جھانکنے سے ہمیں پانی کے اندر اپنی تصویر نظر آتی ہے۔ اسی طرح باطن میں کائنات کے سارے افراد باہم و دیگر ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔

کائنات قدرت کا ایک کارخانہ ہے۔ آسمان، زمین، اجرام سماوی، درخت، پہاڑ، چرند وپرند، حشرات الارض، جنات، فرشتے اور انسان سب اس کارخانے کے کل پرزے اور گراریاں ہیں، ہر پرزہ دوسرے پرزے سے جڑا ہوا ہے، کسی ایک پرزے کی کارگزاری بھی اعتدال سے ہٹ جائے تو مشین رک جاتی ہے یا جھٹکے کھانے لگتی ہے۔ ہر پرزہ اپنی کارکردگی کی حد سے واقف ہے لیکن مشین جس میکانزم پر چل رہی ہے پرزہ اس سے واقف نہیں ہے۔

حرکت مخفی اسکیم ہے جو مظاہر کے پس پردہ کام کررہی ہے۔ مخفی اسکیم تاریکی اور روشنی کی گہرائی میں ایسے نقوش تخلیق کرتی ہے جن کو ہمارے حواس دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھئے، گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ کی سوئی ڈائل میں موجود ہے، سیکنڈ کی سوئی تیزی سے حرکت کررہی ہے آنکھ اس حرکت کو محسوس کرلیتی ہے، منٹ اور گھنٹے کی سوئیاں بھی حرکت میں ہیں لیکن ہماری آنکھ اس حرکت کو محسوس نہیں کرتی اور جب ہم تھوڑے سے وقفہ کے بعد ان سوئیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سوئیوں کا حرکت کرنا نظر آتا ہے۔

ایک حرکت یہ ہے کہ سوئیاں کم یا زیادہ رفتار سے چل رہی ہیں اور دوسری حرکت یہ ہے، جو ساری مشین چل رہی ہے لیکن نگاہ سے چھپی ہوئی ہے۔

گھڑی کے اندر اسپرنگ، لیور اور گراریاں ہیں، ان کے باہمی عمل اور اشتراک سے حرکت کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہے، کوئی آگے حرکت کررہا ہے، کوئی دائرے میں گھوم رہا ہے۔ کوئی لحظہ بہ لحظہ اپنے حجم کو زیادہ کررہا ہے اور کوئی سمٹ رہا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ حرکت الٹی سیدھی کیوں ہے؟ لیکن تفکر کرنے سے ذہن کھل جاتا ہے، ماہ وسال کے تجزیہ سے منکشف ہوتا ہے کہ زندگی اربوں کھربوں کل پرزوں سے بنی ہوئی ایک مشین ہے۔

جس طرح انسان کی بنائی ہوئی کوئی بھی چھوٹی بڑی مشین توانائی (موبل آئل) کی محتاج ہے اسی طرح انسانی پنجرہ میں بند مشین بھی توانائی (چکنائی) کی محتاج ہے۔

بارہ کھرب خلئے:

دل، دماغ، گردے، پھیپھڑے، معدہ، آنتیں سب نظر نہ آنے والی توانائی سے حرکت کررہے ہیں، ان بنیادی پرزوں کے ساتھ تقریباً بارہ کھرب پرزے (خلئے) خود بخود متحرک ہیں، آدم زاد کی کوتاہ نظری ہے کہ وہ اپنے اندر آواز کے ساتھ جھٹکے کے ساتھ، تیز اور مدھم رفتار کے ساتھ چلنے والی مشین کو دیکھ نہیں سکتا اس کی آواز سن نہیں سکتا، مشین کو چلانے والی توانائی کا غیر مرئی سلسلہ منقطع ہوجائے تو اسے بحال نہیں کرسکتا۔

چراغ میں توانائی:

توانائی کا کام خود جل کر مشین کو حرکت میں رکھنا ہے۔ توانائی اگر اعتدال میں رہے تو زندگی بڑھ جاتی ہے، توانائی ضائع ہو جائے تو زندگی کا چراغ بھڑک کر بجھ جاتا ہے۔

سانس کی مشقوں اور مراقبہ کرنے سے انسان کے اندر توانائی کا ذخیرہ بڑھ جاتا ہے۔۔۔اور کیلوریز (Calories) کم خرچ ہوتی ہیں جس کی وجہ سے توانائی کا گراف اوپر چلا جاتا ہے۔

مراقبہ کرنے والا بندہ پُر سکون رہتا ہے۔ نیند فوراً آ جاتی ہے۔ چہرہ پر سے جھریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ پر کشش چہرہ کی وجہ سے اپنے پرائے سب پسند کرتے ہیں۔ وسوسوں، شکوک و شبہات سے نجات مل جاتی ہے۔

جس شخص کے اندر جتنا شک ہوتا ہے اسی مناسبت سے پریشان ہوتا ہے اور پریشانی سے طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ وسوسوں اور ذہنی دباؤ سے محفوظ رہنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بار بار پڑھا جائے۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت کی جائے، دل کی تصدیق کے ساتھ اللہ کو اپنی ضروریات کا کفیل سمجھا جائے۔۔۔اور وقت کی پابندی کے ساتھ مراقبہ کیا جائے۔

روحانی سائنس

ہندوستان کے مشہور صوفی بزرگ باباتاج الدین ناگپوریؒ خصوصی مسائل میں ہی نہیں بلکہ عام حالات میں بھی اپنی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی لہریں منتقل ہو رہی ہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین من و عن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے تھے جو باباتاج الدینؒ کے ذہن میں ہوتی تھی۔ یہ بات بالکل عام تھی کہ چند آدمیوں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور باباتاج الدینؒ نے اس کا جواب دے دیا۔

مرہٹہ راجہ رگھوراؤ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ مہاراجہ مخفی علوم سے مس بھی رکھتا تھا اور اس کے اندر فیضان حاصل کرنے کی صلاحیت بھی موجود تھی۔ ایک مرتبہ مہاراجہ نے سوال کیا۔ ’’باباصاحب! ایسی مخلوق جو نظر نہیں آتی مثلاً فرشتہ یا جنات، خبر متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں ہیں ان میں اس قسم کی مخلوق کے تذکرے ملتے ہیں۔ ہر مذہب میں بدروحوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہا گیا ہے لیکن عقلی اور علمی توجیہات نہ ہونے سے ذی فہم انسانوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے رکتے ہیں کہ ’’ہم سمجھ گئے‘‘ تجربات میں جو کچھ زبان زد ہیں، وہ انفرادی ہیں، اجتماعی نہیں آپ اس مسئلہ پر کچھ ارشاد فرمائیں۔‘‘

جس وقت یہ سوال کیا گیا باباتاج الدینؒ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ اوپر تھی۔ فرمانے لگے۔ ’’میاں رگھوراؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں، ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ و انجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں۔ اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی سمجھتے یہی ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔‘‘

دن کیا ہے۔ رات کیا ہے؟

فرمایا۔ ’’جو کچھ میں نے کہا اسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مفلوج ہے۔ انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ چیزیں دور پرے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں، ان پر بھی نظر ڈالتے جاؤ۔ دن طلوع ہوتا ہے، دن طلوع ہونا کیا شئے ہے؟ ہمیں نہیں معلوم کہ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے ہم نہیں جانتے دن رات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں اتنی بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے، اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوع انسانی کا یہی تجربہ ہے۔

میاں رگھوراؤ، ذرا سوچو کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات، فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں، پھر بھی وہ مظاہر ہیں جن سے ایک فردِ واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے، اس لئے قابل یقین ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ دراصل نگاہ اور فکر سارے کا سارا عمل تفکر ہے۔ نگاہ محض ایک گونگا ہیولا ہے۔ فکر ہی کے ذریعے تجربات عمل میں آتے ہیں تم نگاہ کو تمام حواس پر قیاس کر لو۔ سب کے سب گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔ تفکر ہی حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ حواس تفکر سے الگ کوئی چیز ہیں، حالانکہ تفکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انسان محض تفکر ہے۔ فرشتہ محض تفکر ہے۔ جن محض تفکر ہے۔ علیٰ عذالقیاس ہر ذی ہوش تفکر ہے۔

لامتناہی تفکر:

فرمایا اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آجاتا ہے جہاں کائنات کے کئی راز منکشف ہو جاتے ہیں۔ غور سے سنو! ہمارے تفکر میں بہت سی چیزیں ابھرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ باہر سے آتی ہیں۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے تفکر ہیں جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے۔ فرشتے اور جنات۔ ان سے انسان کا تفکر اسی طرح متاثر ہوتا ہے۔ قدرت کا چلن یہ ہے کہ لامتناہی تفکر سے تناہی کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔ پوری کائنات میں اگر قدرت کا یہ فیضان جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا یہ درمیانی رشتہ کٹ جائے۔

ایک تفکر کا دوسرے تفکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرزِ عمل کا ایک جز ہے۔ انسان پابہ گِل ہے، جنات پابہ ہیولا ہے، فرشتے پابہ نور ہیں۔ یہ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات ہیں۔ اگر یہ مربوط نہ رہیں اور ایک تفکر کی لہریں دوسرے تفکر کو نہ ملیں تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گی۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا تفکر ہیولا اور ہیولا قسم کے تمام جسموں سے فکری طور پر روشناس ہے ساتھ ہی ہمارا تفکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس ہے حالانکہ ہمارے تفکر کے تجربات پابہ گِل ہیں اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہیولا اور نور کے تجربات اجنبی تفکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں تفکر کو انا کا نام دیا جاتا ہے اور انا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو مجموعی طور پر فرد کہتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادلہ خیال ہوتا رہتا ہے یعنی ان کی انا (تفکر کی لہریں) ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔ تمام کائنات اس قسم کے تبادلہ خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب اور تبادلہ خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مانوس ہیں۔

کہکشانی نظام:

باباتاج الدینؒ اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے ''کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے درپے جو خیالات ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں۔ وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہمیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں توہم، خیال، تصور اور تفکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ سمجھایہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔

بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی انا کی اقدار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بتاناضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ان ہی کا تذکرہ آسمانی کتابوں اور قرآن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشانی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کا رکن بن گئی ہیں۔ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی لہریں خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں اور جب یہ لہریں معین مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ہر پرت الگ الگ ہونے کے باوجود ایک ہے:

تفکر، انا اور شخص ایک ہی چیز ہے۔ الفاظ کی وجہ سے ان میں معانی کا فرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ انا، تفکر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ ہستیاں ہیں جو لاشمار کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے بنی ہیں مثلاً بصارت، سماعت، تکلم، محبت، رحم، ایثار، رفتار، پرواز وغیرہ۔ان میں ہر ایک کیفیت شکل اور سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپا لے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرت دوسرے انواع سے زیادہ ہیں۔ کائنات کی ساخت میں ایک پرت بھی ہے اور کثیر تعداد پرت بھی ہیں۔ تاہم ہر نوع کے افراد میں مساوی پرت ہیں۔

دخان=مثبت کیفیت/منفی کیفیت:

انسان لاشمار سیاروں میں آباد ہیں اور ان کی قسمیں کتنی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یہی بات فرشتوں اور جنات کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ انسان ہوں، جنات ہوں یا فرشتے، ان کے سراپا کا ہر فرد ایک پائندہ کیفیت ہے۔ کسی پرت کی زندگی جلی ہوتی

ہے یا خفی۔ جب پرت کی حرکت جلی ہوتی ہے تو شعور میں آ جاتی ہے۔ خفی ہوتی ہے تو لاشعور میں رہتی ہے۔ جلی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع وایجاد کہتا ہے لیکن خفی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے حالانکہ وہ زیادہ عظیم الشان اور مسلسل ہوتے ہیں۔

یہاں یہ راز غور طلب ہے کہ ساری کائنات خفی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے بھری پڑی ہے البتہ یہ مظاہر مخفی انسانی لاشعور کی پیداوار نہیں ہیں۔ انسان کا خفی کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ربط قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس کمزوری کی وجہ نوع انسان کے اپنے خصائل ہیں۔انسان نے اپنے تفکر کو کس لئے پابہ گل کیا ہے۔ یہ بات اب تک نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔ کائنات میں جو تفکر کام کررہا ہے اس کا تقاضہ کوئی ایسی مخلوق پورا نہیں کرسکی جو زمانی، مکانی فاصلوں کی گرفت میں بے دست وپا ہو۔اس شکل میں ایسی تخلیق کی ضرورت تھی جو اس کے خالی گوشوں کو مکمل کرنے کی طاقت رکھتی ہو چنانچہ کائناتی تفکر سے جنات اور فرشتوں کی تخلیق عمل میں آتی ہے کہ خلاء پُر ہو جائے۔

فی الواقع انسانی تفکر سے وہ تمام مظاہر رونما نہیں ہو سکے جس سے کائنات کی تکمیل ہو جاتی۔ کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے انا کی چھوٹی بڑی مخلوط لہروں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ یہ فاصلے انا کی چھوٹی بڑی مخلوط لہروں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اسی تغیر کی صورتیں ہیں۔ دخان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے۔ اس مخلوط کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔ یہاں دخان سے مراد دھواں نہیں ہے۔ دھواں نظر آتا ہے اور دخان ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان مثبت دخان کی اور جنات منفی دخان کی پیداوار ہیں۔ رہا فرشتہ ان دونوں کے ملخص سے بنا ہے۔ عالمین کے تین اجزائے ترکیبی غیب وشہود کے بانی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے امکانی تموج سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجہ میں ہمارا شعور اور لاشعور حیات سے دور نابود میں گم ہو جاتا ہے۔

ان تین نوعوں کے درمیان عجیب وغریب کرشمہ برسرِ عمل ہے۔ مثبت دخان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ دخان کی منفی کیفیت نمکین ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔ اگر انسان میں مثبت کیفیت کم ہو جائے اور منفی کیفیت بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور وہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں مثبت کیفیت بڑھ جائے اور منفی کیفیت کم ہو جائے تو اس میں کشش ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔ اگر فرشتہ میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے اوپر آ جائیں تو مثبت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کرسکتا ہے اور منفی کے زور پر جنات کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتہ کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طریق کار بہت آسان ہے۔ ہم مٹھاس اور نمک کی معین مقداریں کم کر کے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہو سکتے ہیں۔ محض مٹھاس کی مقدار کم کر کے جنات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کر سکتے ہیں لیکن ان تدبیروں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی روحانی انسان کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

خیالات کا قانون:

یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہئے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے ہیں ان میں بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ان کا تعلق قرب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ جب ہم ان تصورات کا جوڑ اپنی زندگی سے ملانا چاہتے ہیں تو ہزاروں کوشش کے باوجود ناکام رہ جاتے ہیں۔انا کی جن لہروں کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں چند باتیں فکر طلب ہیں۔

سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہوتی کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ باالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں، انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔

انا کی لہریں:

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر لئے جاتے ہیں۔ سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی طریقہ کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی لہریں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آمنے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من و عن اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔

اندرونی تحریکات:

انبیاءاور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کارفرما ہے۔اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے۔چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست و معنویت کائنات کی رگ جان ہے۔ہم اس رگِ جاں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔انسانوں اور حیوانوں کے تصورات جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات، جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا محل:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا محل سونے، چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔دیواروں پر سونے چاندی کی پچی کاری تھی۔ چھتیں زمرد اور یاقوت سے مزین تھیں۔ تختِ شاہی زمرد، سچے موتی، لعل اور فیروزہ سے مرصع تھا۔ تخت کے چاروں کونوں پر ایسے درخت تراشے گئے تھے جن کی شاخیں Transparent تھیں، شاخوں میں رنگ برنگ بجلیاں دوڑتی تھیں، ہر شاخ پر گھونسلے بنائے گئے تھے اور گھونسلوں میں پرندے بٹھائے گئے تھے، دربار میں عود کی لکڑیاں سلگتی رہتی تھیں (2002ء میں عود کی لکڑی پانچ لاکھ ساٹھ ہزار روپے کلو ہے) مشک و عنبر Air Freshner کے طور پر استعمال ہوتے تھے، شاہی تخت اونچائی پر تھا، تخت کے نیچے دائیں بائیں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، جن پر انسان اور جنات میں سے اکابرین مملکت اور ان کے معاونین بیٹھتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تاج شاہی سر پر رکھ کر جلوہ افروز ہوتے تھے تو درختوں کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے پرندے اپنے پر کھول دیتے تھے اور ان پروں میں سے مشک و عنبر کی مہک آتی تھی۔ زر و جواہر سے مرصع رنگوں سے آراستہ مور رقص کرتے تھے اور یہ سب سائنس کا کرشمہ تھا۔

قرآنی سائنس:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ ملکہ سبؔا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ انہوں نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا:

''میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبؔا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت شاہی دربار میں موجود ہو''۔ ایک دیو پیکر جن نے کہا۔ ''دربار برخاست کرنے سے پہلے میں تخت لا سکتا ہوں''۔ جن کا دعویٰ سن کر ایک انسان نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا، یہ کہا ''اس سے پہلے آپ کی پلک جھپکے یہ تخت دربار میں آجائے گا۔'' حضرت سلیمان علیہ السلام نے رخ پھیرا ملکہ سبؔا کا تخت دربار میں موجود تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت کی ہیئت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکہ سبؔا یہ دیکھ کر حقیقت کی راہ پاتی ہے یا نہیں؟

ملکہ سبآ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے ؟ عقلمند ملکہ نے جواب دیا"ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے" ملکہ سبآ نے اس کے ساتھ ہی یہ کہا"مجھے آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت کا پہلے سے علم ہو چکا ہے اس لئے میں مطیع اور فرماں بردار بن کر حاضر ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ محیر العقول معاملہ تو آپ کی لافانی طاقت کا بے مثال مظاہرہ ہے اس لئے ہم پھر آپ سے فرماں برداری کا اظہار کرتے ہیں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسان انجینئروں سے ایک عالیشان محل تعمیر کروایا تھا جو آبگینوں کی چمک، قصر کی رفعت اور عجیب و غریب دستکاری کی وجہ سے بے مثال تھا۔ اس میں داخل ہونے کے لئے سامنے جو صحن پڑتا تھا اس میں ایک بڑا حوض کھدوا کر پانی سے بھر دیا گیا تھا۔ شفاف آبگینوں اور بلور کے ٹکڑوں سے ایسا نفیس فرش بنایا گیا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہ دھوکہ کھا کر یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں شفاف پانی بہہ رہا ہے۔

روحانی حواس:

باباتاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں کھانے کے لئے ایک امرود پیش کیا گیا، قاش جب دانتوں سے لگی تو انہوں نے فرمایا:
"یہ کسی مردے کا گوشت ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے امرود کی قاش پھینک دی، حاضرین مجلس میں سے کچھ لوگوں کو تجسس ہوا کہ امرود کی قاش سے مردہ گوشت کا کیا تعلق ہے۔ دو معزز حضرات مجلس میں سے اٹھے اور فروٹ کی اس دکان پر پہنچے جہاں سے امرود خریدے گئے تھے۔ دکاندار نے سبزی منڈی میں آڑھتی کا پتہ بتایا، آڑھتی نے اس زمیندار کا پتہ بتایا جہاں سے امرود اس کے پاس آئے تھے۔ زمیندار نے بتایا کہ جس باغ کے یہ امرود ہیں وہاں ایک قبرستان تھا، قبرستان میں ہل چلا کر امرود کا باغ لگایا گیا ہے۔

عجیب وغریب سرگزشت:

برصغیر پاک وہند کے معروف صاحب کمال ایک صوفی بزرگ حضرت غوث علی شاہ پانی پتیؒ نے مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا ہے جو ٹائم اور اسپیس کے بارے میں نہایت حیرت انگیز معلومات فراہم کرتا ہے۔

ایک شخص شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لباس کے اعتبار سے وہ شاہی عہدے دار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے شاہ صاحبؒ سے کہا۔ حضرت میری سرگزشت اتنی عجیب و غریب ہے کہ کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خود میری عقل بھی کام نہیں کرتی۔ حیران ہوں کہ کیا کہوں، کس سے کہوں، کیا کروں اور کہاں جاؤں ؟ اب تھک ہار کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

اس شخص نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کہا:

میں لکھنؤ میں رہتا تھا، برسر روزگار تھا۔ حالات اچھے گزر رہے تھے۔ قسمت نے پلٹا کھایا۔ معاشی حالات خراب ہوتے چلے گئے زیادہ وقت بیکاری میں گزرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے بہتر ہے کسی دوسرے شہر میں حصول معاش کی کوشش کی جائے۔ تھوڑا سازادراہ ساتھ لیا اور اودے پور کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستے میں رواڑی کے مقام پر قیام کیا۔ اس زمانے میں وہ جگہ ویران تھی صرف ایک سرائے آباد تھی۔ سرائے میں کچھ کسبیاں رہتی تھیں۔ میں سرائے میں متفکر بیٹھا تھا۔ پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔ ایک کسبی آئی۔ کہنے لگی میاں کس فکر میں بیٹھے ہو۔ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے کہا ابھی سفر کی تھکان ہے۔ ذرا سستالوں تھکن دور کرنے پر کھانا کھاؤں گا۔ یہ سن کر وہ چلی گئی۔ پھر کچھ دیر بعد آئی اور وہی سوال کیا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا اور وہ چلی گئی۔ تیسری دفعہ آکر پوچھا تو میں نے سب کچھ بتادیا کہ میرے پاس جو کچھ تھا خرچ ہوچکا ہے۔ اب ہتھیار اور گھوڑا بیچنے کی سوچ رہا ہوں۔ وہ اٹھ کر خاموشی سے اپنے کمرے میں گئی اور دس روپے لاکر مجھے دیدیئے۔

میں نے جب روپے لینے میں پس وپیش کی تو اس نے کہا میں نے یہ روپے چرغہ کات کر اپنے کفن دفن کے لئے جمع کئے ہیں، تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ روپے میں آپ کو قرض حسنہ دے رہی ہوں جب حالات درست ہوجائیں تو واپس کردینا۔

میں نے روپے لے لئے اور خرچ کرتا ہوا اودے پور پہنچا مجھے اچھی ملازمت مل گئی۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حالات اچھے ہوگئے۔

گھر سے خط آیا کہ لڑکا جوان ہوگیا ہے۔ سسرال والے شادی پر اصرار کر رہے ہیں، جلد سے جلد آکر اس فرض سے سبکدوش ہوجایئے۔

رخصت منظور ہونے پر میں اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ رواڑی پہنچا تو پرانے واقعات کی یاد تازہ ہوگئی۔ سرائے میں جاکر کسی کے متعلق معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ سخت بیمار ہے اور کچھ لمحوں کی مہمان ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح پرواز کرگئی۔ میں نے کفن دفن کا سامان کیا، اسے خود قبر میں اتارا اور سرائے میں واپس آکر سوگیا۔ آدھی رات کے وقت پیسوں کا خیال آیا۔ دیکھا تو جیب میں رکھی ہوئی پانچ ہزار کی ہنڈی غائب تھی، تلاش کیا مگر نہیں ملی خیال آیا کہ ہو نہ ہو دفن کرتے وقت قبر میں گرگئی ہے۔ افتاں وخیزاں قبرستان پہنچا اور ہمت کرکے قبر کھول دیا۔

قبر کے اندر:

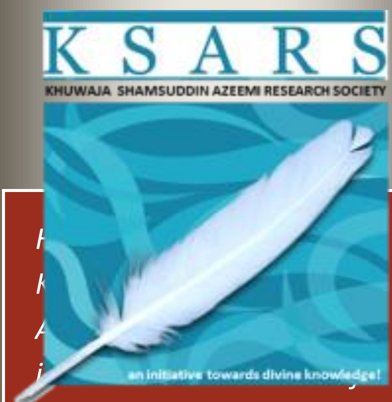
قبر کے اندر اترا تو ایک عجیب صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ نہ وہاں میت تھی نہ ہنڈی۔ ایک طرف دروازہ نظر آرہا تھا ہمت کرکے دروازے کے اندر داخل ہوا تو ایک نئی دنیا سامنے تھی۔ چاروں طرف باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور ہرے بھرے پھل دار درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ باغ میں ایک طرف عالی شان عمارت بنی ہوئی تھی۔ عمارت کے اندر قدم رکھا تو ایک حسین وجمیل

عورت پر نظر پڑی۔ وہ شاہانہ لباس پہنے بناؤ سنگھار کئے بیٹھی تھی۔ ارد گرد خدمت گار ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عورت نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں وہی ہوں جس نے تمہیں دس روپے دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو میرا یہ عمل پسند آیا اور اس عمل کو قبول فرما کر مجھے بخش دیا اور بھرپور نعمتوں سے نواز دیا۔ یہ تمہاری ہنڈی ہے جو قبر کے اندر گر گئی تھی۔ ہنڈی لو اور یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔

میں نے کہا یہاں کچھ دیر ٹھہر کر سیر کرنا چاہتا ہوں۔ حسین و جمیل عورت نے جواب دیا کہ تم قیامت تک بھی گھومتے پھرتے رہو تو یہاں کی سیر نہیں کر سکو گے۔ فوراً واپس چلے جاؤ۔ تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا اس عرصے میں کہاں کی کہاں پہنچ چکی ہو گی۔ میں نے اس کی ہدایات پر عمل کیا اور قبر سے نکل آیا۔ باہر آ کر دیکھا کہ وہاں سرائے تھی اور نہ ہی پرانی آبادی تھی۔ چاروں طرف شہر پھیلا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں سے سرائے کے بارے میں پوچھا تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بعض لوگوں نے مجھے مخبوط الحواس قرار دیا۔

آخر کار ایک آدمی نے کہا میں تمہیں ایک بزرگ کے پاس لے چلتا ہوں۔ وہ بہت عمر رسیدہ ہیں، شاید وہ کچھ بتا سکیں اس بزرگ نے سارا حال سنا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے دادا بتایا کرتے تھے کہ کسی زمانے میں یہاں ایک سرائے تھی۔ سرائے میں ایک امیر آ کر ٹھہرا تھا اور ایک رات وہ پراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا کہ زمین نگل گئی یا آسمان نے اٹھا لیا۔ میں نے کہا میں ہی وہ امیر ہوں جو سرائے سے غائب ہوا تھا۔ یہ سن کر وہ بزرگ اور حاضرین محفل حیران اور ششدر رہ گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

امیر یہ واقعہ سنا کر خاموش ہو گیا اور پھر شاہ عبدالعزیزؒ سے عرض کیا کہ آپ ہی فرمائیں میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ میرا گھر ہے نہ کوئی ٹھکانہ، دوسرے یہ کہ اس واقعے نے مجھے مفلوج کر دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ تم نے جو کچھ دیکھا ہے صحیح ہے اس عالم اور اس عالم کے وقت کے پیمانے الگ الگ ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ”اب تم بیت اللہ شریف چلے جاؤ اور باقی زندگی یادِالٰہی میں گزار دو۔“



mankind is that they should learn the Inner Knowledge and realise their latent spiritual potential so that they may get to know the Lord Creator of the universe, and hence enjoy a blissful life both here and in the hereafter.

Khuwaja Shamsuddin Azeemi Research Society(KSARS) is an initiative by Muraqbah Hall Ajman, towards the Nobel cause of His Divine Grace Khuwaja Shamsuddin Azeemi.